برِّصغیر پاک و ہند میں علمِ فقہ

مولانا محمدؐ اسحاق بھٹی

AL-MAKTABA PUBLISHERS
22-ABKARI ROAD.
LAHORE

ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور

Marfat.com

۲۹۷،۳۹۵۴
م ۳۹ ب

جملہ حقوق محفوظ

۱۹۰۸۵

بار اول .. .. جون ۱۹۷۳

تعداد ۱۱۰۰

محمد اشرف ڈار (افسر انتظامی) نے اشرف پریس - ۷ ایبک روڈ لاہور سے چھپوا کر
ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور سے شائع کیا

Marfat.com

انتساب

اپنے دادا مرحوم میاں محمد بخش کے نام جن کے فیوضِ تربیت نے پہلے پہل میرے ذہن میں فقہی ذوق کی پرورش کی۔

Marfat.com

Marfat.com

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	مقدمہ	۱
۱	فقہ کے لغوی اور اصطلاحی معنی	۱
۲	فقہ کی ضرورت واہمیت	۱
۳	مآخذِ فقہ	۲
۴	اقسامِ احکام	۳
۵	احادیثِ رسولِ اکرم	۳
۶	صحابہ اور تابعین کی اجتہادی آرا	۴
۷	اجتہاد	۵
۸	استنباطِ مسائل میں اختلاف	۶
۹	اصحابِ فتوٰی صحابہ اور تابعین	۶
۱۰	مکثرینِ صحابہ	۷
۱۱	متوسطین صحابہ	۷
۱۲	مقلّین صحابہ	۸
۱۳	مراکزِ فقہ	۸
۱۴	مدینہ منورہ	۸
۱۵	مکہ مکرمہ	۹
۱۶	کوفہ	۹
۱۷	بصرہ	۱۰
۱۸	شام	۱۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۹	مصر	۱۱
۲۰	یمن	۱۱
۲۱	فقہ کے دو اہم مرکز	۱۱
۲۲	امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ	۱۲
۲۳	طریق استنباط	۱۲
۲۴	قبل از وقوع واقعہ پر غور	۱۲
۲۵	امام مالک رحمۃ اللہ علیہ	۱۳
۲۶	استنباط مسائل کے ذرائع	۱۳
۲۷	امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ	۱۴
۲۸	نہج استدلال	۱۴
۲۹	امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ	۱۵
۳۰	اصول استدلال	۱۵
۳۱	برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ	۱۵
۳۲	بندرگاہ تھانہ پر حملہ	۱۶
۳۳	سندھ پر حملہ	۱۷
۳۴	کابل پر حملہ	۱۷
۳۵	زرنج پر قبضہ	۱۷
۳۶	قلات پر قبضہ	۱۷
۳۷	درہ خیبر پر حملہ	۱۸
۳۸	سندھ پر فیصلہ کن حملہ	۱۸
۳۹	دیبل میں پہلی مسجد	۱۹
۴۰	چند فقہائے کرام	۲۰

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۱	تین عظیم الشان کارنامے	۲۷
۴۲	کچھ اس کتاب کے بارے میں	۲۸
۴۳	اظہار تشکر	۳۱
	۱۔ الفتاویٰ الغیاثیہ	۳۳
۴۴	سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد کا ایک فقہی مخطوطہ	۳۳
۴۵	بلبن اور اس کا عہد	۳۳
۴۶	مخطوطہ کی کیفیت	۳۶
۴۷	فہرست مضامین	۳۷
۴۸	ابتدائیہ	۳۸
۴۹	انتساب	۳۸
۵۰	مآخذ اور مخففات	۴۱
۵۱	اعلام فقہ	۴۲
۵۲	مصنف	۴۲
۵۳	فاسق و مبدع کی امامت میں نماز	۴۵
۵۴	نماز جمعہ اور اس کی شرائط	۴۶
۵۵	مسائل میں حالات کی رعایت	۴۷
۵۶	وجوب حج کی شرائط میں راستوں کا امن بھی شامل ہے	۴۷
۵۷	سواری پر حج کو جانا زیادہ افضل ہے یا پیدل؟	۴۸
۵۸	طلاق کے سلسلے میں ایک دلچسپ نکتہ	۴۹
۵۹	کافر اور مظلوم	۵۰
۶۰	قرآن کی تلاوت کرنے والے پر سلام کہنے کے بارے میں	۵۰
۶۱	بادشاہ کو سجدہ نہ کیا جائے	۵۱

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
٦٢	تعظیم سے ہاتھ چومنا	٥١
٦٣	امیر کے سامنے کلمۂ حق کی اہمیت	٥١
٦٤	بادشاہوں کی خدمت میں حاضری	٥٢
٦٥	احتیاط اور افضلیت	٥٢
٦٦	مقروض سے تحفہ قبول کرنے کے بارے میں	٥٣
٦٧	بیت المال کے سلسلے میں	٥٣
٦٨	پیشگی اجرت	٥٤
٦٩	کیا ہاشمی سید مالِ زکوٰۃ قبول کر سکتا ہے؟	٥٥
٧٠	صدقۂ فطر	٥٦
٧١	اقرارِ جرم میں الفاظ کا استعمال	٥٧
٧٢	اقرارِ جرم کے بارے میں	٥٧
٧	لا الٰہ الا اللہ کہنے سے مریض کا انکار	٥٨
٧٤	استعمالِ الفاظ میں احتیاط کی تاکید	٥٨
٧٥	حالتِ سفر میں مرنے والے کا مال	٥٩
٧٦	دعا کے بارے میں	٥٩
٧٧	گداگر کے سلام کا جواب	٦٠
	۲۔ فتاویٰ قراخانی	٦١
٧٨	جلال الدین فیروز خلجی کے عہد کا ایک فقہی مخطوطہ	٦١
٧٩	فہرستِ مضامین	٦٢
٨٠	آغاز	٦٣
٨١	انڈیا آفس لائبریری کا مخطوطہ	٦٨
٨٢	ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کا نسخہ	٦٩

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۸۳	کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد کا نسخہ	۷۰
۸۴	پنجاب پبلک لائبریری کا نسخہ	۷۰
۸۵	مصنف و مرتب اور ان کا عہد	۷۲
۸۶	سلطنت خلجیہ اور اس کا عہد	۷۳
۸۷	مندرجات و مشمولات	۷۴
۸۸	مباحث کتاب کا آغاز	۷۵
۸۹	کتاب الطہارت	۷۵
۹۰	سبب وضو، نماز سے با قیام سوئے نماز	۷۵
۹۱	تعزیر ——— مالی تعزیر	۷۷
۹۲	تادیب کے لیے غلام پر تعزیر	۷۷
۹۳	کتاب السرقہ	۷۸
۹۴	کیا طبل جنگ کے سارق پر قطع ید واجب ہے؟	۷۹
۹۵	چوری ثابت ہونے کے بعد سزا نہ دینا معصیت ہے	۸۰
۹۶	میزبان کے گھر سے چوری کے بارے میں	۸۰
۹۷	خشک اور تر میوے کی چوری کی سزا	۸۱
۹۸	اگر چور حاکم کے سامنے پیش ہونے سے پہلے مال مسروقہ واپس کر دے	۸۱
۹۹	اگر حاکم کے سامنے پیش ہونے کے بعد مال واپس کرے	۸۲
۱۰۰	سزا سنانے کے بعد مالک چور کو معاف نہیں کر سکتا	۸۳
۱۰۱	مالک کی غیر موجودگی میں غلام کو سزا دینے کے بارے میں	۸۳
۱۰۲	مالک کی غیر موجودگی میں غلام کے بارے میں قاضی کا شہادت لینا	۸۴
۱۰۳	چوری کی ایک اور قسم	۸۴
۱۰۴	عادی چور کو جلا وطن یا علاقہ بدر کر دینے کے بارے میں	۸۵

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۰۵	قطعِ ید کے بعد قید وحبس کی سزا	۸۵
۱۰۶	شطرنج کی چوری کے بارے میں	۸۶
۱۰۷	کیا چوری کا جبری اقرار صحیح ہے ؟	۸۶
۱۰۸	کتاب الأیمان	۸۷
۱۰۹	کتاب النکاح	۸۷
۱۱۰	کتاب الزکوٰۃ	۸۸
۱۱۱	مال دار کے لیے عطیہ سلطانی حلال نہیں	۸۸
۱۱۲	حکمران کسی خاص وجہ سے کسی کا خراج معاف کرنے کا مجاز نہیں	۸۹
۱۱۳	ایک روز کی خوراک بھی ہو تو صدقہ مانگنا جائز نہیں	۹۰
۱۱۴	پہاڑوں اور جنگلوں سے دست یاب شدہ شہد اور میوے پر صدقہ واجب ہے۔	۹۰
۱۱۵	کتاب السیر والبغاۃ	۹۱
۱۱۶	سجدۂ تعظیمی	۹۱
۱۱۷	دار الحرب میں قرآن مجید	۹۲
۱۱۸	ذمی اور ان کی عبادت گاہیں اسلامی حکومت میں	۹۴
۱۱۹	ذمی اور اسلامی حکومت میں خمر وخنزیر کی فروخت	۹۵
۱۲۰	اگر کفار مسلمانوں پر غلبہ حاصل کر لیں	۹۵
۱۲۱	کتاب الجزیۃ والخراج	۹۷
	۳۔ فوائد فیروز شاہی	۹۹
۱۲۲	فیروز شاہ تغلق کے عہد کا ایک فقہی مخطوطہ	۹۹
۱۲۳	عہد فیروز شاہ تغلق کے علمائے کرام	۹۹
۱۲۴	فوائد فیروز شاہی۔	۱۰۰

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۲۵	فہرست	۱۰۱
۱۲۶	مخطوطہ ناقص ہے	۱۰۲
۱۲۷	پانچ ابواب جو آخر میں درج ہیں	۱۰۲
۱۲۸	ترتیبِ عنوانات اور الفاظ میں اختلاف	۱۰۲
۱۲۹	آخری دس صفحات	۱۰۳
۱۳۰	تاریخِ کتابت	۱۰۴
۱۳۱	چار نسخے	۱۰۴
۱۳۲	تقابل	۱۰۶
۱۳۳	ابتدائیہ	۱۰۸
۱۳۴	مصنف	۱۰۹
۱۳۵	مضامین	۱۱۱
۱۳۶	مختلف علوم اور ان کی وضاحت	۱۱۱
۱۳۷	حصہ فقہی	۱۱۱
۱۳۸	طبی معلومات	۱۱۲
۱۳۹	اخلاقیات	۱۱۲
۱۴۰	دیگر مباحث	۱۱۳
۱۴۱	مصنف کی علمی ہمہ گیری	۱۱۴
	۴ - فتاویٰ تاتارخانیہ	۱۱۵
۱۴۲	آغاز	۱۱۷
۱۴۳	مآخذ اور علامات	۱۱۷
۱۴۴	کتاب کا نام	۱۱۸
۱۴۵	مصنف	۱۱۹

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۴۶	امیر تاتار خاں	۱۲۰
	۵۔ فتاویٰ حمادیہ	۱۲۶
۱۴۷	گجرات (کاٹھیاواڑ) کا ایک تاریخی فقہی مخطوطہ	۱۲۶
۱۴۸	فہرست مضامین	۱۲۶
۱۴۹	مقدمۂ کتاب	۱۲۷
۱۵۰	مخطوطہ مختلف لائبریریوں میں	۱۳۱
۱۵۱	انڈیا آفس لائبریری کے نسخے	۱۳۱
۱۵۲	کتب خانہ خدیویہ مصر	۱۳۱
۱۵۳	کیٹلاگ آف مانچسٹر لائبریری	۱۳۲
۱۵۴	بانکی پور لائبریری	۱۳۳
۱۵۵	رام پور لائبریری	۱۳۴
۱۵۶	کتب خانہ آصفیہ	۱۳۴
۱۵۷	فتاویٰ کا مصنف	۱۳۶
۱۵۸	قاضی حماد الدین گجراتی	۱۳۶
۱۵۹	مصنف کے معاون	۱۳۷
۱۶۰	قاضی محمد اکرم گجراتی	۱۳۷
۱۶۱	مشمولات ومضامین	۱۳۷
۱۶۲	کتاب الحج	۱۳۸
۱۶۳	کیا بنی ہاشم کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟	۱۳۹
۱۶۴	بیت المال اور اغنیا	۱۴۰
۱۶۵	ایک فقہی نکتہ	۱۴۰
۱۶۶	نقب زن کے بارے میں	۱۴۱

Marfat.com

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۶۷	بیت المال کی چوری	۱۴۲
۱۶۸	سزائے قتل	۱۴۲
۱۶۹	چور کے قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا	۱۴۳
۱۷۰	کمزور و ناتواں کو کس طرح سزا دی جائے	۱۴۴
۱۷۱	وہ لوگ جن سے قتل کا قصاص نہیں لیا جائے گا	۱۴۴
۱۷۲	جزیہ کن لوگوں سے نہ لیا جائے	۱۴۶
۱۷۳	غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کے بارے میں	۱۴۷
۱۷۴	معاوضہ اور تنخواہ کے مستحق لوگ	۱۴۸
۱۷۵	بغاوت و خروج	۱۴۹
۱۷۶	مسجد کا وقف	۱۵۰
۱۷۷	اپیل کا حق	۱۵۰
۱۷۸	اجتہاد فی القضاء	۱۵۱
۱۷۹	غائب کے متعلق قضائے قاضی	۱۵۱
۱۸۰	آخری بیان کی اہمیت	۱۵۲
۱۸۱	آداب قاضی	۱۵۲
۱۸۲	قرض کی وصولی	۱۵۳
۱۸۳	اشتہار و منادی کے ذریعے ملزم کی تلاش	۱۵۴
۱۸۴	مقروض کا بیان قابلِ اعتماد ہو گا یا قرض خواہ کا؟	۱۵۵
۱۸۵	اگر محبوس جیل میں بیمار پڑ جائے	۱۵۵
۱۸۶	وثیقہ نویسی وغیرہ کی اجرت	۱۵۵
۱۸۷	اختلافِ شہادت	۱۵۶
۱۸۸	غلط کردار شخص کی شہادت	۱۵۸

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۸۹	اچھائیوں کا پلڑا برائیوں سے بھاری ہونا چاہیے	۱۵۹
۱۹۰	گواہ کے اوصاف	۱۶۰
۱۹۱	اہلِ بدعت کی شہادت	۱۶۱
۱۹۲	دشمن کی شہادت دشمن کے خلاف	۱۶۲
۱۹۳	دروغ گو اور جھگڑالو گواہ	۱۶۳
۱۹۴	اگر پہلے مخالفانہ شہادت دے چکا ہو	۱۶۳
۱۹۵	خادم، اجیر، تابع اور ملازم کی شہادت	۱۶۳
۱۹۶	شہادت اور شخصیت	۱۶۴
۱۹۷	مختار نامہ	۱۶۴
۱۹۸	وکالت	۱۶۴
	۶۔ فتاویٰ ابراہیم شاہی (حصہ فارسی)	۱۶۷
۱۹۹	فتاویٰ کے نسخے	۱۶۹
۲۰۰	فتاویٰ کی علمی اہمیت	۱۷۰
۲۰۱	مصنف	۱۷۱
۲۰۲	سلطان ابراہیم شرقی	۱۷۳
۲۰۳	سواری پر حج کو جانا افضل ہے	۱۷۶
۲۰۴	حجِ ثانی کے بجائے صدقہ	۱۷۶
۲۰۵	تعظیمِ استاذ	۱۷۶
۲۰۶	والدین اور استاذ	۱۷۷
۲۰۷	سلطانِ ظالم کو عادل کہنے والا	۱۷۷
	۷۔ فتاویٰ ابراہیم شاہی (حصہ دوم عربی)	۱۷۹
۲۰۸	فہرست مضامین	۱۸۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۰۹	فتاویٰ کے نسخے	۱۸۴
۲۱۰	مضامین و مشمولات	۱۸۵
۲۱۱	تحائف و ہدایا میں مساوات	۱۸۵
۲۱۲	اہل محلہ میں ہدایا کی تقسیم	۱۸۷
۲۱۳	کیا شئ مرہونہ میں تصرف ہو سکتا ہے؟	۱۸۷
۲۱۴	کیا شئ مرہونہ اجرت پر دی جا سکتی ہے!	۱۸۸
۲۱۵	مالِ مرہونہ کی حفاظت	۱۸۸
۲۱۶	اختلاف کی صورت میں اجرت کا معاملہ	۱۸۸
۲۱۷	اگر چرواہے سے ایک گائے بھاگ جائے	۱۸۹
۲۱۸	اگر گائے بیمار ہو جائے	۱۸۹
۲۱۹	اگر مالک اور چرواہے کے درمیان اختلاف ہو جائے	۱۹۰
۲۲۰	اگر دھوبی سے کپڑے ضائع ہو جائیں	۱۹۰
۲۲۱	مزارعت کے سلسلے میں	۱۹۱
۲۲۲	عادل حکومت کی تعریف	۱۹۱
۲۲۳	وہ بوسیدہ دیوار جو گزرگاہِ عامہ کی طرف جھکی ہو	۱۹۲
۲۲۴	قاضی کے فرائض و آداب، اور عزل و نصب کے بارے میں	۱۹۳
۲۲۵	باغی گروہ کا مقرر کردہ قاضی	۱۹۳
۲۲۶	کیا باغی گروہ کے غلبہ کی وجہ سے اصل قاضی معزول ہو جاتا ہے؟	۱۹۴
۲۲۷	قاضی کے چند اوصاف	۱۹۵
۲۲۸	وہ چیزیں جو قاضی میں نہیں ہونی چاہیں	۱۹۵
	۸۔ فتاویٰ امینیہ	۱۹۷
۲۲۹	دسویں صدی ہجری کا ایک فقہی مخطوطہ	۱۹۷

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۲۰	مخطوطے کی کیفیت	۱۹۷
۲۲۱	مخطوطے کے نسخے	۱۹۷
۲۲۲	یونیورسٹی لائبریری کا مخطوطہ اور اس کی کتابت	۱۹۸
۲۲۳	ابتدائیہ	۲۰۰
۲۲۴	فہرستِ مضامین	۲۰۱
۲۲۵	مصنفِ فتاویٰ	۲۰۲
۲۲۶	مآخذ	۲۰۳
۲۲۷	بیاض	۲۰۳
۲۲۸	کتاب الزکوٰۃ	۲۰۴
۲۲۹	کیا مالِ حرام سے زکوٰۃ ادا کی جا سکتی ہے؟	۲۰۴
۲۳۰	مصارفِ زکوٰۃ میں سے ایک مصرف	۲۰۵
۲۳۱	زکوٰۃ کا ایک اور مصرف	۲۰۶
۲۳۲	کتاب النکاح	۲۰۷
۲۳۳	اس عورت کے نکاح کی شہادت جس نے چہرے پر نقاب ڈال رکھا ہو	۲۰۷
۲۳۴	نکاح خواں صغائر کے نکاح کی اجرت نہیں لے سکتا	۲۰۷
۲۳۵	کم سن لڑکی کا نکاح غیر کفو میں صحیح نہیں	۲۰۷
۲۳۶	کتاب الطلاق	۲۰۸
۲۳۷	اگر طلاق کی گنتی میں شک پڑ جائے	۲۰۸
۲۳۸	شوہر غائب ہو تو بیوی کے اخراجات کون ادا کرے؟	۲۰۹
۲۳۹	اگر غائب شدہ شوہر کا کوئی غلام ہو	۲۱۰
۲۴۰	اگر شوہر مال و دولت چھوڑ کر چلا گیا ہو	۲۱۰
۲۴۱	کتاب الایمان	۲۱۱

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۵۲	بہت سی قسموں کا ایک ہی کفارہ	۲۱۱
۲۵۳	توبہ کے بعد ارتکاب فسق کے بارے میں	۲۱۲
۲۵۴	اگر مال نہ کھانے کی قسم کھائے اور بعد میں اس کا وارث بن جائے	۲۱۲
۲۵۵	کتاب الاجارہ	۲۱۳
۲۵۶	کم سن بچے کا روٹی کپڑے پر اجارہ	۲۱۳
۲۵۷	کتاب الوکا	۲۱۴
۲۵۸	وکالت کا دائرہ	۲۱۴
۲۵۹	حق وکالت کس صورت میں ختم ہو جاتا ہے؟	۲۱۵
۲۶۰	کتاب الوقف	۲۱۵
۲۶۱	واقف اور نگرانِ وقف کی معزولی	۲۱۵
۲۶۲	سلطان صرف قاضی کو معزول کر سکتا ہے	۲۱۶
۲۶۳	اگر واقف محتاج و فلاش ہو جائے	۲۱۷
۲۶۴	کتاب الکراہیۃ	۲۱۸
۲۶۵	قرآن مجید سے فال	۲۱۸
۲۶۶	امرا سے تحفہ قبول کرنے کے بارے میں	۲۱۹
۲۶۷	تدفین کے بعد میت کی منتقلی	۲۲۰
۲۶۸	کتاب الشہادۃ	۲۲۰
۲۶۹	بر سر عام کھانے والے کی شہادت	۲۲۰
۲۷۰	کتاب القضاء	۲۲۱
۲۷۱	آدابِ اکل و شرب	۲۲۱
	۹- المتانۃ فی مرمۃ الخزانۃ	۲۲۲
۲۷۲	علامہ مخدوم محمد جعفر بوبکانی	۲۲۲

Marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۷۳	تصانیف	۲۲۴
۲۷۴	قلمی نسخے	۲۲۶
۲۷۵	مندرجات و مشمولات	۲۲۶
۲۷۶	اگر مسجد گزرگاہ میں رکاوٹ نہ بنتی ہو	۲۲۶
۲۷۷	گزرگاہ اور مسجد دونوں مفاد عامہ کے لیے ہیں	۲۲۷
۲۷۸	اگر گزرگاہ کے کسی حصے میں مسجد بنالی جائے	۲۲۷
۲۷۹	بے گھر اور بے مسکن فقیر اور تعمیر مسجد	۲۲۷
۲۸۰	توسیعِ مسجد کے لیے حضرت عمر کا فیصلہ	۲۲۸
۲۸۱	گزرگاہ اور مسجد	۲۲۸
۲۸۲	کیا مسجد ایک جگہ سے دوسری جگہ تبدیل ہو سکتی ہے؟	۲۲۹
۲۸۳	اگر مسجد بے آباد ہو جائے	۲۲۹
۲۸۴	تعمیر مسجد میں اخلاص کی اہمیت	۲۳۰
۲۸۵	دیوار اور محراب پر آیاتِ قرآن کی کتابت	۲۳۰
۲۸۶	شبِ برأت اور لیلۃ القدر کو چراغاں نہیں کرنا چاہیے	۲۳۱
۲۸۷	جنازے کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کے بارے میں	۲۳۱
۲۸۸	جنازے کے ساتھ خاموشی سے چلنا چاہیے	۲۳۲
۲۸۹	قاضی کی عدالت میں جھگڑا کرنے والوں کے بارے میں	۲۳۳
	۱۰۔ فتاویٰ بابری	۲۳۴
۲۹۰	ظہیرالدین بابر	۲۳۴
۲۹۱	بابر کا کتب خانہ	۲۳۵
۲۹۲	فتاویٰ	۲۳۶
۲۹۳	کیفیتِ مخطوطہ	۲۴۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۹۴	سببِ تالیف	۲۴۰
۲۹۵	دیباچہ کتاب	۲۴۱
	۱۱۔ فتاویٰ عالم گیری	۲۴۵
۲۹۶	کچھ اورنگ زیب عالم گیر کے بارے میں	۲۴۵
۲۹۷	اورنگ زیب کے اساتذہ	۲۴۹
۲۹۸	مولانا عبداللطیف سلطان پوری	۲۴۹
۲۹۹	مولانا محمد ہاشم گیلانی	۲۵۰
۳۰۰	شیخ محی الدین بہاری	۲۵۱
۳۰۱	حاجی قاسم خوش نویس	۲۵۲
۳۰۲	شیخ علی بن محمد مقیم	۲۵۲
۳۰۳	علامہ محمد شفیع یزدی	۲۵۳
۳۰۴	عالم گیر کے مرشد	۲۵۴
۳۰۵	شیخ محمد معصوم	۲۵۵
۳۰۶	بختاور خاں۔ عالم گیر کا نامور سوانح نگار	۲۵۶
۳۰۷	گلستانِ فقہ	۲۵۷
۳۰۸	مشمولات و مضامین	۲۵۹
۳۰۹	فتاویٰ کی فقہی اہمیت	۲۶۱
۳۱۰	ماخذ	۲۶۱
۳۱۱	خصوصیات	۲۶۳
۳۱۱	فتاویٰ عالم گیری کا سال تالیف	۲۶۴
۳۱۲	شیخ نظام برہان پوری	۲۶۹
۳۱۵	شیخ نظام کے اساتذہ	۲۷۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۱۵	شیخ نظام کے ایک اور استاذ	۲۷۶
۳۱۶	شیخ نظام الدین ٹھٹھوی سندھی	۲۷۷
۳۱۷	شیخ ابوالخیر ٹھٹھوی	۲۷۹
۳۱۸	شیخ رضی الدین بھاگل پوری	۲۸۱
۳۱۹	مولانا محمد جمیل جون پوری	۲۸۲
۳۲۰	قاضی محمد حسین جون پوری	۲۸۶
۳۲۱	مفتی وجیہ الدین گوپامئوی	۲۸۸
۳۲۲	سید محمد بن محمد قنوجی	۲۸۹
۳۲۳	اولاد	۲۹۵
۳۲۴	تلامذہ	۲۹۸
۳۲۵	مولانا حامد جون پوری	۲۹۸
۳۲۶	اساتذہ	۲۹۹
۳۲۷	اولاد	۲۹۹
۳۲۸	مولانا جلال الدین مچھلی شہری	۳۰۰
۳۲۹	قاضی علی اکبر الہ آبادی	۳۰۰
۳۳۰	قاضی عبدالصمد جون پوری	۳۰۲
۳۳۱	ان کے استاذ	۳۰۳
۳۳۲	مولانا ابوالواعظ ہرگامی	۳۰۵
۳۳۳	شاگرد	۳۰۸
۳۳۴	مفتی ابوالبرکات دہلوی	۳۰۸
۳۳۵	شیخ احمد بن ابوالمنصور گوپامئوی	۳۰۹
۳۳۶	ان کے استاذ	۳۱۰

Marfat.com

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۳۱۲	مولانا عبد الفتاح صمدانی	۳۳۷
۳۱۳	اساتذہ	۳۳۸
۳۱۳	قاضی عصمت اللہ لکھنوی	۳۳۹
۳۱۴	اساتذہ	۳۴۰
۳۱۷	قاضی محمد دولت فتح پوری	۳۴۱
۳۱۷	ان کے استاذ	۳۴۲
۳۱۹	شیخ شہید کی اولاد	۳۴۳
۳۲۰	مولانا محمد سعید سہالوی	۳۴۴
۳۲۲	شیخ محمد غوث کاکوروی	۳۴۵
۳۲۴	مفتی محمد اکرم لاہوری	۳۴۶
۳۲۷	شاہ عبد الرحیم دہلوی	۳۴۷
۳۲۹	انتقال	۳۴۸
۳۳۰	ملا فصیح الدین پھلواری	۳۴۹
۳۳۴	قاضی سید عنایت اللہ مونگیری	۳۵۰
۳۳۸	مولانا محمد شفیع سرہندی	۳۵۱
۳۴۱	ملا وجیہ الرب	۳۵۲
۳۴۱	ملا غلام محمد	۳۵۳
۳۴۱	علامہ ابو الفرح	۳۵۴
۳۴۲	فتاوٰی عالم گیری کا فارسی ترجمہ ـــــ عبد اللہ چلپی	۳۵۵
۳۴۳	قاضی نجم الدین علی خاں کاکوروی	۳۵۶
۳۴۵	اساتذہ	۳۵۷
۳۴۷	فتاوٰی عالم گیری کے اردو مترجم ـــــ مولانا سید امیر علی ملیح آبادی	۳۵۸

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۵۹	اساتذہ	۳۵۰
۳۶۰	مندرجات و مشمولات	۳۵۴
۳۶۱	منصبِ قضا پر امیر آدمی کو فائز کیا جائے	۳۵۵
۳۶۲	اگر قاضی رشوت لے کر فیصلہ کرے	۳۵۵
۳۶۳	اگر قاضی کے بیٹے یا محرر یا پیادے نے رشوت لی	۳۵۵
۳۶۴	ضروری کاغذات قاضی کے پاس رہنے چاہئیں	۳۵۶
۳۶۵	کیا مسجد میں یا گھر میں قاضی دربان مقرر کر سکتا ہے؟	۳۵۶
۳۶۶	عدالت میں قاضی کے سامنے اس کا معاون ہونا چاہیے	۳۵۷
۳۶۷	کیا قاضی فریقین کو سلام کر سکتا ہے یا وہ اس کو سلام کر سکتے ہیں؟	۳۵۸
۳۶۸	قاضی کے لیے ضروری ہدایات	۳۶۰
۳۶۹	تعارفِ کتبِ فقہ	۳۶۵-۳۸۰

Marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مقدمہ

فقہ کے لغوی اور اصطلاحی معنی

لغوی اعتبار سے لفظ "فقہ" کے معنی فہم و ادراک کے ہیں اور اصطلاح شرع میں، فقہ کا اطلاق اس فہم خاص پر ہوتا ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی ضیا پاشیوں سے ماخوذ ہو۔ اسی طرح فقیہ، سمجھ دار، دانشمند اور فہیم آدمی کو کہا جانے لگا۔ لیکن جب اس کا اصطلاحی معنی لیا جائے گا تو فقیہ، اس شخص کو کہیں گے جو ماخذ شریعت پر اس طرح سے مہارت رکھتا ہو کہ پیش آمدہ مسائل کے متعلق ان سے ٹھیک ٹھیک جواب کا استنباط کر سکے۔

فقہ کی ضرورت و اہمیت۔

عہد رسالت مآب علیہ الف الف تحیۃ وسلام میں۔ اسلام کا دائرہ محض حدود عرب تک محدود تھا۔ عربوں کی معاشرت سادہ تھی، ضروریات کا دامن سمٹا ہوا تھا اور مسائل و مسائل کے سلسلے نہایت مختصر تھے۔ اس بنا پر تقاضائے مصلحت یہی تھا کہ لوگوں کو ضروریات کی حد تک اصولی اور بنیادی چیزیں سمجھا دی جائیں اور اس کے ساتھ ساتھ ان اساسی اور بنیادی اصولوں میں اتنی وسعت اور لچک بھی ملحوظ رکھی جائے کہ عند الضرورت اور عند النوازل ان سے مسائل کا استنباط ہو سکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلفائے راشدین صحابہ کرام اور تابعین عظام کے زمانے میں اسلام کی حدود بہت بڑھ گئیں اور مسلمانوں کی فتوحات کا سلسلہ اس درجہ وسعت پذیر ہوا کہ عراق، ایران، مصر اور شام وغیرہ کے متمدن و زرخیز علاقے ان کے زیر نگیں آ گئے، اندلس، افریقہ، ترکستان، ایشیا اور سندھ وغیرہ کے دور دراز مقامات پر ان کی فتح و نصرت کے علم لہرانے لگے تو اسلام کو نئے مسائل، نئے تمدن، نئے معاشرے،

Marfat.com

نئی تہذیب، نئی ثقافت اور نئی معاشرتوں سے واسطہ پڑا۔ نئے ذرائع آمد و خرچ سامنے آئے، نئے نظام زراعت و اقتصاد سے تعارف ہوا اور معاملات کی نئی سے نئی مشکلیں ظہور پذیر ہوئیں۔ قدرتی طور پر ان سے بطریق احسن عہدہ برآ ہونے کے لیے نظر و بصر میں ایک حرکت پیدا ہوئی اور فکر و فہم کے زاویوں میں شدت سے احساس تبدیلی رونما ہوا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تابعین کے عہدِ آخر میں آئمہ عظام کی ایک جماعت نے کتاب و سنت کو پیش نگاہ رکھ کر، اس کے مقرر کردہ حدود و قوانین کے مطابق، ایک ایسا ضابطۂ زندگی مرتب کر دینے کی طرح ڈالی جو اس دور کے تقاضوں کو بوجہ احسن پورا کر سکے۔ اس طرح وقت و ضرورت کے مصالح ایک نئے علم کی تدوین کا باعث بنے، جس کو "علم الفقہ" کے نام سے موسوم کیا گیا۔

مآخذِ فقہ

فقہِ اسلامی میں استدلال و استنباط کی تین بنیادیں ہیں۔

۱۔ کتاب اللہ۔

۲۔ سنت رسول اللہ۔

۳۔ رائے و قیاس صحیح۔

فقہ کے ان مآخذِ ثلاثہ کی مختصر الفاظ میں وضاحت کی جائے تو بات یوں بنتی ہے کہ آنحضرتؐ کی بعثت سے لے کر آپؐ کے وصال تک قرآن مجید کی آیات و سُوَر کا نزول بتدریج ہوتا رہا۔ آغازِ اسلام میں اوّلین کام مسلمانوں کے عقیدہ و فکر کی اصلاح، تذکیر و موعظت اور ان کے اخلاق و کردار کو سنوارنا اور جلا بخشنا تھا اس لیے سب سے پہلے عقائد، تذکیر و اخلاق سے متعلق آیات نازل ہوئیں۔ پھر دوسرا مرحلہ احکام و اوامر کا تھا۔ لہٰذا ان کے بعد آیاتِ احکام کا نزول ہوا، جو مستقل طور پر بھی نازل ہوئیں اور ان واقعات کے جواب میں بھی اتاری گئیں جو وقتاً فوقتاً اس زمانے میں مسلمانوں کو پیش آتے رہے۔

ان احکام و اوامر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود عمل کرتے اور صحابہ کو عمل کا حکم صادر فرماتے۔ ان احکام کی مزید وضاحت فرماتے اور پیش آمدہ امور و مشکلات میں لوگوں کے سوالات کا جواب دیتے۔ اللہ کی طرف سے

ان نازل شدہ احکام میں چونکہ قلتِ تکلیف اور عدمِ حرج کی خصوصیت سے ملحوظ تھا، اس لیے آنحضرت صلعم بھی تبیین و توضیح میں اس کا خاص خیال رکھتے۔

اقسام احکام

قرآن مجید، متعدد مضامین پر مشتمل آیات کا دل نواز اور روح پرور مجموعہ ہے۔ اس میں امم سابقہ کا ذکر بھی ہے، قصص و واقعات بھی خاص اسلوب سے بیان کیے گئے ہیں اور پند و موعظت کا بھی ایک دل نشین سلسلہ موجود ہے۔ ان کے علاوہ آیاتِ احکام ہیں، جن کی تعداد پانچ سو کے قریب ہے۔ اور یہ احکام دو اقسام میں منقسم ہیں۔

۱۔ وہ احکام جو حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کی پھر دو قسمیں ہیں؛ ایک وہ جن کا تعلق صرف انسان اور اس کے خدا سے ہے، جیسے نماز، روزہ، حج اور دوسری عبادات۔

دوسرے وہ احکام، جن کا تعلق اگرچہ بظاہر انسان اور اس کے خدا سے ہے، تاہم ان میں دوسرے لوگوں کا بھی کسی نہ کسی شکل میں تعلق پایا جاتا ہے۔ مثلاً زکوٰۃ، عشر، صدقات، خیرات اور جہاد وغیرہ۔

۲۔ حقوق العباد کے بارے میں احکام۔ یہ تین اقسام کا احاطہ کیے ہوتے ہیں۔

اول:- وہ جو استقلالِ خاندان اور روابط معاشرہ سے متعلق ہیں۔ مثلاً نکاح، طلاق اور وراثت وغیرہ۔

ثانی:- وہ جو باہمی معاملات کی وضاحت کرتے ہیں۔ جیسے بیع و شرا، تجارت، اجارہ اور ہبہ وغیرہ۔

ثالث:- وہ جو تعزیر اور انتظام مدن کے ضمن میں ہیں۔ مثلاً قصاص، حدود، سیاسی معاہدات، جزیہ اور مفادِ عامہ سے متعلق امور۔

احادیث رسول

قرآن مجید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض اور آپ کے طریقے اور عمل کی اتباع کو ضروری قرار دیا ہے۔ دین کے باب میں آنحضرتؐ کے تمام اعمال و ارشادات کو تسلیم کرنا لازم ہے، کیونکہ ان کی حیثیت وحی الٰہی کی ہے۔ صحابہ بلا حیل و حجت آپ ؐ کے

اعمال و فرامین پر عمل کرتے تھے۔

عہد نبوت میں عام طور پر احکام کے بارے میں فرض، واجب، مستحب، مباح، حرام اور مکروہ وغیرہ اصطلاحات مروّج نہیں تھیں۔ صحابہ کرام آنحضرت کی زبان مبارک سے جو کچھ سنتے یا جس طرح آپ کو عمل کرتے دیکھتے، اسی طرح خود بھی عمل کرتے۔ مثلاً آپ کو وضو کرتے دیکھا تو اسی طرح وضو کر لیا۔ یہ معلوم کرنے کی ضرورت نہ تھی کہ افعالِ وضو میں کون سے افعال فرض ہیں، کون سے مسنون ہیں اور کون سے مستحب۔ صحابہ، آنحضرتؐ سے مسائل بھی بہت کم پوچھتے تھے البتہ کوئی اہم واقعہ پیش آتا یا کسی معاملے میں وضاحت و صراحت کی ضرورت محسوس کرتے تو پوچھ بھی لیتے، لیکن ان مسائلِ مسئولہ کی تعداد بہت کم ہے۔ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ان باتوں کی خود ہی ہدایت فرما دیتے، جس کی عام انسانوں کے لیے ضرورت سمجھتے۔

صحابہ اور تابعین کی اجتہادی آرا

فقہ کا تیسرا ماخذ، کتاب و سنت کی روشنی میں رائے و قیاس صحیح ہے اس کا ثبوت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ سے ملتا ہے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال سے کچھ عرصہ قبل ۱۰ھ میں ان کو یمن کا قاضی مقرر کر کے بھیجا۔ اس موقع پر آنحضرتؐ نے ان سے جو کچھ فرمایا اور انھوں نے آپ سے جو کچھ عرض کیا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم لما اراد ان يبعث معاذا الى اليمن قال كيف تقضى اذا عرض لك قضاء؟ قال اقضى بكتاب الله قال فان لم تجد فى كتاب الله؟ قال فبسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فان لم تجد فى سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا فى كتاب الله؟ قال اجتهد رأيى ولا آلو، فضرب رسول الله صلى الله عليه وسلم صدره وقال الحمد لله الذى وفق رسول رسول الله لما يرضى رسول الله[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجنا چاہا تو فرمایا۔

---

[1] سنن ابو داؤد۔ کتاب الاقضیۃ، باب اجتہاد الرأی فی القضاء، نیز ملاحظہ ہو جامع ترمذی کتاب الاحکام۔ باب ما جاء فی القاضی کیف تقضی۔

Marfat.com

کوئی فیصلہ طلب معاملہ تمھارے سامنے پیش کیاجائے توکس طرح فیصلہ کرو گے؟
عرض کیا۔ کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔
فرمایا۔ اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ؟
کہا۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق فیصلہ کروں گا۔
فرمایا۔ اگر سنتِ رسول اللہ اور کتاب اللہ، دونوں میں نہ پاؤ؟
بولے۔ پھر اپنی رائے سے کام لوں گا اور صحیح رائے قائم کرنے میں کسی قسم کی کوتاہی کا ارتکاب نہ کروں گا۔

یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ازراہِ مسرت) ان کے سینے پہ ہاتھ مارا اور فرمایا۔ سب تعریف اللہ کے لیے ہے، جس نے اپنے رسولؐ کے پیغامبر کو اس بات کی توفیق عطا فرمائی کہ جس سے اللہ کے رسولؐ کی رضامندی وابستہ ہے۔

اسی طرح امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عامل حضرت ابوموسے اشعری رضی اللہ عنہ کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا۔

الفهم الفهم، فيما يختلج في صدرك مما لم يبلغك في الكتاب والسنة اعرف الامثال والاشباه، ثم قس الامور عند ذلك، فاعمد الى احبها عند الله واشبهها بالحق فيما ترى[1]

یعنی فہم وادراک سے کام لو۔ فہم وادراک سے کام لو۔ ان مسائل میں جو کتاب وسنت میں نہ ہونے کی وجہ سے تیرے دل میں خلجان پیدا کریں۔ مسائل میں اشباہ وامثال کو پہچانو اور پھر ان کی روشنی میں، ان کے بارے میں ایسی رائے قائم کرو، جو تمھیں اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور حق سے قریب تر نظر آئے۔

اجتہاد

اجتہاد کا مطلب یہ ہے کہ کتاب وسنت سے حکم شرعی مستنبط کرنے میں چند قیود و شرائط کے ساتھ پوری پوری کوشش کی جائے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔

---

[1] سنن دارقطنی مع التعلیق المغنی (مولانا شمس الحق عظیم آبادی) مطبع فاروقی دہلی ج ۲ ص ۵۱۲۔ نیز الفاظ کے کچھ تغیر وتبدل کے ساتھ اعلام الموقعین جلد اول ص ۷۲ (مطبع منیریہ مصر) بھی دیکھیے

Marfat.com

ایک یہ کہ کتاب و سنت کی منصوص عبارت سے استخراج مسائل کیا جائے۔

دوسرے یہ کہ کتاب و سنت کے منصوص مسائل سے بذریعہ قیاس استخراج مسائل کیا جائے۔

عصر صحابہ میں استنباط و تخریج کا سلسلہ فقط انہی مسائل تک محدود تھا جو خارج میں پیدا ہو گئے اور بطور واقعہ کے ظہور میں آ گئے مکانی تفریعات کو موضوع بحث نہیں ٹھہرایا جاتا تھا۔ کوئی نیا مسئلہ پیش آتا تو صحابہ اس کو ہدف غور و فکر قرار دیتے۔ اولاً اس کی تلاش کے لیے قرآن مجید کی ورق گردانی کی جاتی۔ اگر قرآن میں اس کا سراغ نہ ملتا تو احادیث رسول کی طرف رجوع کیا جاتا۔ اگر قرآن مجید اور احادیث رسول اکرم، دونوں کو اس کے تذکرہ سے خالی پاتے تو مجلس صحابہ میں اس مسئلے کی نوعیت پر غور کیا جاتا اور کتاب و سنت کی روشنی میں کسی امر پر سب متفق ہو جاتے تو اس اتفاق اور اجماع کو بھی حجت شرعی سے تعبیر کیا جاتا اور یہ امر معمول بہ قرار پاتا۔ اجماع نہ ہونے کی صورت میں اہل افتا صحابہ اپنے اپنے اجتہاد اور رائے سے استنباط مسئلہ کرتے۔ اختلاف کی صورت میں کسی ایک صحابی کی تخریج پر عمل کر لینے کو بھی کافی سمجھا جاتا۔ بالعموم لوگ اپنے اپنے شہر اور علاقے کے اہل افتا صحابہ اور ان کے تلامذہ یعنی تابعین کی پیروی کرتے۔ اس طرح یوں سمجھیے کہ عہد صحابہ میں ہی استخراج مسائل فقہیہ کے چار اصول متعین ہو گئے تھے۔

۱ - قرآن
۲ - سنت
۳ - قیاس - اور
۴ - اجماع -

استنباط مسائل میں اختلاف

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیائے فانی سے تشریف لے جانے کے بعد عہد صحابہ میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ وسعت پذیر ہوا اور اس کے دائرۂ عمل نے پھیلاؤ اختیار کیا تو مسلمانوں کا بہت سے ایسے امور سے سابقہ پڑا، جن میں اجتہاد و استنباط کی شدید ضرورت تھی۔ بعض اس قسم کے معاملات بھی سامنے آئے جن کا عہد نبوی سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ایسے مواقع پر اہل علم کو استنباط، حمل النظیر علی النظیر اور قیاس سے کام لینے کی ضرورت محسوس ہوئی اور فہم مسائل اور ان کی تعبیر و وضاحت میں کئی مقامات پر اہل علم کے درمیان اختلافات بھی پیدا ہوئے اور ایسا ہونا ضروری تھا۔

اصحاب فتویٰ صحابہ اور تابعین

دینی نوعیت کے پیش آئندہ واقعات و مسائل کے سلسلے میں کسی ماہر شریعت کے دینی فیصلے کو "فتویٰ" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور فتویٰ دینے والے ماہر شرع اور عالم دین کو مفتی اور مجتہد کے پر اعزاز لقب سے پکارا جاتا ہے۔

Marfat.com

اسلامی نقطۂ نظر سے اصل فیصلہ وہی ہے جو اللہ اور اس کے رسول کا جاری کردہ ہو۔ اسی بنا پر اس شخص کے فیصلے کو مستند اور قابل تسلیم گردانا جاتا ہے، جس کے فیصلے کی اساس کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ قرار دی جائے۔

عہد نبوت میں اس قسم کے فیصلے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نافذ فرماتے۔ آپ کی زندگی میں صحابہؓ کی ایک جماعت بھی اس کے لیے تیار ہو چکی تھی۔ اس مقدس جماعت میں سے بعض کو آنحضرت ﷺ نے فیصلے کرنے کی اجازت دی اور بعض کو فیصلے کے اصول سمجھائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد خلفائے راشدین اور دیگر اصحاب افتا صحابہؓ نے یہ عظیم خدمت انجام دینا شروع کی۔ جن مجتہدین صحابہؓ کے فتاوے محفوظ ہیں اور ہم تک پہنچے ہیں، ان کی تعداد ایک سو انچاس ہے۔ ان میں مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی۔ فتاوی کی نوعیت کے اعتبار سے اس تعداد کو تین حصوں میں منقسم کیا جاتا ہے۔ مکثرین، متوسطین اور مقلین

مکثرین صحابہ

مکثرین سے مراد وہ اہل فتوی صحابہ ہیں، جن میں سے ہر صحابی سے منقول و مروی فتاوی کا ضخیم مجموعہ اور کثیر مواد موجود ہے۔ وہ صحابہ سات ہیں جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

امیر المومنین حضرت عمر فاروق، امیر المومنین حضرت علی، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت رضی اللہ عنہم

یہ حضرات صحابہؓ قرآن، حدیث اور فقہ میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔

متوسطین صحابہ

متوسطین سے صحابۂ رسول اکرم کی وہ جماعت مراد ہے، جن میں کے ہر صحابی سے منقول، فتاوی کا چھوٹا سا مجموعہ دستیاب ہوتا ہے۔ یہ بیس صحابہ کرام ہیں جن میں سے چند کے اسمائے گرامی یہ ہیں

خلیفۂ رسول اکرم حضرت ابو بکر صدیق، امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان، ام المومنین حضرت ام سلمہ، انس، ابو ہریرہ، معاذ بن جبل، ابو موسیٰ اشعری، عبدالرحمن بن عوف، زبیر بن العوام، طلحہ، عبادہ بن صامت، ابو سعید خدری، سلمان فارسی،

Marfat.com

معاویہ، جابر اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم اجمعین۔

مقلین صحابہ

وہ صحابہ، جن سے منقول فتاویٰ کی تعداد بہت ہی کم ہے۔ بعض سے تو صرف ایک یا دو فتوے منقول ہیں۔ ان سب کے فتاویٰ کو جمع کیا جائے تو بہت ہی چھوٹے سے مجموعے پر محتوی ہوں گے۔ ان صحابہ کو مقلین کہا جاتا ہے، ان کی تعداد ایک سو بائیس ہے۔

مندرجہ ذیل صحابہ اسی زمرۂ مقلین میں شامل ہیں[1]۔

ابوالدرداء، ابوذر غفاری، ابوایوب انصاری، ابوعبیدہ بن جراح، ابی بن کعب، جعفر بن ابو طالب، حضرت حسن، حضرت حسین، ام المومنین حضرت حفصہ، ام المومنین حضرت صفیہ، ام المومنین ام حبیبہ، نعمان بن بشیر، ابومسعود، براء بن عازب، حذیفہ بن یمان، عمار بن یاسر، سعد بن معاذ، خالد بن ولید، عقیل بن ابی طالب، حضرت فاطمۃ الزہرا، عبدالرحمٰن بن ابوبکر، سعد بن عبادہ، عدی بن حاتم، عوف بن مالک، عبداللہ بن سلام، ام شریک، حبیب بن مسلمہ، مقداد بن اسود، سہل بن سعد الساعدی، عبداللہ بن رواحہ رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

مراکز فقہ

دورِ خلافت راشدہ میں اور اس کے بعد اسلامی فتوحات کے دائرے بڑھے اور نوآبادیوں کا سلسلہ پھیلا تو ضروریات کے پیش نظر حدودِ اسلامی میں مختلف مراکز فقہ اور مراکز افتا قائم ہوئے، جن میں اہم اور لائق تذکرہ سات مراکز تھے۔ اور وہ تھے مدینہ منورہ، مکہ معظمہ، کوفہ، بصرہ، شام، مصر اور یمن۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذیل میں فقہ و افتا کے ان مراکز سبعہ کا مختصر الفاظ میں تعارف کرا دیا جائے۔

مدینہ منورہ

زمانۂ رسالت سے خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت یعنی ۳۵ھ تک مدینہ منورہ کو بلادِ اسلامیہ کے عظیم الشان مرکز کی حیثیت حاصل رہی۔ اس وقت خلفائے ثلاثہ۔ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ

---

[1] مکثرین، متوسطین اور مقلین صحابہ کے لیے تفصیلات اعلام الموقعین جلد اول ص ۱۱۱-۱۰۹ میں دیکھیے۔

عنہم — کے علاوہ صحابہ کرام میں حضرت علی، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عبد اللہ بن عباس، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابو ہریرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین مدینہ منورہ کے اکابر اصحاب فتوی حضرات تھے۔

ان کے علاوہ طبقۂ تابعین میں مدینہ منورہ کے مشہور اصحاب فتوی حضرات میں سے عروہ بن زبیر، سعید بن مسیب مخزومی، ابوبکر بن عبد الرحمٰن بن حارث بن ہشام مخزومی، امام علی زین العابدین، عبید اللہ بن عتبہ بن مسعود، سالم بن عمر، قاسم بن محمد بن ابو بکر، سلیمان بن یسار، محمد بن مسلم بن شہاب زہری، نافع مولی ابن عمر، امام باقر محمد بن علی، امام جعفر صادق، یحیی بن سعید انصاری اور ابو الزناد عبد اللہ بن ذکوان رحمہم اللہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ یہ حضرات تابعین، حدیث و فقہ سے متعلق مدینہ منورہ اور اس کے نواح میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔

مکہ مکرمہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد کچھ عرصہ کے لیے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو مکہ مکرمہ کے مفتی اور معلم مقرر کر کے بھیجا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی زندگی کا آخری دور وہیں بسر کیا۔ اہل مکہ ان کے علم و فضل کی فراوانیوں سے بہت مستفیض ہوئے۔ تابعین میں سے حضرت مجاہد بن جبیر، عکرمہ مولی ابن عباس، عطاء بن ابی رباح اور عبد العزیز بن محمد بن مسلم زنجی رحمہم اللہ وہاں کے معروف اہل فتاوی تابعین تھے۔

کوفہ۔

کوفہ اور بصرہ کی حیثیت فوجی چھاؤنیوں کی تھی۔ یہ دونوں شہر حضرت عمر فاروق رضی کے

---

[1] ان کے تلامذہ میں سے بھی ہر بزرگ اپنی جگہ علمی و فقہی اعتبار سے نہایت عظمت و رفعت کے حامل تھے۔ چنانچہ امام ابن قیم اعلام الموقعین میں تحریر فرماتے ہیں۔

والدین والفقہ والعلم انتشر فی الامۃ عن اصحاب ابن مسعود واصحاب زید بن ثابت واصحاب عبد اللہ بن عمر واصحاب عبد اللہ بن عباس

یعنی دنیا میں دین، فقہ اور علم، عبد اللہ بن مسعود، زید بن ثابت، عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن عباس رضوان اللہ علیہم کے شاگردوں کی وساطت سے پھیلا۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو: اعلام الموقعین جلد اول ص ۱۶ مطبع منیریہ مصر۔

Marfat.com

عہد خلافت میں آباد کیے گئے اور صحابہ کی اچھی خاصی جماعت ان میں سکونت پذیر ہوئی۔ کوفہ میں حضرت عمرؓ نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو معلم، مفتی اور وزیر مقرر کر کے بھیجا۔ وہ دس سال کوفہ میں مقیم رہے اور وہاں کے باشندوں نے ان سے بہت استفادہ کیا۔

یہ شہر ۳۵ھ سے ۴۰ھ تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دار الخلافہ رہا۔ حضرت علیؓ سے بھی باشندگانِ کوفہ نے خوب استفاضہ کیا۔ ان دونوں کے شاگردوں اور پھر ان کے شاگردوں کے شاگردوں کی وجہ سے وہاں مسائل دینی کی بہت اشاعت ہوئی۔ کوفہ کے مجتہد اور مفتی حضرات بہت بڑی تعداد پر مشتمل تھے جو حضرت علیؓ، حضرت عمر، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ابوہریرہ، حضرت عثمان، حضرت معاذ، حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کے فیض یافتہ اور شاگرد تھے۔

ان میں سے چند حضرات مندرجہ ذیل ہیں۔

فقیہ عراق علقمہ بن قیس نخعی، عالم و مفتی مسروق بن اجدع، معلم عراق عبیدہ بن عمرو سلمانی، فقیہ کوفہ عامر الشعبی، حماد بن ابی سلیمان، عبد الرحمٰن بن ابی لیلیٰ، سعید بن جبیر، عمرو بن شرحبیل، ابراہیم بن یزید نخعی، قاضی کوفہ شریح بن الحارث کندی اور اسود بن یزید نخعی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

بصرہ

مجتہدین بصرہ میں سے حضرت ابوموسیٰ اشعری اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہم خصوصیت سے اہمیت و شہرت کے حامل ہیں۔ ان کے بعد اجلۂ صحابہؓ کے شاگرد حسب ذیل **پانچ** تابعی بصرہ کی مسندِ فقہ و افتا پر فائز ہوئے۔

ابوالعالیہ رفیع بن مہران، فقیہ بصرہ ابوالشعثاء جابر بن یزید، حسن بن ابوالحسن بصری، محمد بن سیرین اور قتادہ بن دعامہ سدوسی۔

شام

امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے زمانۂ خلافت میں کچھ عرصہ کے لیے حضرت معاذ، حضرت ابوالدرداء اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہم کو معلم اور مفتی کی

Marfat.com

حیثیت سے شام بھیجا تھا۔ ان کے بعد تابعین کرام میں سے وہاں زیادہ مشہور اصحاب افتا بزرگ، عبدالرحمٰن بن غنم، ابو ادریس خولانی، امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز، قبیصہ بن ذویب، رجاء بن حیوۃ اور مکحول بن سلمہ رحمہم اللہ گزرے ہیں۔ یہ سب حضرات تابعین، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت معاذ، حضرت جابر، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت معاویہ، حضرت انس بن مالک اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔

مصر

علاقہ مصر کے مفتی، عبداللہ بن عمرو بن العاص تھے۔ ان کے بعد وہاں کے تابعین میں سے مفتی مصر ابوالخیر مرثد بن عبداللہ اور مفتی مصر یزید بن ابی حبیب نے زیادہ شہرت پائی۔

یمن

فقہ و افتا کے مشہور مراکز میں سے یمن کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ وہاں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ عرصہ کے لیے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو، پھر حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰ اشعری کو امیر و معلم اور قاضی و عامل مقرر کر کے بھیجا۔ تابعین میں سے فقیہ یمن طاؤس بن کیسان، قاضی یمن وہب بن منبہ اور یحییٰ بن ابی کثیر نے بڑی شہرت حاصل کی۔

فقہ کے دو اہم مرکز

اس ابتدائی عہد کے بعد عالم اسلامی میں فقہ کے دو اہم مرکز قائم ہوئے۔ ایک کوفہ جو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی سعی و نگرانی میں عراقی فقہ کا مرکز قرار پایا اور دوسرے مدینہ منورہ، جس کو حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی علمی سیادت و قیادت میں حجازی فقہ کے مرکز کی حیثیت حاصل ہوئی۔ اسی زمانے میں فقہ اسلامی کی تدوین کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

تدوین فقہ کی ضرورت اور اس میں باقاعدگی

معاشرہ چونکہ جامد نہیں ہے، حرکت پذیر ہے، اور اسلام دائمی مذہب ہے اس لیے

Marfat.com

دونوں کا یکساں اور ساتھ ساتھ چلنا ضروری ہے۔ اس کا احساس پہلی صدی ہجری میں اسی وقت ہونے لگا تھا، جب مسائل کے تنوع، ہمہ گیری، اور ان کی تعبیر میں بوقلموں افکار نے ایسی صورت اختیار کر لی جس کے پیش نظر اہل علم کو تدوین فقہ کی طرف عنان توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور کتاب و سنت کی روشنی میں اس کو باقاعدہ ایک مستقل شرعی علم کے قالب میں ڈھالنے کا جذبہ ان کے قلب و ذہن میں ابھرا۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

اس ضمن میں حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی سر فہرست نظر آتا ہے وہ پہلے جلیل القدر بزرگ ہیں جو انقراض بنو امیہ کے خاتمے کے بعد اپنے تلامذہ کی ایک بہترین جماعت کے ساتھ تدوین فقہ میں مصروف ہو گئے، حضرت امام ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں اس دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو تشریف لے گئے۔

طریق استنباط

امام ابوحنیفہ کا طریق استنباط یہ تھا کہ پہلے جواب مسئلہ الکتاب اللہ سے تلاش کرتے۔ وہ کتاب اللہ کی عبارت النص سے ہو، دلالۃ النص سے ہو، اشارۃ النص سے ہو یا اقتضاء النص سے اگر اس میں کامیاب ہو جاتے تو اسی کا تعین کرتے۔ اگر کتاب اللہ سے سراغ نہ ملتا یا کتاب اللہ کی روشنی میں بات کا فیصلہ نہ ہو سکتا تو سنت مشہورہ کی طرف رجوع فرماتے۔ اگر سنت مشہورہ کے ذریعے کسی نتیجے پر نہ پہنچ پاتے تو اہل افتاء صحابہ اور تابعین کے اقوال اور قضایا میں اس کی تلاش شروع کرتے۔ اجماع کی طرف آتے اور اہل عراق صحابہ اور اہل عراق تابعین کے مسلک و مذہب کو محل فکر ٹھہراتے۔ اگر یہاں سے بھی جواب نہ ملتا تو قیاس اور استحسان سے مسئلے کا حل ڈھونڈتے۔ احادیث سے متعلق یہ بات بھی ان کے پیش نظر رہتی کہ اگر حجازی اور عراقی صحابہ سے مروی، مرفوع احادیث میں اختلاف ہوتا تو بربنائے فقہ راوی، روایت فقہ کو ترجیح دیتے۔

قبل از وقوع واقعہ پر غور

یہاں یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ امام ابوحنیفہ سے قبل اصحاب فتویٰ اور قضاۃ بیں

یہ دستور چلا آرہا تھا کہ جب تک کوئی نئی صورت حال ابھر کر سامنے نہ آتی، مسئلہ پر غور نہ کرتے۔ لیکن امام صاحب کا نقطۂ نظر اس کے برعکس یہ تھا کہ جن امور میں لوگوں کے مبتلا ہونے کا اندیشہ یا امکان ہے، ان پر اہل علم کو پہلے ہی غور کر لینا چاہیے تاکہ نئی صورت حال پیش آجانے کی صورت میں اور عند النوازل انھیں کوئی اچنبا نہ ہو اور وہ ایسی بات نہ سمجھیں جس سے وہ پہلے سے آگاہ اور باخبر نہ ہوں۔ ان کا نقطۂ فکر یہ تھا کہ لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان معاملات سے کوئی شخص دوچار ہو جائے تو از روئے شریعت، اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مجلس تدوین فقہ میں امام صاحبؒ نے ان تمام مسائل فقہیہ کو پوری طرح ہدف فہم ٹھہرایا، جن کا عالم وقوع میں آنا ممکن تھا۔

آپ کے بے شمار شاگردوں میں سے چار شاگردوں نے بڑی شہرت پائی اور وہ عمود فقہ حنفی کہلائے۔ اور وہ ہیں، امام زفر، امام ابو یوسف، امام محمد اور امام حسن بن زیاد۔ ان کی وجہ سے فقہ امام ابو حنیفہ اور ان کے مسلک کو نہایت فروغ حاصل ہوا۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ

فقہ اسلامی کے دوسرے مضبوط ترین ستون امام مالک بن انس بن مالک بن ابو عامر ہیں۔ امام مالک مدینہ منورہ میں تشریف رکھتے تھے۔ ان کے پر دادا حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے، جو غزوۂ بدر کے سوا تمام غزوات نبویؐ میں شریک ہونے کی سعادت سے بہرہ یاب ہوئے۔

استنباط مسائل کے ذرائع

امام مالکؒ تقریباً پچاس سال مسند درس و افتا پر رونق افروز رہے۔ ان کے نزدیک تعامل اہل مدینہ مستقل حجت کی حیثیت رکھتا ہے اور استنباط مسائل میں فقہ مالکی کے ذرائع یہ ہیں۔

۱۔ قرآن مجید۔

۲۔ احادیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔

۳۔ تعامل اہل مدینہ۔

Marfat.com

۴۔ قیاس ۔ اور
۵ ۔ استصلاح ۔

امام مالکؒ کی ولادت ۹۳ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی اور مدینہ منورہ ہی میں ۱۷۹ھ میں وفات پائی ۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ

فقہ کے تیسرے عظیم المرتبت امام ابوعبد اللہ محمد بن ادریس بن عثمان بن شافع الشافعی المطلبی ہیں۔ امام شافعیؒ کی ولادت ۱۵۰ھ میں صوبہ عسقلان کے ایک مقام غزہ میں ہوئی۔ انھوں نے امام مالک اور امام ابوحنیفہ کے شاگرد امام محمد بن حسن شیبانی سے تحصیل کی۔ امام شافعیؒ کی بہت بڑی خصوصیت یہ تھی کہ مسلکِ محدثین، مسلک اہل حجاز بواسطۂ امام مالک اور مسلک اہل عراق بواسطۂ امام محمد، تینوں کے جامع تھے۔ اس لیے انھوں نے ایک ایسی فقہ مدون کی جس میں اہل عراق، اہل حجاز اور محدثین تینوں کا اسلوب فکر کارفرما تھا۔ جو فقہ انھوں نے عراق میں مرتب کی، اس میں عراقی رنگ غالب ہے۔ اسے ان کا مذہب قدیم کہا جاتا ہے۔ پھر مصر تشریف لے جانے کے بعد جو فقہ مصر میں ترتیب دی، اس میں حجازی رنگ نمایاں ہے۔ اسے مذہب جدید سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

امام شافعیؒ نے جس فقہ کی تدوین کی، اس کو فقہ شافعی کے نام سے موسوم کیا گیا۔

نہج استدلال

امام شافعی کا انداز یہ ہے کہ وہ ظاہر قرآن سے استدلال کرتے ہیں۔ اس کے بعد حدیث کی طرف رجوع فرماتے ہیں۔ اگرچہ وہ حدیث کسی مقام کے علما سے حاصل کی گئی ہو۔ مگر شرط یہ ہے کہ حدیث متصل ہو اور اس کے رواۃ ثقہ ہوں۔ اسی بنا پر علمائے اہل الحدیث میں ان کو حسن قبول حاصل ہوا۔ اہل بغداد تو ان کو ناصر السنہ کے لقب سے ملقب کرتے ہیں۔ حدیث کے بعد وہ اجماع کی طرف آتے ہیں۔ قرآن، حدیث اور اجماع، ان تینوں میں سے مسئلہ حل نہ ہو تو قیاس پر اس شرط کے ساتھ عمل کرتے ہیں کہ اس کے لیے کوئی اصل معین ہو۔ اہل عراق کے استحسان اور اہل حجاز کے استصلاح کے وہ شدید مخالف ہیں۔ البتہ "استدلال" کو قابل عمل مانتے ہیں،

جو اس کے قریب قریب ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۰۴ھ میں مصر میں وفات پائی۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ

فقہ کے چوتھے جلیل المرتبت امام ابوعبداللہ احمد بن حنبل بن ہلال الذہلی المروزی ہیں، جو ۱۶۴ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی فقہ بہت صاف اور سادہ ہے۔ دراصل وہ طریقِ اصحاب الحدیث کو پسند کرتے ہیں، جس میں درایت: در عقل و جدل کا حصہ بہت کم ہے۔ فقہِ حنفی کی تحصیل انھوں نے امام ابو یوسف سے کی۔ فقہ شافعی کے لیے براہ راست امام شافعی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے اور تکمیل حدیث کے لیے محدثین سے رجوع کیا۔

اصول استدلال

حدیث و فقہ کے سلسلے میں ان کا اپنا اصول یہ تھا کہ قرآن حکیم اور صحیح السند حدیث پر عمل کی دیواریں استوار کی جائیں۔ وہ حنفیہ اور شافعیہ کی طرح درایت، تنقیح، مناط اور قیاس سے حتی الامکان دامن کشاں رہے۔ مالکیہ کا تعامل اہل مدینہ بھی ان کے نزدیک قابل احتجاج نہیں۔ امام احمد مرفوع و موقوف صحیح احادیث کو معمول بہا قرار دیتے ہیں۔ قیاس سے وہ بدرجہ مجبوری کام لیتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ۷۷ سال عمر پاکر ۱۲ ربیع الاول ۲۴۱ھ کو داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ

علم فقہ اور آئمہ فقہ کے بارے میں یہ چند اصولی اور بنیادی باتیں تھیں، جن کا اس موقع پر اظہار ضروری تھا۔ اب یہ بات بھی ذہن نشین کرلینی چاہیے کہ یہ علم صرف خطۂ عرب یا چند دیگر علاقوں اور ملکوں تک محدود نہیں رہا بلکہ جیسے جیسے حلقۂ اسلام وسیع ہوتا گیا اسی نسبت سے مسائل و ذرائع کا دامن دراز ہوتا گیا اور ساتھ ہی ساتھ اس علم میں بھی پھیلاؤ

Marfat.com

کی مختلف صورتیں پیدا ہوتی گئیں۔ اس کی ضرورت میں اضافہ ہوتا گیا اور علمائے فقہ کی تعداد بڑھتی گئی۔

ابتدائی صدی ہجری میں ہی اسلام کے لیے ترقی و تقدم کی راہیں کھل گئی تھیں اور اس نے بحر و بر کے دور دراز فاصلوں کو طے کر کے برصغیر پاک و ہند کو بھی اپنی آغوش شفقت میں لے لیا تھا۔ پھر یہاں بھی مختلف اسلامی علوم نے اپنے لیے جگہ بنائی۔ مفسرین پیدا ہوئے۔ محدثین نے بساط علم حدیث بچھائی اور فقہا نے بھی فہم و ادراک کی مسندیں آراستہ کیں اور کتاب و سنت کی ضیا پاشیوں کی وساطت سے اپنے ملکی ماحول کے مطابق پیش آئند مسائل کی گرہ کشائی کی کتابیں لکھیں، مدرسے قائم کیے اور وعظ و ارشاد کی محفلیں سجائیں۔ غرض ہر طریق اور ہر نہج سے اپنی بات لوگوں کے دلوں میں اتارنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب رہے۔

قبل اس کے کہ برصغیر کے علمائے فقہ اور ان کی فقہی کاوشوں کا تذکرہ کیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اسلام کی آمد اور اس کی نشر و اشاعت سے متعلق اختصار کے ساتھ چند باتیں بیان کر دی جائیں، تاکہ معلوم ہو سکے کہ اس سرزمین میں اسلام کس طرح آیا، اس کی آمد کے اسباب و بواعث کیا ہیں اور وہ کس انداز سے پھیلا۔ پھر لوگوں نے اس کے لیے آغوش قبولیت کیوں کر وا کی؟

بندرگاہ تھانہ پر حملہ

بلاذری نے اپنی مشہور تصنیف فتوح البلدان کی دوسری جلد کے آخر میں فتوح سندھ اور فتوح سجستان و کابل کے عنوان سے، سندھ، کابل اور اس نواح کے دیگر مقامات کے واقعات خاصی تفصیل سے بیان کیے ہیں اور بتایا ہے کہ عرب مسلمانوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں ۱۵ھ میں ہی ہندوستان کو مرکز توجہ ٹھہرا لیا تھا۔ ۱۵ھ میں عثمان بن ابو العاص ثقفی بحرین اور عمان کے گورنر مقرر ہوئے۔ اپنے تقرر سے چند روز بعد انھوں نے ایک بحری بیڑا تیار کیا اور اپنے بھائی حکم بن ابو العاص کو ہندوستان پر حملہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ یہ بحری بیڑا بندرگاہ تھانہ پر پہنچا جو گجرات اور کوکن (بمبئی) کی سرحد پر واقع ہے۔

Marfat.com

یہ حملہ کامیاب رہا اور مسلمانوں کو اچھا خاصا مال غنیمت ہاتھ آیا۔

سندھ پر پہلا حملہ

بعد ازاں اسی گورنر یعنی عثمان بن ابوالعاص نے اپنے دوسرے بھائی مغیرہ بن ابوالعاص کی سرکردگی میں ایک بحری بیڑا روانہ کیا جو سندھ کے مشہور شہر دیبل پہنچا۔ اس بحری بیڑے نے بھی دشمن کو شکست دی اور اسلامی جیش کثیر تعداد میں مال غنیمت لے کر واپس بحرین گیا۔ یہ سندھ پر مسلمانوں کا پہلا حملہ تھا۔

اسی زمانے میں مغیرہ بن ابوالعاص کے دوسرے بھائی حکم بن ابوالعاص دوسرا بحری بیڑا لے کر گجرات کی مشہور بندرگاہ بھڑوچ پر حملہ آور ہوئے۔ یہ گجرات پر ان کا دوسرا حملہ تھا۔

بعد ازاں عہد فاروقی ہی میں مسلمانوں نے ان علاقوں پر بری حملے بھی کیے۔

کابل پر حملہ

۲۵ھ میں خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں عبداللہ بن عامر نے کابل پر حملہ کیا اور لڑائی کے بعد مسلمان کابل پر قابض ہوگئے۔ کابل کو ہندوستان کے مضبوط دروازے کی حیثیت حاصل تھی، جس کو مسلمانوں نے بزور شمشیر فتح کیا۔

زرنج پر قبضہ

اسی اثنا میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ بن حبیب رضی اللہ عنہ نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور تجربہ کار ماہر جنگ تھے، زرنج اور کش اور ان کے درمیانی علاقوں پر حملہ کیا اور فتح یاب ہوئے۔ یہ علاقے اب بلوچستان میں شامل ہیں۔ اسی زمانے میں یہ علاقے ہندوستان کے ماتحت تھے۔ یہ ہندوستان پر پہلا بری حملہ تھا اور یہی ہندوستان کا پہلا علاقہ ہے، جو مسلمانوں کے تسلط میں آیا اور جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کے ہاتھوں مفتوح ہوا۔ اس لڑائی میں حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ نے ہندوستان کے کچھ اور شہر بھی فتح کیے اور ان پر پہلی دفعہ اسلامی پرچم لہرایا۔

قلات پر قبضہ

امیرالمومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور خلافت (۳۸ھ) میں، ایک بھاری

Marfat.com

فوج کے ساتھ ثاعزبن دعور کی قیادت میں کوہستان قلات پر حملہ کیا گیا۔ یہاں مسلمان اور کافر فوجوں کے درمیان سخت لڑائی ہوئی۔ اس میں ابن اثیر کی روایت کے مطابق یہ دلچسپ واقعہ پیش آیا کہ مسلمانوں نے لڑائی کے دوران ایک مرتبہ اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا کہ اس کی ہیبت و دہشت سے قلات کے فوجی کانپ اٹھے اور مارے خوف کے میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

درۂ خیبر پر حملہ

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد امارت ۴۴ھ میں مہلب بن ابو صفرہ جو حضرت عبدالرحمن بن سمرہ کی فوج کے ایک مشہور سردار تھے، درۂ خیبر پہ حملہ آور ہوئے۔ یہ پہلے عرب سردار تھے، جو اس دروازے سے ہندوستان میں داخل ہوئے۔ مہلب نے کابل اور پشاور کی درمیانی گھاٹیوں کو عبور کرتے ہوئے اس سرزمین ہند میں قدم رکھا۔ ملتان اور پشاور کے درمیانی علاقوں میں بھی گئے، اور مختلف مقامات پر دشمن سے شدید معرکہ آرائی ہوئی۔

سندھ پر فیصلہ کن حملہ

بہرحال غرض یہ کرنا مقصود ہے کہ اس طرح اسلام کی ابتدائی تاریخ ہی میں برصغیر پاکستان و ہندوستان، مسلمانوں کی طاقت سے آشنا ہو گئے تھے اور یہاں کی سرزمین ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سے گونج اٹھی تھی جو لوگ یہاں آئے ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی بھی شامل تھے۔

سندھ پر جو فیصلہ کن حملہ ہوا، وہ تاریخ میں محمد بن قاسم کے حملے کے نام سے معروف ہے جو عساکر اسلامی یہاں آئے اور جنھوں نے ان علاقوں میں جنگیں لڑیں اور کامیاب ہوئے ان میں صحابہ، تابعین اور تبع تابعین سب شامل تھے کیونکہ یہ اسلام کا ابتدائی زمانہ تھا جو خیر القرون کہلاتا ہے۔ حافظ ابن کثیر اپنی مشہور تصنیف البدایہ والنہایہ میں ان علاقوں کی جنگوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وکان فی عساکرھم وجیوشہم فی الغزو الصالحون والاولیاء والعلماء من

کبار التابعین، فی کل جیش منہم شرذمۃ عظیمۃ ینصر اللہ بہم دینہ[1]

یعنی ان کے عساکر و جیوش میں جو دشمن سے جنگ کی غرض سے میدان میں نکلے، کبار تابعین میں سے امت کے صلحا، اولیا اور علما سب شامل تھے اور ان لوگوں کی یہ بہت بڑی جماعت تھی، جن کی وجہ سے اللہ نے اپنے دین کو نصرت و تقویت عطا فرمائی۔

آگے چل کر ان مفتوحہ ملکوں اور علاقوں کے فاتحین کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:۔

وقبل ذلک تما کان الصحابۃ فی زمن عمر وعثمان فتحوا اغالب ھذہ النواحی ودخلوا فی مبانیھا[2]

کہ ان (بعد کے فاتحین) سے پہلے حضرت عمر اور حضرت عثمان کے زمانے میں ان علاقوں کے بیشتر حصے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام فتح کر چکے تھے اور وہ ان کی آبادیوں میں داخل ہو گئے تھے۔

دیبل میں پہلی مسجد

سندھ کی تاریخ بیان کرنا یا اس خطۂ ارضی میں مسلمانوں کی آمد سے متعلق تفصیلات ضبط تحریر میں لانا، اس وقت ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ یہاں نہایت اختصار کے ساتھ فقط انھی باتوں کی وضاحت مقصود ہے جن کا اس نواح میں علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت اور فقہ اسلامیہ کے نشر و ذیوع سے براہ راست تعلق اور اظہار النظر ہے۔

سطور بالا سے تاریخ کی روشنی میں یہ بات واضح ہو چکی کہ آغاز اسلام ہی میں مسلمان فاتح کی حیثیت سے برصغیر پاک و ہند کے مختلف علاقوں میں آگئے تھے۔ تاریخ صاف الفاظ میں وضاحت کرتی ہے کہ ان میں صحابی بھی تھے، تابعی بھی تھے تبع تابعین بھی تھے اور دیگر صلحا و اولیا بھی۔ ظاہر ہے انھوں نے سب سے پہلے اسی ذرائع کو ہدف توجہ ٹھہرایا ہوگا جو آگے چل کر اس خطے میں فروغ دین اور اشاعت اسلام کا موجب بن سکیں۔ اور واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے یہی کیا۔ چنانچہ فتوح البلدان میں بلاذری کا کہنا ہے کہ عرب

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۹ صفحہ ۸۷ (طبع مصر)

[2] ایضاً ص ۸۸۔

Marfat.com

جب سندھ کے علاقے پر علم اسلام لہرانے کی غرض سے نمودار ہوئے تو سب سے پہلے جو بڑا شہر ان کے زیرنگین آیا، وہ دیبل تھا۔ دیبل میں، انھوں نے اولین کام یہ کیا کہ وہاں مسجد تعمیر کرائی۔ یہ بہت بڑی مسجد تھی جو محمد بن قاسم نے تعمیر کرائی۔ بعد ازاں عربوں نے نیرون نامی ایک شہر پر قبضہ کیا تو اس میں بھی مسجد بنوائی جو طرزِ تعمیر میں دیبل کی مسجد کے مانند تھی۔ بقول چچ نامہ کے۔

"و بجائے بت کدہ بدہ، مسجد بنا نمود و بانگ نماز و امام تعیین فرمود"[1]

پھر شہر اروڑ اور ملتان کو اپنے دائرۂ فتوحات میں شامل کیا تو وہاں بھی پہلے مسجدیں تعمیر کرائیں۔ غرض وہ جو شہر یا علاقہ فتح کرتے گئے، اس میں باقاعدہ مسجدیں تعمیر کراتے گئے، جو بہت جلد ایک عظیم علمی اور فقہی مرکز کی حیثیت اختیار کر گئیں۔ محمد بن قاسم نے حجاج بن یوسف کو اپنی سرگرمیوں کی جو رپورٹ بھیجی چچ نامہ کے الفاظ کے مطابق اس میں صراحت سے مرقوم تھا۔

"بجائے تعبد گاہِ کفر، مساجد و معابد برآوردہ شد و بانگ نماز و خطبہ و منابر نہادہ آمد۔ و اوقات فرض حق می گذارند و تکبیر و تذکیر خدائی عزوجل بامداد و شبانگاہ بادائی رسانند"[2]

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حجاج بن یوسف کی طرف سے محمد بن قاسم کو واضح الفاظ میں ہدایات دی گئی تھیں کہ ہر شخص کو دعوتِ اسلام دو اور بہترین انداز سے اس کی تربیتِ دینی کا اہتمام کرو۔ چچ نامہ میں، حجاج بن یوسف کا جو مکتوب محمد بن قاسم کے نام مرقوم ہے، اس میں لکھا گیا ہے،

"پس ہر یک را بکلمۂ اسلام استدعا کنید و ہر کہ بعزِ اسلام مشرف گردد او را تربیت کنید"[3]

تفصیل کا یہ محل نہیں۔ اب ہم گفتگو کا دامن سمیٹتے ہوئے، برصغیر پاک و ہند کے معروف فقہا کی مختصر فہرست پیش کرنے کی اجازت چاہتے ہیں۔

چند فقہائے کرام

جن فقہائے عظام اور علمائے کرام کا کسی نہ کسی اسلوب سے سندھ اور برصغیر کے

---

[1] چچ نامہ ص ۱۱۸ شائع کردہ مجلس مخطوطات فارسیہ۔ حیدرآباد دکن مطبع لطیفی۔ دہلی ۱۹۳۹ء / ۱۳۵۸ھ

[2] ایضاً ص ۱۳۱ [3] ایضاً ص ۱۴۳۔

Marfat.com

باقی علاقوں سے تعلق رہا ہے، ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اکثر کے حالات نہایت دلکش اور روح پرور ہیں۔ ان میں سے چند حضرات کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔

مولانا اسلامی دیبلی :- یہ دیبل کے رہنے والے تھے۔ محمد بن قاسم کے ہاتھ پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ ان کو محمد بن قاسم نے ایک شامی بزرگ کے ساتھ بطور پیغام رساں کے راجہ داہر کے پاس بھیجا تھا۔ ان کی راجہ داہر کے ساتھ بڑی دلچسپ گفتگو ہوئی۔ [۱]

اسرائیل بن موسیٰ بصری :- یہ تبع تابعین میں سے تھے اور بصرہ کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے حسن بصری، ابو حازم النخعی، محمد بن سیرین اور وہب بن منبہ وغیرہ حضرات سے روایت کی اور خود ان سے سفیان ثوری، ابن عیینہ اور یحییٰ بن سعید قطان وغیرہ نے روایت کی۔ انھوں نے بصرہ کی سکونت ترک کرکے ہندوستان کو اپنا مسکن قرار دے لیا تھا۔ [۲]

قاضی موسیٰ بن یعقوب ثقفی :- یہ عرب تھے لیکن سندھی مشہور تھے، کیونکہ انھوں نے تمام زندگی سندھ میں بسر کی۔ بہت بڑے فقیہ اور قاضی تھے۔ ۹۳ھ میں محمد بن قاسم نے ان کو شہر ارور کے قاضی مقرر کردیا۔ [۳]

ابو معشر نجیح بن عبد الرحمن سندھی :- یہ اہل مدینہ میں سے ام سلمہ کے موالی اور بہت بڑے عالم و فقیہ تھے۔ [۴]

ابو بکر ربیع بن صبیح سعدی :- محدث و فقیہ تھے۔ نہایت صالح اور پاکباز بزرگ تھے اور سندھ میں سکونت پذیر ہوگئے تھے۔ [۵]

عبد اللہ بن محمد علوی :- یہ ہاشمی قرشی تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اولاد میں سے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سے یہ پہلے بزرگ ہیں جو وارد ہند ہوئے۔ [۶]

۱؎ تفصیلات کے لیے دیکھیے چچ نامہ ص ۱۳۶، ۱۳۷۔
۲؎ نزہۃ الخواطر جلد اول ص ۴۲، طبع اول حیدرآباد دکن ۱۹۴۷ء (۱۳۶۶ھ)
۳؎ ایضاً ص ۴۴۔ ۴؎ ایضاً ص ۴۵۔ ۵؎ ایضاً ص ۱۳۱۔
۶؎ ایضاً ص ۳۳۔

Marfat.com

عمرو بن مسلم باہلی :- عالم و فقیہ اور صالح بزرگ تھے۔ ان کو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بلادِ سندھ میں عامل مقرر کر کے بھیجا تھا۔ جے سنگھ نے ان کی تبلیغ سے متاثر ہو کر اسلام قبول کیا۔[۱]

ابراہیم بن محمد دیبلی :- یہ سندھی تھے اور بہت بڑے عالم تھے۔[۲]

ابو العباس احمد بن محمد بن صالح منصوری سندھی :- محمد بن قاسم کے قائم کردہ شہر منصورہ کے قاضی القضاۃ تھے۔ اور امام داؤد ظاہری کے مسلک کے عامل تھے۔[۳]

خلف بن محمد دیبلی :- یہ سندھ سے بغداد چلے گئے تھے۔ انھوں نے علی بن موسیٰ دیبلی سے روایت حدیث کی۔[۴]

ابو القاسم شعیب بن محمد دیبلی :- یہ دیبل سے مصر چلے گئے تھے اور محدث و فقیہ تھے۔[۵]

ابو محمد عبداللہ منصوری :- سندھ کے شہر منصورہ کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے متعدد محدثین سے روایت حدیث کی اور ان سے بھی بہت سے محدثین نے روایت کی۔[۶] یہ منصورہ کے قاضی تھے اور اصحاب الحدیث میں سے تھے۔ منصورہ میں اصحاب الحدیث کی اکثریت تھی اس سلسلے میں احسن التقاسیم میں مقدسی کے الفاظ لائق مطالعہ ہیں:

اکثرھم اصحاب الحدیث ورأیت القاضی ابا محمد المنصوری داؤدیا اماما فی مذھبہ لہ تدریس وتصانیف وقد صنف کتبا عدۃ حسنۃ

علی بن موسیٰ دیبلی :- یہ دیبل کے عالم اور محدث تھے۔[۷]

ابو نصر فتح اللہ بن عبداللہ سندھی :- یہ بہت بڑے فقیہ و متکلم تھے۔ انھوں نے علم فقہ اور کلام ابو علی محمد بن عبدالوہاب ثقفی سے پڑھے اور حسن بن سفیان سے روایت کی۔[۸]

حسین زنجانی لاہوری :- فخر الدین حسین زنجانی لاہوری ہیں۔ یہ اس دور کے لاہور

---

[۱] نزہۃ الخواطر جلد اول ص ۸ مطبع اول حیدر آباد دکن (۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء) [۲] ایضاً ص ۶۴
[۳] ایضاً ص ۶۵ [۴] ایضاً ص ۶۵ [۵] ایضاً ص ۶۷ - [۶] ایضاً ص ۶۷
[۷] ایضاً ص ۶۷ - [۸] ایضاً ص ۶۹

١٩٠٨٥

تشریف لائے، جس روز حضرت شیخ علی بن عثمان ہجویری کا انتقال ہوا۔ بہت بڑے فقیہ اور عابد و زاہد تھے۔[۱]

علی بن عثمان ہجویری:- حضرت شیخ امام عالم و فقیہ، علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ۔ غزنی سے لاہور تشریف لائے اور اسی سرزمین میں مدفون ہوئے۔

عبدالصمد بن عبدالرحمٰن لاہوری:- یہ شیخ ابوالفتوح عبدالصمد بن عبدالرحمٰن اشجعی لاہوری تھے۔ اور عظیم محدث و عالم تھا۔ لاہور میں رہائش پذیر تھے۔[۲]

عمر بن سعید لاہوری:- ایک جلیل القدر محدث اور فقیہ تھے۔[۳]

محمد بن عثمان جوزجانی لاہوری:- فقہ، اصول اور علوم عربیہ کے عظیم عالم تھے۔ لاہور میں پیدا ہوئے۔[۴]

یوسف بن ابوبکر گردیزی ملتانی:- غزنہ کے نواح میں گردیز نامی بستی میں پیدا ہوئے۔ بہت بڑے عابد و زاہد اور عالم و فقیہ تھے۔ ملتان آگئے تھے اور وہیں فوت ہوئے۔[۵]

شیخ ابوبکر بن یوسف سجزی:- فقہ، اصول اور علوم عربیہ کے اکابر علماء میں سے تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن اور اس سے پہلے کے بادشاہوں کے زمانے میں طویل مدت تک دارالخلافہ دہلی میں درس و تدریس میں مشغول رہے۔[۶]

شیخ اسحاق بن علی بخاری دہلوی:- دہلی اور اس کے گرد و نواح کے نامور فقہا و علما میں ان کا شمار ہوتا ہے۔[۷]

قاضی اسماعیل بن علی ثقفی سندھی:- یہ عربی النسل تھے اور سندھ کے مشہور مقام اروڑ کے قاضی تھے۔ فقہ کے بلند پایہ علماء میں سے تھے۔[۸]

مولانا برہان الدین بزاز:- سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد کے مشہور فقیہ تھے۔[۹]

شیخ حسن بن محمد صغانی:- لاہور میں پیدا ہوئے، حدیث، فقہ، لغت اور دیگر علوم

---

[۱] نزہۃ الخواطر جلد اول ص ۸۲۔ [۲] ایضاً ص ۱۰۷۔ [۳] ایضاً ص ۱۰۸۔ [۴] ایضاً ص ۱۱۰۔ [۵] ایضاً ص ۱۱۹۔ [۶] ایضاً ص ۱۲۱۔ [۷] ایضاً ص ۱۲۴۔ [۸] ایضاً ص ۱۲۵۔ [۹] ص ۱۲۸

Marfat.com

میں درجۂ اجتہاد پر فائز تھے۔ سلطان شمس الدین ایلتمش کے زمانے کے جید علما میں سے تھے[۱]

قاضی رفیع الدین گازرونی:۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں عرصہ تک درس و تدریس اور افاضۂ عوام میں مصروف رہے[۲]

قاضی رکن الدین سامانوی:۔ معروف فقیہ تھے اور سلطان غیاث الدین بلبن ان کی انتہائی تکریم کرتا تھا[۳]

مولانا سدید الدین دہلوی:۔ فقہ، اصول اور علوم عربیہ میں اونچے درجے پر فائز تھے۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہدِ حکومت میں دارالسلطنت دہلی میں مسند تدریس پر فائز تھے۔[۴]

مولانا شرف الدین دہلوی:۔ کبار اساتذۂ فن میں سے تھے۔ سلطان شمس الدین ایلتمش کے عہد میں دہلی سے نکلے اور سنارگاؤں چلے گئے۔ وہیں وفات پائی[۵]

مولانا شرف الدین ولوالجی دہلوی:۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد کے مشہور فقیہ تھے[۶]

شیخ محمد بن ماھو لاہوری:۔ لاہور سے چلے گئے تھے اور خراسان میں اقامت پذیر ہو گئے تھے۔ شافعی المسلک تھے اور فقہ شافعی کے جلیل القدر عالم و ماہر تھے[۷]

قاضی وجیہ الدین کاشانی:۔ عدیم المثال فقیہ تھے اور سلطان قطب الدین ایبک کے عہدِ حکومت میں ہندوستان کے قاضی القضاۃ تھے[۸]

قاضی ابو حنیفہ بھکری سندھی:۔ سلطان محمد شاہ تغلق کے زمانۂ حکومت میں بھکر کے قاضی اور نامور عالم تھے۔ مشہور سیاح محمد بن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں شہر بھکر میں ان سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا ہے[۹]

شیخ اسحاق مغربی:۔ سرزمین ہند کے شہرۂ آفاق اولیائے کرام میں سے تھے۔

---

[۱] نزہۃ الخواطر جلد اول ص ۱۴۷ - [۲] ایضاً ص ۱۵۵ - [۳] ایضاً ص ۱۵۵ - [۴] ایضاً ص ۱۶۱ -
[۵] ایضاً ص ۱۶۳ - [۶] ایضاً ص ۱۶۳ - [۷] ایضاً ص ۲۲۳ - [۸] ایضاً ص ۲۳۹ -
[۹] نزہۃ الخواطر جلد دوم ص ۷ (مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۹۳۱ء / ۱۳۵۰ھ)

فقہ و اجتہاد میں ان کا درجہ بہت فائق تھا۔ سلطان فیروز شاہ تغلق کے دور میں ان کو نہایت عزت و اکرام حاصل تھا۔[51]

مولانا افتخار الدین گیلانی:- فقہ و اصول اور علوم عربیہ کے ماہر علما میں سے تھے۔ سلطان غیاث الدین تغلق کے عہدِ حکومت تک دہلی میں مسندِ تدریس پر فائز رہے۔[52]

مولانا برہان الدین بھکری سندھی:- فقہ و اصول اور دیگر علوم میں عدیم النظیر تھے۔ سلطان علاء الدین محمد شاہ خلجی کے عہدِ سلطنت میں دار الحکومت دہلی میں مسندِ تدریس پر رونق افروز تھے۔[53]

یہ تو چند علمائے ذوی الاحترام اور فقہائے عالی مقام کے اسمائے گرامی ہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ جب سے یہ برصغیر اسلام سے روشناس ہوا ہے۔ اس میں بے شمار علما و فقہا پیدا ہوئے۔ کچھ باہر سے تشریف لائے اور کچھ اسی سرزمین سے عالمِ وجود میں آئے۔ یہاں کے ہزار سالہ دورِ اسلامی میں، اس ملک نے متعدد حکمرانوں کو دیکھا اور انقلاب و تغیر کی مختلف لہروں سے اس کو دوچار ہونے کا اتفاق ہوا۔ لیکن اس میں ایک چیز نمایاں رہی۔ وہ یہ کہ ہر دور میں اور ہر عہدِ حکومت میں، یہاں مختلف النوع علوم و فنون کا ہمیشہ چرچا رہا۔ بالخصوص حدیث و فقہ نے اس خطۂ ارض میں خوب ترقی کی اور علمائے عظام کی ایک مضبوط جماعت ہر دور میں علم و حکمت کے موتی رولنے میں مصروفِ عمل رہی۔ خالص مطلق العنانی اور شخصی عہدِ حکومت میں بھی علما و فقہا کو بڑی قدر اور احترام و تعظیم کی نظر سے دیکھا گیا۔ جن بلند مرتبت شخصیتوں کو اس برصغیر کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، ان میں حضرت امام ابو حنیفہ اور امام اوزاعی رحمہما اللہ کے نام نامی بھی شامل ہیں۔ اگرچہ امام اوزاعی فقیہِ ملکِ شام تھے اور امام ابو حنیفہ کا مولد و منشا ملکِ عراق تھا تاہم مؤرخین کا کہنا ہے کہ ان کے بزرگ نسلی اعتبار سے سندھی تھے۔ امام اوزاعی کے بارے میں مرقوم ہے واصلہ من سبی السند[54]

---

۵۱ نزہۃ الخواطر جلد دوم ص ۱۳ مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۹۳۱ء / ۱۳۵۰ھ

۵۲ ایضاً ص ۱۵۔ ۵۳ ایضاً ص ۱۷۔

۵۴ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۷۸ (طبع ثالث حیدر آباد دکن ۱۹۵۵ء / ۱۳۷۵ھ)

یعنی وہ اصلاً اسیران سندھ میں سے تھے۔

برصغیر پاک وہند کی علمی وفقہی شخصیتوں میں کچھ وہ بزرگان دین بھی ہیں جو دوسرے ملکوں سے یہاں آئے اور پھر یہیں کے ہو رہے اور علوم وفنون کی خدمت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ اور کچھ وہ حضرات گرامی قدر ہیں، جو اصلاً یہاں کے باشندے ہیں، لیکن ان کو علمی شہرت وناموری کا تاج دوسرے اسلامی ملکوں نے پہنایا! نہی بزرگوں میں ایک بزرگ ابو معشر سندھی ہیں، جن کا گزشتہ سطور میں ذکر ہوا۔ یہ سندھ سے باہر جا کر شہرت دوام کے مستحق ٹھہرے ان کا نام نجیح بن عبدالرحمٰن تھا۔ ان کو سندھ سے اسیران جنگ کے ساتھ حجاز لے جایا گیا۔ یہ کئی عرب خاندانوں میں غلام کی حیثیت سے رہے۔ لیکن بخت واتفاق نے ہر جگہ یاوری کی اور جہاں گئے برابر چشمہائے علم سے سیراب ہوتے رہے۔ اور بالآخر ایک وقت آیا کہ حدیث، فقہ اور مغازی میں رفیع الشان مقام پر فائز ہو کر علمی دنیا کے سامنے نمودار ہوئے

ان کی خوش قسمتی ملاحظہ ہو کہ ان کے اساتذہ کی فہرست میں نافع، ہشام بن عروہ اور محمد بن کعب قرظی ایسے فاضل روزگار شامل ہیں اور حلقۂ تلامذہ میں امام سفیان ثوری، وکیع، ابو نعیم، محمد بن عمر واقدی اور محمد بن ابو معشر ایسے جلیل القدر حضرات کے اسمائے گرامی مندرج ہیں۔ ان کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان کی روایت جامع ترمذی میں موجود ہے۔ عمر کے آخری دور میں حافظے نے کچھ ساتھ دینا چھوڑ دیا تھا مگر مرتبۂ علمی میں کمی نہیں واقع ہوئی۔

یہ چونکہ سندھی تھے۔ اس لیے بعض عربی الفاظ کا تلفظ پوری طرح صحیح نہیں کر پاتے تھے مثلاً "کعب" کو ہمیشہ "قعب" کہتے۔

حجاز جانے کے بعد مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہوئے۔ مشہور عباسی خلیفہ مہدی، ان کو انتہائی تکریم کی نظر سے دیکھتا تھا۔ وہ ان کو ۱۶۰ھ میں مدینہ منورہ سے بغداد لے گیا اور درس حدیث کی مسند رفیع پر فائز کر دیا۔ رنگ گندمی اور جسم فربہ تھا۔ رمضان المبارک ۱۷۰ھ میں فوت ہوئے اور بغداد کے مقبرہ کبیر میں دفن کیے گئے[1]

پھر یہ معاملہ یہیں ختم نہیں ہو گیا بلکہ برصغیر پاک وہند کے اس رفیع المرتبت عالم

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۲۲۴، ۲۲۵ (مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۹۵۵ء/۱۳۷۵ھ)

Marfat.com

وفقیہ کا سلسلۂ علم وفضل آگے بھی بڑھا۔ یعنی ان کے بعد ان کے لڑکے ابو عبد الملک محمد بن ابو معشر سندھی بھی علم حدیث کے بلند پایہ عالم ہوئے۔ والد کی وفات کے بعد یہ بغداد ہی میں سکونت پذیر رہے۔ اپنے والد کی کتاب المغازی کے راوی یہی عالم و محدث ہیں۔ ان کے مرتبہ فی الحدیث کا اندازہ اس سے کیجیے کہ ابو یعلیٰ موصلی ان سے روایت حدیث کرتے ہیں۔ انھوں نے ۹۹ برس عمر پاکر ۲۴۴ھ میں سفر آخرت اختیار کیا۔

اسی طرح فتح بن عبداللہ کا نام بھی سطور سابقہ میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ یہ ابو نصر سندھی کے نام سے معروف تھے اور غلامان اہل حکم میں سے تھے۔ ان کے بارے میں کتاب الانساب میں سمعانی کا بیان ہے کہ غلامی سے نجات پاکر آزادی وحریت کی فضا میں قدم فرسا ہوئے تو حدیث، فقہ اور علم کلام[1] کی تعلیم حاصل کی۔ فقہ اور کلام میں اس درجہ اونچے مقام پر فائز تھے کہ فقیہ اور متکلم کے لقب سے ملقب ہوئے۔ اردگرد تلامذہ کا ہجوم رہتا۔ ایک مرتبہ کہیں جا رہے تھے کہ راستے میں ایک عرب مدہوش پڑا تھا۔ اس عرب نے ان کو دیکھ کر کہا اے غلام میں تو زمین پر پڑا ہوں اور تم اس شان و شکوہ سے محو خرام ہو۔ ابو نصر نے جواب دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے تمھارے اسلاف کا طریقہ اختیار کر لیا ہے اور تم میرے باپ دادا کے نقش قدم چل پڑے ہو۔

تین عظیم الشان کارنامے

عجائب الہند کے مصنف بزرگ بن شہریار نے سندھ میں اسلامی دور کے تین عظیم الشان کارناموں کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ایک عراقی عالم دین، عہد طفولیت سے سندھ کے شہر منصورہ میں فروکش تھا اور اس نے تعلیم و تربیت کی منزلیں منصورہ ہی میں طے کی تھیں۔ وہ عربی زبان کے ساتھ ساتھ سندھی زبان پر بھی عبور رکھتا تھا۔ ۲۷۰ھ میں ہباری خاندان کے ایک حکمران عبداللہ بن عمر نے ارور کے راجہ مہروک بن رائک کی درخواست پر اس عالم سے سندھی زبان میں بصورت نظم، اسلامی عقائد و تعلیمات پر مشتمل ایک کتاب لکھوائی۔ یہ کتاب راجہ مذکور کے پاس بھیجی تو اس نے بہت پسند کی اور اس سے متاثر ہو کر وہ مسلمان ہو گیا۔ پھر اس نے اس عالم کو دربار میں طلب کیا اور اس کی اس عظیم خدمت پر

---

[1] کتاب الانساب۔ سمعانی ص ۳۱۴۔ معجم البلدان ج ۳ ص ۲۶۷ باب السین

Marfat.com

بے حد خوشی کا اظہار کیا۔

اس عالم نے راجہ کی استدعا پر دوسرا کام یہ کیا کہ اس کو قرآن مجید کا سندھی زبان میں باقاعدہ ترجمہ پڑھایا۔ تیسری بے مثال خدمت یہ انجام دی کہ راجہ کی فرمائش سے قرآن مجید کا ترجمہ سندھی زبان میں معرض کتابت میں لایا۔ اس طرح سندھی زبان میں اسلامی تعلیمات سے متعلق یہ پہلی تصنیف ہے جو نظم کی صورت میں پیش کی گئی اور ہندوستان میں قرآن مجید کا پہلا ترجمہ بھی یہی ہے [1]

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس برصغیر کو یہ شرف حاصل ہے کہ قرآن مجید اور اسلامی تعلیمات و عقائد کو سب سے پہلے عربی سے اسی خطۂ ارض کی ایک زبان میں منتقل کیا گیا۔ بہرحال جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے وہ ہمیں بتاتی ہے کہ علم و تحقیق اور مذہبی معاملات میں یہ سرزمین بڑی زرخیز ہے۔ اس نے بے شمار علما وزعما اور فقہا و محدثین کو جنم دیا جن کی علمی دنیا میں کوئی مثال نہیں ملتی۔

کچھ اس کتاب کے بارے میں

اسلام کے عہد آغاز ہی میں یہ خطۂ ارض، علما و فقہا سے متعارف ہو گیا تھا اور یہاں کی فضا نے ابتدا ہی سے علوم شرعیہ سے تاثر پذیری کی صلاحیتیں اپنے اندر پیدا کر لی تھیں اور پھر اسی دور میں اہل علم نے اپنے آپ کو علمی مساعی کے لیے وقف کر دیا تھا۔ چنانچہ بہت سے علمائے کرام نے متعدد ملوک و سلاطین اور امرا و وزرا کے عہد میں، مختلف علوم و فنون پر مستقل کتابیں تصنیف کیں، جن کی تفصیلات کا یہ محل نہیں۔ کیونکہ ہمارا مقصد ان کی ہر نوع کی علمی کوششوں کا استقصا نہیں فقط ان کی فقہی تصنیفات کا تذکرہ مقصود ہے۔

یہاں یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ سرزمین پاک و ہند نے اگرچہ تمام مسالک فقہی کے علما و فقہا کی پذیرائی کی اور ہر مسلک سے منسلک علما نے اپنے اپنے دائرے میں علمی خدمات بھی انجام دیں، لیکن اصل فروغ یہاں فقہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ہوا

---

[1] عجائب الہند ص ۳۔

Marfat.com

یہی وجہ ہے کہ ہماری اس کتاب میں جو کتبِ فقہیہ آپ کے سامنے آئیں گی انھیں آپ اسی مسلک کے مطابق پائیں گے۔

اپنے محدود علم و مطالعہ کی روشنی میں ہم نے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ جب سے اس برصغیر میں فقہی تصنیفات کا سلسلہ شروع ہوا ہے، اس وقت سے لے کر ۱۸۰۱ء تک کون کون سی فقہی کتابیں، کس کس دور میں، کس کس فقیہ اور مصنف کی کوششوں سے معرض تصنیف میں آئیں۔ اس ضمن میں جو اہم کتابیں ہمیں میسر آسکی ہیں اور ان کے بارے میں جو معلومات ہم حاصل کر سکے ہیں انھیں بترتیب زمانی اور تاریخی تسلسل کے ساتھ معزز قارئین کی خدمت میں پیش کر دیا گیا ہے۔ اس موضوع سے متعلق اور بھی متعدد کتابیں برصغیر کے بعض بڑے بڑے کتب خانوں میں موجود ہیں مگر افسوس ہے ان تک ہماری رسائی نہیں ہو سکی۔ ان میں فتاویٰ فیروز شاہی اور حضرت شیخ معین الدین اجمیری رحمہ اللہ کا فتاویٰ نقشبندیہ لائق تذکرہ ہیں۔

برصغیر کی کتبِ فقہ میں سے، کچھ کتابیں طباعت و اشاعت کی منزل سے گزر کر اہل علم کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہیں اور کچھ وہ ہیں جو زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئیں اور وہ دنیا کی مختلف لائبریریوں، مثلاً پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور، مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، رام پور لائبریری، بانکی پور لائبریری (خدا بخش لائبریری پٹنہ) رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، انڈیا آفس لائبریری لندن، مانچسٹر لائبریری، طہران لائبریری، استنبول لائبریری اور مصر (قاہرہ) وغیرہ کی لائبریریوں میں مخطوطات کی شکل میں موجود ہیں۔

ہماری اس کتاب میں فقہ کی ان کتابوں کا مکمل تعارف بھی کرایا گیا ہے، ان کے مصنفین کے بارے میں بھی معلومات مہیا کی گئی ہیں، ان کے مضامین و مندرجات کی تفصیلات بھی دی گئی ہیں، یہ بھی وضاحت کی گئی ہے کہ ان میں سے کون کتاب، دنیا کی کس کس لائبریری میں، کس حالت میں موجود ہے۔ جس عہد میں وہ کتاب ضبطِ تحریر میں لائی گئی، اس سے متعلق بھی ضروری باتیں بیان کی گئی ہیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ

Marfat.com

برصغیر پاک و ہند کے کس دور کی، علمی و فقہی حیثیت کیا تھی اور کس حکمران کے عہد میں کون کون علما و فقہا داد تحقیق دیتے تھے اور عوام اور ارباب حکومت کے نزدیک وہ کس درجہ و مرتبہ کے مالک تھے۔

ہمیں یہ دعویٰ ہرگز نہیں کہ ہماری یہ کتاب اپنے موضوع سے متعلق حرف آخر ہے اور اس سلسلے کے تمام معلومات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس ضمن میں جو مواد میسر آسکا ہے وہ صفحات قرطاس پر منتقل کر دیا گیا ہے۔

ہمارے نزدیک ہمارے اسلاف کا یہ علمی اور ثقافتی ورثہ ہے، جو ان کی تحقیق اور ذہنی و فکری کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ اس کو اجاگر کرنا، اصحاب علم کے مطالعے میں لانا اور اہل ذوق کو اس سے متعارف کرانا ہمارے فرائض میں داخل ہے۔ اور اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنے اس بندۂ عاجز کو اس خدمت کا موقع عطا فرمایا اور ایک تاریخی تسلسل اور ترتیب زمانی کے مطابق یہ معلومات جمع کرنے کی سعادت بخشی۔

اس کتاب کی ترتیب میں ہمیں انتہائی محنت سے کام لینا پڑا۔ اس سلسلے میں زیادہ تر وقت پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں صرف ہوا، کیونکہ یہ لائبریری اس موضوع سے متعلق بہت بڑے ذخیرۂ علم کو محیط ہے اور یہ مخطوطاتِ فقہی جن کا اس کتاب میں تعارف کرایا جا رہا ہے، اسی لائبریری کی زینت ہیں۔ اور پھر اس کام کا تعلق مختلف ممالک کی فنارسی کتب سے بھی ہے اور وہ بھی آسانی سے اسی مرکزِ علم و ثقافت سے مہیا ہو سکتی ہیں۔

اپنی اس کتاب کے بارے میں ہم یہ عرض کرنے کی بھی اجازت چاہیں گے کہ جہاں تک ہمیں معلوم ہے، اپنی نوعیت کی یہ اوّلین کوشش اور پہلی خدمتِ علم فقہ ہے۔ اس نہج سے، اب تک نہ پاکستان میں کام ہوا ہے نہ ہندوستان میں۔!

اس کتاب میں گیارہ فقہی کتابوں کا تعارف کرایا گیا ہے۔ جن کے نام یہ ہیں۔

۱۔ فتاوی غیاثیہ:۔ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد کی عظیم فقہی تصنیف ہے

۲۔ فتاوی تاتارخانی:۔ سلطان جلال الدین فیروز خلجی کے دور حکومت کی تالیف۔

۳۔ فوائد فیروز شاہی:۔ فیروز شاہ تغلق کے زمانہ حکومت کی تصنیف۔

Marfat.com

۴- فتاویٰ تاتارخانیہ :- فیروز شاہ تغلق کے عہد حکومت کی تصنیف ہے۔

۵- فتاویٰ حمادیہ :- نویں صدی ہجری کی تالیف۔ جو گجرات کے قاضی القضاۃ حمادالدین کی طرف منسوب ہے۔

۶- فتاویٰ ابراھیم شاہی (حصہ فارسی) :- والی جونپور سلطان ابراہیم شرقی کی طرف منسوب ہے۔

۷- فتاویٰ ابراھیم شاہی (حصہ عربی) :- اس کا انتساب بھی والی جونپور سلطان ابراہیم شرقی کی طرف ہے۔

۸- فتاویٰ امینیہ :- دسویں صدی ہجری کا فقہی مخطوطہ۔

۹- المتانۃ فی مرمۃ الخزانۃ :- سندھ کے مشہور عالم و فقیہہ علامہ مخدوم محمد جعفر بوبکائی کی تصنیف، جو دسویں صدی ہجری میں تصنیف کی گئی اور چند سال پیشتر سندھی ادبی بورڈ کی طرف سے شائع کی گئی۔

۱۰- فتاویٰ بابری :- مشہور مغل حکمران ظہیرالدین بابر کے زمانے کی تصنیف۔

۱۱- فتاویٰ عالمگیری :- سلطان اورنگ زیب عالمگیر کے عہد حکومت کی معروف فقہی تالیف۔

ان کتب فقہ میں سے صرف دو کتابیں یعنی المتانۃ فی مرمۃ الخزانۃ اور فتاویٰ عالمگیری مطبوعہ صورت میں موجود ہیں۔ باقی تمام کتابیں غیر مطبوعہ ہیں اور مخطوطات کی شکل میں مختلف کتب خانوں کی زینت ہیں۔

اظہارِ تشکر

میرے لیے یہ موضوع ادارہ ثقافت اسلامیہ کے سابق ڈائرکٹر شیخ محمد اکرام مرحوم نے تجویز کیا تھا۔ اس قسم کی علمی خدمات سے ان کو بہت دلچسپی اور قلبی لگاؤ تھا۔ مجھ پر ان کا یہ بہت بڑا علمی احسان ہے۔

اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ وعافہ واعف عنہ

اس کتاب کے ضمن میں، اس حقیقت کا اظہار بھی ضروری ہے کہ پنجاب یونیورسٹی

Marfat.com

لائبریری کے عملہ ارکان نے میری بڑی مدد کی۔ اور میرے ساتھ توقع سے زیادہ تعاون کیا۔ اس کے لیے میں لائبریری کے پورے عملے کا بے حد شکر گزار ہوں۔ بالخصوص ملک احمد نوازنہ، قاضی عبدالغنی کوکب، سید جمیل احمد شاہ، عبدالوہاب خاں صاحب، ملک بشیر علی ٹوانہ، پرویز اسلم برکی، میاں انوارالحق، خالد جاوید صاحب، محمد یعقوب صاحب اور محمد حنیف صاحب نے، مخطوطات، فہارس کتب اور اس سلسلے کا دیگر متعلقہ مواد مہیا کرنے میں میرا ہاتھ بٹایا، جزاہم اللہ احسن الجزاء۔

آخر میں یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے اپنے طور پر اس کتاب کے ذریعے قارئین کرام کے لیے زیادہ سے زیادہ مواد فراہم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر ان کو اس میں کوئی اچھائی نظر آئے تو اسے محض اللہ کا فضل قرار دیں اور اگر کوئی نقص یا کمی محسوس ہو تو اسے بلا جھجک میرے کھاتے میں ڈال دیں، کیونکہ بندوں کے کام نقص سے مبرہ نہیں ہو سکتے۔ ساتھ ہی یہ بھی درخواست کروں گا کہ اپنے مفید مشوروں سے نوازیں تاکہ اگر آئندہ طباعت کی نوبت آئے تو بشرط زندگی ان کے مشوروں اور ان سے حاصل شدہ مواد سے استفادہ کیا جا سکے۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم

محمد اسحاق بھٹی

۱۴ مئی ۱۹۷۳ء

(۱)

الفتاویٰ الغیاثیہ

سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد کا ایک فقہی مخطوطہ

بلبن اور اس کا عہد

فتاوی غیاثیہ، ہندوستان کے مشہور فرماں روا سلطان غیاث الدین بلبن کی طرف منسوب ہے۔ قبل اس کے کہ اس فتاوی اور اس کے مندرجات کے بارے میں کچھ عرض کیا جائے، سلطان غیاث الدین بلبن اور اس کے عہد پر ایک نظر ڈال لینا ضروری ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ یہ علما و فضلا کا کتنا قدر دان تھا، اولیا و اتقیا سے کس درجہ محبت و شیفتگی کا اظہار کرتا تھا اور علوم و فنون کے فروغ و اشاعت میں کس درجہ مستعد و سرگرم عمل رہتا تھا۔ مشہور مورخ محمد قاسم فرشتہ لکھتا ہے۔

غیاث الدین بلبن ترکی الاصل تھا اور ترکستان کے ایک بہت بڑے خاندان البری سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا باپ ترکستان کے دس ہزار خاندانوں کا سردار تھا۔ مغلوں نے ترکستان میں قراخطائی پر غلبہ و استیلا حاصل کیا تو بلبن ایک ترک سپاہی کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا جو اس کو بغداد لایا اور ۶۳۰ھ میں خواجہ جمال الدین بصری کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ خواجہ جمال الدین زاہد و متقی اور ذہین و فطین شخص تھا۔ اس نے بلبن کی بیٹوں کی طرح نگہداشت و پرورش کی اور یہی گھر اس کی اولین تربیت گاہ بنا۔[1]

اس زمانے میں ہندوستان کے تختِ حکومت پر سلطان شمس الدین التمش داد حکمرانی

---

[1] تاریخ فرشتہ (فارسی) جلد اول ص ۷۴، (مطبوعہ نول کشور لکھنؤ)

Marfat.com

دے رہا تھا۔ یہ بھی اصلاً ترک تھا اور حسنِ اتفاق سے ترکستان کے البری قبیلے ہی کا فرزند تھا۔[1]

جب خواجہ جمال الدین کو معلوم ہوا کہ غیاث الدین بلبن ہندوستان کے حکمران سلطان شمس الدین التمش کے قبیلہ کا فرزند ہے تو وہ اس کو اور اپنے دیگر غلاموں کو ساتھ لے کر ہندوستان کے لیے عازم سفر ہوا۔ ۶۳۰ھ میں وہ التمش کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے تمام غلاموں کو خرید لیا۔ التمش نے غیاث الدین کے چہرے پر حشمت و شہامت کے آثار دیکھ کر اس کو اپنا ذاتی محافظ مقرر کر لیا۔ بلبن کا بھائی کشلی خان پہلے ہی اس کے دربار میں پہنچ چکا تھا اور امیر حاجب کے عہدہ پر فائز تھا۔ بلبن اپنے بھائی کو پہچان کر انتہائی خوش ہوا۔[2] بلبن ترقی و تقدم کی منازل طے کرتا ہوا التمش کے بعد ہندوستان کا بادشاہ بن گیا۔

بلبن نے ۶۶۴ھ (۱۲۶۶ء) سے ۶۸۶ھ (۱۲۸۷ء) تک بائیس سال حکومت کی اور اسّی برس عمر پا کر داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ مؤرخین نے اس کے عہدِ حکومت کو "خیر الاعصار" قرار دیا ہے۔[3]

بلبن کے زمانے میں بجز ہندوستان کے پورا عالمِ اسلامی سخت فتن و آلام میں مبتلا تھا اور اسلامی ممالک چنگیز خانیوں کے دستِ تظلّم کا شکار ہو رہے تھے۔ جس کی وجہ سے مختلف ممالکِ اسلامی سے متعدد علماء و مشائخ اور شہزادے دہلی میں آ بسے تھے۔ اور سلطان غیاث الدین بلبن کا یہ دار السلطنت ان کی بہت بڑی پناہ گاہ کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ ان لوگوں میں پندرہ شہزادے تھے جو ترکستان، ماوراء النہر، خراسان، عراق، آذربائیجان، فارس، روم، دیلم، یمن اور موصل وغیرہ سے آئے تھے۔ ان کے علاوہ علماء و فضلا اور اہلِ ہنر و اربابِ کمال بھی کثیر تعداد میں دہلی میں وارد ہوئے۔ بلبن نے ان کے مقام و مرتبہ کے مطابق وقار و احترام کے ساتھ انھیں ٹھہرایا، ان کی انتہائی

---

[1] تاریخ فرشتہ (فارسی) جلد اول ص ۴۶ (مطبوعہ نول کشور لکھنؤ)

[2] ایضاً ۴۷ [3] ایضاً ص ۸۳۔

پذیرائی کی اور ان کے نام سے پندرہ محلے قائم کیے جن میں ان کو آباد کیا۔ ان محلوں کے نام یہ ہیں۔ محلہ عباسی، محلہ سجزی، محلہ خوارزم شاہی، محلہ دیلمی، محلہ علوی، محلہ اتابکی، محلہ غوری، محلہ چنگیزی، محلہ رومی، محلہ سنقری، محلہ یمنی، محلہ موصلی، محلہ سمرقندی، محلہ کاشغری، محلہ قراخطائی

بلبن نے ان سب کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کی اور ان کو ہر اعتبار سے قابلِ امداد گردانا۔[1]

واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کا یہ بادشاہ، علماء و فقہا کا انتہائی قدردان تھا۔ تاریخ فیروز شاہی میں ضیاءالدین برنی اور دیگر مؤرخین نے لکھا ہے کہ یہ بادشاہ علما کے بغیر کھانا بھی تناول نہ کرتا۔ کھانا کھانے کے دوران ان سے مسائل شرعی دریافت کرتا اور جمعہ و جماعت کے لیے باقاعدہ مسجد میں جاتا اور علما کے گھر جاکر ان کی صحبت سے فیض یاب ہوتا۔ اس سلسلے میں برنی کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

"وبے حضورِ علما دست بطعام نبردے واز علما در وقت طعام خوردن مسائل دین پرسیدے و در مجلس طعام، دانشمنداں در پیش او بحث کردندے۔ وعلمائے آخرت و مشائخ ہر جادہ را بغایت حرمت داشتے و بدیدن بزرگانِ دین، در خانہائے ایشاں برفتے و بعد از نماز جمعہ با چنداں کوکبہ و دبدبہ کہ او سوار شدے۔ در خانہ مولانا برہان الدین بلخی فرود آمدے و تعظیم و توقیر آں عالم ربانی بواجبی محافظت نمودے و قاضی شرف الدین ولوالجی و مولانا سراج الدین سجزی و مولانا نجم الدین دمشقی را کہ علمائے آخرت بودند، تعظیم و حرمت بسیار کردے۔

برنی اور دوسرے مؤرخین نے عہدِ بلبن کے علمائے کرام کی فہرست بھی دی ہے جو یہ ہے۔ مولانا برہان الدین بلخی، مولانا برہان الدین بزاز، مولانا نجم الدین دمشقی شاگرد مولانا فخرالدین رازی، مولانا سراج الدین سجزی، مولانا شرف الدین ولوالجی، مولانا منہاج الدین جوزجانی، قاضی رفیع الدین گازرونی، قاضی شمس الدین دمراجی، قاضی

[1] تاریخ فرشتہ (فارسی) جلد اول ص ۷۵

رکن الدین سامانوی، قاضی جلال الدین کاشانی پسر قاضی قطب الدین کاشانی، قاضی لشکر، قاضی سدید الدین، قاضی ظہیر الدین، قاضی جلال الدین۔

ان کے علاوہ اس عہد کے اور بھی متعدد علمائے کرام، فقہائے عالی مقام اور مفتیان شرع متین کا پتہ چلتا ہے۔ ان کے علیحدہ علیحدہ حالات بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں۔ یہ حضرات بڑے بلند مرتبے کے حامل تھے۔

سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے میں بڑی علمی خدمات انجام دی گئیں جن میں فتاویٰ غیاثیہ ایک لائق تذکرہ خدمت ہے۔ اس کو فقہی اعتبار سے اس لیے زیادہ اہمیت حاصل ہے کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ غیاث الدین بلبن کو فقہی مسائل سے بہت دلچسپی تھی اور وہ فقہا کی ان کاوشوں کو احترام کی نظر سے دیکھتا تھا اور ان مسائل پر عمل کی دیواریں استوار کرتا تھا۔ یہ فتاویٰ صدیاں گزر جانے کے باوجود آج بھی موجود ہے اور انقلاب و تغیر کی بے شمار لہروں سے محفوظ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کی زینت ہے اور اس کو اسلامی ہندوستان کے ایک علمی اور ثقافتی ذخیرہ کی حیثیت حاصل ہے۔

مخطوطہ کی کیفیت

یہ فتاویٰ عربی زبان میں ہے اور فقہ حنفی کے نقطۂ نظر سے مرتب کیا گیا ہے۔ میرے سامنے اس کا پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا مخطوطہ ہے جو ۱۸۱ - ۱۵ ام۔ یس سائز کے ۸۳ اوراق کو محیط ہے۔ ہر صفحہ کم سے کم ۱۷ اور زیادہ سے زیادہ ۲۲ سطور پر مشتمل ہے۔ اس پر تاریخ کتابت اور کاتب کا نام مرقوم نہیں۔ ناقص الآخر ہے۔ درمیان سے بھی بعض مقامات پر مضامین کا تسلسل قائم نہیں رہا، جس کا مطلب یہ ہے کہ مشمولاتِ کتاب کے کچھ درمیانی حصے غائب ہیں۔ کتابت ایک شخص کے ہاتھ کی نہیں، بلکہ اس میں کئی کاتبوں کا حصہ ہے جن کے خط ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ بعض جگہ خط اس درجہ شکستہ اور غیر واضح ہے کہ پڑھنے میں سخت دشواری ہوتی ہے۔ چند صفحوں پر حواشی بھی ہیں کہیں کہیں صفحات میں باریک باریک سوراخ بھی ہیں۔ کچھ مقامات ایسے بھی ہیں جہاں صفحات کٹے پھٹے ہیں اور ان پر کاغذ چپکائے گئے ہیں۔ جن کی وجہ سے اصل عبارت پڑھنا ناممکن ہو گیا ہے۔

Marfat.com

فہرستِ مضامین

یہ مخطوطہ ۶۰ فصول، ۳۶ ابواب اور ۲۲ انواع پر مشتمل ہے اور ۲۲ مقامات وہ ہیں جہاں سے عنوان "کتاب" کے لفظ سے شروع ہوتا ہے۔ مثلاً کتاب الصلوٰۃ، کتاب الاجارات، کتاب الدعوی، کتاب الوکالۃ اور کتاب الاقرار وغیرہ۔

مفصل فہرست مضامین یہ ہے:

فصل فی النیۃ، باب الاعتکاف، باب صدقۃ الفطر، باب فی الاعذار، کتاب النکاح، فصل فی حرمۃ الرضاع، فصل فی تزویج الفضولی، فصل فی ھبۃ المہر وابرائہ، فصل فی الاختلاف بین الزوجین، باب النفقات، فصل فی الکسوۃ وفرضہا ومقدارہا، فصل فی حضانۃ الولد وبیان من ھو اولی بہ، فصل العنین، فصل فی الایقاع، فصل فی الکنایات واضمارہ، فصل فی طلاق السکر،

الباب الثانی فی الولایۃ والوقف وتصرفات المتولی والقیم، فصل فی الوقف علی الاولاد، کتاب الھبۃ بفصولہ، کتاب البیوع بفصولہ وانواعہ، فصل فی الثمن، کتاب الشفعۃ، فصل فی دعوی الشفعۃ، فصل فی حیل ابطالہا، فصل فی بیع المرھون والمغصوب، فصل فی استقراض الفلوس، نوع فی الیمین، نوع فی تصریف القیم، نوع فی استقراض الفلوس، نوع فیما یکرہ ویحرم، فصل فی الخلع والبیع والشراء، نوع فی الیمین، باب المیاہ، فصل فی الآبار، نوع فیما یصیب الخف، فصل فیما یصیب الثوب، باب المسح علی الخفین، باب القراءۃ، باب الوضوء، فصل فی بیان النجاسات، فصل فی الصلوٰۃ علی الدابۃ، فصل فی النذر بالصلوٰۃ، باب صلوٰۃ العید، باب الجمعۃ، فصل فی الوتر، فصل فی طہارۃ المکان، فصل فی استقبال القبلۃ، فصل فی السھو، فصل فی النجاسۃ، باب التکبیر، باب احکام الموتی، فصل فی الغسل، باب التیمم، باب الاحداث، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، باب ما یفسد الصوم،

نوع فی الوکیل، کتاب القسمۃ، فصل فی الاختلاف فی الدعاوی، کتاب الاجارات، کتاب القضاء، کتاب الاقرار، کتاب الوکالۃ، فصل فی الیمین، کتاب الشہادات، کتاب الصلح، کتاب الرھن، کتاب المضاربۃ، کتاب الاشربۃ، کتاب المزارعۃ، کتاب الوصایا، کتاب الخنثی،

Marfat.com

ابتدائیہ

اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم و رب یسّر و تمم بالخیر، الحمد للہ الاول بلا مطلع الیہ ابتدائہ الآخر بلا مقطع النہایۃ الکافی فی المعنی بالکفایۃ الوافی المعطی خلاصۃ الھدا جامع ذخیرۃ الصلاح بشامل زیادات الغیوب معالم خفا سر مکنوم اسرار الغیوب ساتر نوازل سجود انانی منتہی الذنوب کاشف محجوب عدۃ عدۃ لوامع طوالع الکروب مفصل مفصل قواعد لباب نوادر اصول الکائنات الاعلی اساس تاسیس تقویم،

جہاں جہاں خلا نظر آ رہا ہے وہاں الفاظ پر کاغذ کے ٹکڑے چپکائے گئے ہیں، جنھوں نے الفاظ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔

انتساب

مصنف نے اپنی اس کتاب کو سلطان غیاث الدین بلبن کی طرف منسوب کیا ہے۔ اس انتساب کے الفاظ یہ ہیں۔

فلما تحقق الفراغ بالمشیۃ الالھیۃ سمیت کتابی ھذا فتاوی الغیاثیۃ لیشتھر الکتاب اشتھاراً و تداولتہ الایدی جھاراً و یکون الذکر ذخراً علی امتداد الزمان و شکراً لسبوغ النعمۃ بقدر الامکان و تذکرۃ فی الجحافل و تبصرۃ فی المحافل و تقویۃ عند قرۃ عیون الاعیان و تکرار الاثنیۃ بکرار الدھور والازمان و یبقی الدعاء فی الدار و یبقی الثناء فی المجالس الی انغلاق یوم المتاج لسکت فیہ متاسیاً باثار اھل الیقین و لو جھت بہ تلقاء حضرت سلطان السلاطین و ھو المجلس الاعلی السلطان العالم الاعظم مالک رقاب الامم مولی ملوک العرب والعجم مجیر الامام، ظھیر الانام سلطان ارض اللہ مالک بلاد اللہ محرز ممالک الدنیا مظھر کلمۃ اللہ العلیا کھف الثقلین سلطان سلاطین الخافقین المؤید من

السماء المظفر علی الاعداء غیاث الدنیا والدین مغیث الاسلام والمسلمین
غوث الملوک والسلاطین باسط الامن الارضین ظل اللہ فی العلمین
علاء الدولۃ القاهرة شفاء الملۃ الباهرة ناشر العدل والرأفۃ الجناح
الایمن للخلافۃ صاحب الخاتم فی ملک العالم ملاذ ملوک ممالک
بنی آدم درۃ تاج السلطنۃ واسطۃ قلادۃ المملکۃ ذو الامان لاهل الایمان وارث
ملک سلیمان ابو المظفر بلبن السلطان یمین خلیفۃ اللہ ناصر امیر المؤمنین
ذو المآثر الباهرة والمفاخر الظاهرة والولایۃ والحمایۃ علی ذی الرعایۃ
طودت مناکب ریاض سلطنتہ باطواد الاقبال حتی انفجرت منها ینابیع
الاطاعۃ وامتثال طرز اللہ رایاتہ بآیات الفتح المبین واید بنا بیدہ امر الاعتصام
بالحبل المتین عمرہ اللہ متوجها بتاج السلطنۃ تعمیر قوم ونور الممالک بانوار
معتدلۃ تنویر لوح وجعل منادیہ عن عروض عروض الامانی محرما ومن
یثبت مصراع بسیط الحیوۃ محرما ووطن موخاۃ جناب حضرتہ کل خان
توطین الذلایۃ فیا کل خان وسخرها ومات العدی بمجاضل مناضلۃ عمودا
واثبت لقوام ممالک الاسلام دوام سلطنۃ عمودا ومکن فی اتباع الالباب
تمکین ذی القرنین وقرن ملکہ المغربین ملک المشرقین واطهر ایدی ایدہ
بالایادی بدیہ ولیعادل عسکرہ من دماء اعادی ونفذ حکمہ کالقضاء
الذی لایمتنع ابدا والماء الجاری الذی لاینقطع سرمدا۔

ترجمہ: مشیت ایزدی سے جب میں تکمیل کتاب سے فارغ ہوا تو اس کتاب کا نام فتاویٰ غیاثیہ رکھا تاکہ یہ کتاب اچھی طرح شہرت پذیر ہو جائے لوگ اسے ہاتھوں ہاتھ لیں اور امتدادِ زمانہ کے باوجود یہ ایک یادگار کی صورت میں باقی رہے۔ یہ بھی مقصد تھا کہ اللہ کی بھرپور نعمت کا بقدر امکان واستطاعت شکر ادا ہوتا رہے۔ نیز یہ کہ محفلوں میں اس کا تذکرہ بصیرت کا ذریعہ ثابت ہو اور یہ اعیان واکابر کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان بہم پہنچائے۔ تکرار درگردشِ دوراں کے ساتھ ساتھ

Marfat.com

مدح و ثنا کا اعادہ بھی برابر ہوتا رہے۔ دنیا میں سلسلۂ دعا جاری رہے اور مجالس میں تا قیامِ قیامت سلسلۂ حمد و ثنا مضبوط سے مضبوط تر ہوتا رہے۔ میں نے اس کتاب کی تالیف میں اہلِ یقین کے نقوش و آثار کی پیروی کی ہے اور اس کو سلطان السلاطین کی خدمت میں پیش کیا ہے کہ جو سلطانِ عالم و اعظم، آقائے اقوامِ عالم، مولائے شاہانِ عرب و عجم، پشت پناہِ بنی آدم، سلطان ارض اللہ، مالک بلاد اللہ، محافظ ممالکِ دنیا، اللہ کے کلمۂ علیا کو غالب کرنے والا، پناہ گاہ جن و انس، سلطانِ سلاطین شرق و غرب، صاحب تائید آسمانی، فاتح دشمنان، غیاث الدنیا والدین، فریادرسِ اسلام و مسلمین، مددگار ملوک و سلاطین، اہلِ زمین پر امن پھیلانے والا، ظل اللہ فی العالمین، علا الدولۃ القاہرہ، شفائے ملتِ باہرہ، ناشر عدل و رأفت، دنیا میں خلافتِ نبوی کا بازو ہے راست، مرجع شاہانِ بنی آدم، مرداریدِ تاجِ سلطنت، سررشتۂ مالائے مملکت، امن بخشِ اہلِ ایمان، وارث ملکِ سلیمان، ابوالمظفر سلطان بلبن، معاون و یمین خلیفۃ العدل ناصر امیر المؤمنین، صاحبِ تاثیر باہرہ و مفاخرِ ظاہرہ اور حامیٔ رعایا ہے۔ اس کے چمنستانِ سلطنت کو اقبال و کامرانی کے بلند ترین پہاڑوں سے استواری بخشی گئی ہے یہاں تک کہ اس کے اندر سے اطاعت و فرماں برداری کے چشمے پھوٹ نکلے ہیں۔ اللہ نے اس کے علمِ حکمرانی کو فتحِ مبین کی نشانیوں سے مزین کیا اور اللہ کی مضبوط ترین رسی سے اعتصام کو دوام بخشا۔ جس کے سر پہ یہ تاجِ سلطنت رکھا گیا ہے اللہ اسے عمرِ نوح عطا فرمائے اور اس کے ملک کو انوارِ عدل سے روشن فضا کی طرح منور کرے۔ اللہ اس کے دشمنوں کی غلط آرزوؤں کو ناکام کرے اور زندگی میں انھیں نامراد فرمائے۔ پیروانِ عقل میں اس کو ذوالقرنین ایسا اقتدار عطا فرمائے اور اس کی قلمرو کے مغربین کو مشرقین سے ملا دے۔ اس کے دستِ حکمرانی کو اپنی تائید غیبی سے مضبوط کرے اس کے اسلحہ عساکر کو دشمنوں کے خون سے تر کر دے، اس کے حکم کو قضائے الٰہی کی طرح ہمیشہ نافذ رکھے اور اس کو غیر مختتم اور دائمی چشمۂ جاریہ بنا دے۔ حکمران فاضل مصنف کے انتساب کے الفاظ کا ہم نے ترجمہ پیش کر دیا ہے

ان مدحیہ الفاظ کو علما کی روایتی سادگی اور اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ نہ سمجھا جائے اور اسے مبالغہ آرائی سے تعبیر کیا جائے لیکن اس مدح و توصیف کی غالباً بنیادی وجہ یہ ہے کہ اسلامی ممالک اس دور میں فتنۂ تاتار کی وجہ سے سخت مشکلات میں گھرے ہوئے تھے اور علما بھی انتہائی مصائب میں مبتلا تھے۔ ہندوستان میں سلطان غیاث الدین بلبن ہی ایک ایسا حکمران تھا جس نے علما کی تکریم و تعظیم کو اپنا شیوہ بنایا اور ان کو صحیح مقام عطا کیا۔ اس نے شہزادوں کو بھی پناہ دی اور عباسی خلافت کو بھی تسلیم کیا، لہٰذا قدرتاً اسے مدح و توصیف کا مستحق گردانا گیا۔

دوسری بات یہاں یہ عرض کرنا ہے کہ مصنف کی عربی عبارت مخطوطہ میں بالکل اسی طرح مرقوم ہے اگر اس میں کوئی خامی نظر آئے تو ممکن ہے وہ مخطوطہ کی کتابت کا نتیجہ ہو۔

مآخذ اور مخففات

اس فتاویٰ میں فقہ حنفی کے ان مآخذ کا بھی ذکر جا بجا کیا گیا ہے، جن میں سے بعض اب بھی متداول ہیں۔ مصنف نے دیباچہ میں ان مآخذ کو بیان کیا ہے اور ان کے مخففات بھی متعین کیے ہیں اور کتاب میں آگے چل کر بطور حوالہ کے مخففات ہی استعمال کیے ہیں۔ مثلاً جہاں الذخیرہ کا حوالہ دیا ہے، وہاں "ذ" مرقوم ہے جہاں کوئی مسئلہ الصاعدی سے لیا گیا ہے وہاں "د" لکھا ہے۔ جو الشامل سے منقول ہے، وہاں "ش" درج کیا ہے۔ وغیرہ۔ اس سلسلے میں خود مصنف کے الفاظ یہ ہیں۔

"وما هو من الذخيرة بالذال، وما هو من الصاعدي بالدال، وما هو استخرجته من الشامل سميته بالشين، وما اخرجته من فتاوى سمرقندي كتبته بالسين، وما ثبته من الظهيري بالظاء، وما طويته من الطحاوي بالطاء، وما سطرته من فتاوى الاستغناء عن ؟؟ اوضحه بالجيم[1]، وما هو من جامع الفتاوى اوضحه بالفتاوى"[2]

۱؎ غالباً یہ لفظ "بالخاء" ہے جو کاتب کی غلطی سے "بالجاء" ہو گیا ہے۔ ۲؎ ورق ۶۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کتاب لکھتے وقت مصنف نے اہم فقہی ماخذ کو سامنے رکھا ہے اور ان سے پورا استفادہ کیا ہے۔

اعلام فقہ

پھر مصنف نے بہت سے اہم اعلام فقہ، ان کے اسما اور اقوال فقہیہ کا کتاب میں ذکر کیا ہے۔ مثلاً ظہیر الدین مرغینانی، الکرخی، امام ابوبکر محمد بن الفضل، شمس الائمہ الحلوانی، ابوبکر الوراق، الفقیہ ابواسحاق الحافظ، الامام الرستغفینی، القاضی الامام ابوعلی النسفی، الصدر الشہید، محمد بن مقاتل، القدوری، الفقیہ احمد بن ابراہیم، الشیخ الامام الزاہد ابونصر الصفار، السید امام ناصر الدین، الخصاف (قول فی ادب القاضی) ابن رستم (فی نوادرہ)۔

مصنف

فتاویٰ غیاثیہ کے مصنف کا نام شیخ داؤد بن یوسف الخطیب ہے۔ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں اس فتاویٰ کے دو نسخے ہیں، ایک مطبوعہ مصر ۱۳۲۱ھ جو ۹۴ صفحات کو محیط ہے اور ایک قلمی نسخہ جو ۱۱۱ صفحات پر مشتمل ہے۔[1]

حاجی خلیفہ نے بھی کشف الظنون میں فتاویٰ غیاثیہ کا ذکر کیا ہے[2] مگر مصنف کا نام نہیں لکھا اور نہ یہ بتایا ہے کہ یہ سلطان غیاث الدین کی طرف منسوب ہے۔ البتہ کشف الظنون کی ذیل ایضاح المکنون میں مرقوم ہے کہ یہ داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی کی تالیف ہے اور مصنف نے یہ کتاب سلطان غیاث الدین کی خدمت میں پیش کی۔ الفاظ یہ ہیں:

"الفتاوی الغیاثیہ، تالیف داؤد بن یوسف الخطیب الحنفی ..... اہداہ للسلطان ابی المظفر غیاث الدین ایمین۔"[3]

بروکلمان نے بھی اس کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ کتاب بولاق میں ۱۳۲۱ھ سے

---

[1] فہرست کتب خانہ آصفیہ ص ۲ ۱۰۵   [2] دیکھیے جلد ثانی، کالم نمبر ۱۲۱۳

[3] ایضاح المکنون فی الذیل کشف الظنون جلد ثانی کالم ۱۵۷

۱۳۲۳ھ تک طباعت کے مراحل سے گزرتی رہی۔ اس کے مصنف کا نام داؤد بن یوسف الخطیب ہے [۱]

معجم المطبوعات العربیہ میں اس کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے:

الخطیب الحنفی (الشیخ) داؤد بن یوسف۔

الفتاوی الغیاثیۃ۔ قدمہا للسلطان ابی المظفر غیاث الدین یمین بہامشہا فتاوی ابن نجیم او الفتاوی الزینیۃ (فقہ حنفی) علی نفقۃ فرج اللہ الکردی۔ بولاق ۱۳۲۲ھ ص ۱۹۲ [۲]

بہرحال اگرچہ یہ فتاوی طبع بھی ہو گیا ہے تو نایاب ہے اس کا حصول سخت مشکل ہے اور اس وقت اس کی حیثیت مخطوطے کی ہے۔ لیکن اس کے مصنف داؤد بن یوسف کون بزرگ ہیں، اس سلسلے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا۔ عہد بلبن کے علما کی جو فہرست تاریخ کی کتابوں میں مندرج ہے، اس میں ان کا نام نہیں ملتا۔ البتہ ایک عالم و فقیہ شیخ سراج الدین ابوبکر بن یوسف سجزی کا نام ملتا ہے۔ نزہۃ الخواطر میں مولانا سید عبدالحی لکھنوی رحمہ نے ان کا تذکرہ کیا ہے اور لکھا ہے کہ ابوبکر بن یوسف بن حسین سفرانی الامام سراج الدین سجزی فقہ، اصولِ فقہ اور عربی میں بہت دسترس رکھتے تھے۔ بعہد سلطان غیاث الدین بلبن کئی سال دہلی میں ان کا فیضانِ علم جاری رہا۔ سلطان موصوف کے عہد سے پیشتر کے ارباب حکومت کے زمانے میں بھی بے شمار حضرات نے ان کے فیوض علمیہ سے استفادہ کیا۔ سلطان غیاث الدین بلبن اکثر ان سے ملاقات کے لیے جاتا نماز جمعہ کے بعد بھی ان کی مجلس میں حاضر ہوتا۔ اس ضمن میں نزہۃ الخواطر کے اصل الفاظ یہ ہیں

الشیخ العالم الکبیر العلامۃ ابوبکر بن یوسف بن الحسین السفرانی الامام سراج الدین السجزی، احد کبار العلماء المبرزین فی الفقہ والاصول والعربیۃ، درس وافاد مدۃ طویلۃ بدار الملک دھلی فی عہد السلطان

---

[۱] تکملہ تاریخ ادب عربی جلد ثانی ص ۱۵۹ [۲] کالم ۸۲۸

غیاث الدین بلبن ومن قبلہ من الملوک اخذ عنہ جمع کثیر من العلماء وکان السلطان غیاث الدین المذکور یکرمہ غایۃ الاکرام ویتردد الیہ فی کل اسبوع بعد صلوۃ الجمعۃ ویحظی بصحبتہ[1]

نزہۃ الخواطر میں تاریخ فرشتہ کا حوالہ دیا گیا ہے، مگر فرشتہ میں، بلبن کے حالات کے ضمن میں صرف سراج الدین سجزی مذکور ہے[2] ابوبکر بن یوسف نہیں۔ بلبن سے قبل کے کسی سلطان کے حالات میں بھی ان کا نام مجھے نہیں ملا۔ ممکن ہے فتاوی غیاثیہ کے مصنف یہی بزرگ ہوں یا ان علما وفضلا میں سے کوئی صاحب ہوں جو اسلامی ممالک سے ہجرت کر کے دہلی میں اقامت پذیر ہو گئے تھے۔

الفتاوی الغیاثیہ غالباً فتاوی کا پہلا مجموعہ ہے جو ساتویں ہجری میں ہندوستان میں سلطان غیاث الدین بلبن کے زمانے میں معرض تحریر میں لایا گیا۔ معلوم ہوتا ہے، اس سے قبل اس برصغیر میں اس انداز سے مسائل فقہ کے جمع وتدوین کی عام طور عادت نہ تھی۔ اس سے پہلے کی اس نوع کی کوئی کتاب جو اس خطۂ ارض میں مرتب کی گئی ہو ہمارے علم میں نہیں آئی۔ افسوس ہے یہ فتاوی ناقص ہے اس کے بہت سے اوراق دست برد زمانہ کی نذر ہو گئے ہیں۔ فہرست مضامین کے کئی ابواب کتاب میں موجود نہیں۔ اگر فتاوی کا یہ مجموعہ مکمل صورت میں موجود ہوتا تو ہندوستان کی تاریخ فقہ میں اس کو خاص اہمیت حاصل ہوتی۔ تاہم اب بھی اس کا فقہی درجہ بڑا بلند ہے اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسلامی ہندوستان میں فہم مسائل کا کیا اسلوب تھا، اس دور میں کس قسم کے امور عوام اور حکمران طبقہ کو درپیش تھے اور وہ ان سے کس طرح عہدہ برآ ہوتے تھے۔ اس قسم کی کتابیں ہماری فقہی، علمی اور ثقافتی روایات کو مستحکم کرنے، انھیں اسلامی معاشرہ میں ترویج دینے اور قائم رکھنے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں اور حال کے رشتے کو ماضی سے جوڑنے میں مدد

---

[1] نزہۃ الخواطر جلد اول ص ۱۳۱ [2] فرشتہ جلد ۱ ص ۷۶

دیتی ہیں۔

فتاویٰ کا یہ مجموعہ (جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا) مسائل فقہ حنفیہ کو محیط ہے اور اس میں ان افکار و آرا کو ضبط تحریر میں لایا گیا ہے جن میں حنفی فقہ کی توضیح و وضاحت ہوتی ہے۔ اس کے مآخذ بھی حنفی فقہ پر مشتمل ہیں اور تمام مسائل اسی کی روشنی میں بیان کیے گئے ہیں۔ کیونکہ اُس دَور میں یہاں حنفی فقہ ہی مروّج تھی اور مسلمان معاشرہ کے عوام و خواص اسی کی طرف رجوع کرتے تھے۔

فتاویٰ غیاثیہ کی مقبولیت و مرجعیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ دیار سندھ کے دسویں صدی ہجری کے مشہور فقیہ و امام علامہ محمد جعفر بن علامہ عبدالکریم الشہیر میران بن یعقوب بوبکانی سندھی نے اپنی معروف فقہی تالیف المتانۃ فی مرتبۃ الخزانۃ میں کئی مقامات پر اس کا بطور حوالے کے ذکر کیا ہے اور متعدد فقہی مسائل اس سے اخذ کیے ہیں[1] اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ فتاویٰ جو ساتویں صدی ہجری میں معرض تصنیف میں لایا گیا، دسویں صدی ہجری تک علماء و فقہا میں متداول تھا اور وہ اس سے استفادہ کرتے تھے۔ لیکن افسوس ہے پنجاب یونیورسٹی کا جو مخطوطہ ہمارے پیش نگاہ ہے، وہ چونکہ ناقص ہے، اس لیے بہت سے مسائل جن کا حوالہ متانہ میں دیا گیا ہے اس میں موجود نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں بھی اس کے حوالے دیے گئے ہیں۔

۸۲ اوراق کے اس ناقص و نامکمل مخطوطے میں جو مسائل بیان کیے گئے ہیں ان میں سے چند مسائل ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

فاسق و مبتدع کی امامت میں نماز

مصنف نے ایک فصل کے تحت ایک عنوان قائم کیا ہے "فی الامامۃ والاقتداء الصلوٰۃ خلف اہل الفسق والبدعۃ" اس میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ مبتدع اور فاسق کی امامت میں نماز ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں۔ مصنف کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ ادا کی

---

[1] المتانۃ فی مرتبۃ الخزانۃ سندھی ادبی بورڈ کراچی کی طرف سے شائع ہو چکی ہے اور یہ کتاب فقہی مسائل کا مجموعہ ہے۔

Marfat.com

جاسکتی ہے۔ اس ضمن میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ مصنف کے الفاظ یہ ہیں :۔

اذا صلی خلف فاسق او مبتدع وھو ممن یجوز الصلوۃ خلفہ فانہ ینال فضل الجماعۃ لقولہ علیہ السلام صلوا خلف کل بر وفاجر[اھ]..

یعنی کوئی شخص فاسق اور اہل بدعت کی امامت میں نماز پڑھے (تو اس میں کوئی حرج نہیں) وہ جماعت کی فضیلت کو پائے گا۔ ایسا امام ان لوگوں میں سے ہے جن کی امامت میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ جیساکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

"ہر نیک اور فاجر کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو"

یہ چیز مصنف کی وسعت ظرف کا پتہ دیتی ہے۔ نیز بتاتی ہے کہ وضاحت مسائل میں ارشادات پیغمبر بھی ان کے پیش نگاہ ہیں۔ (اگرچہ ہر جگہ اس کا التزام نہیں کیا گیا)

نماز جمعہ اور اس کی شرائط

نماز جمعہ کہاں پڑھنا چاہیے اور اس کی کیا شرائط ہیں۔ یہ فقہ کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ فقہائے حنفیہ کے نزدیک جمعہ کی ادائیگی چند شرائط کے ساتھ مشروط ہے۔ "جمعہ فی القریٰ" ان کے نزدیک جائز نہیں۔ وہ نماز جمعہ کو شہر اور مصر کے ساتھ وابستہ کرتے ہیں اور پھر یہ وضاحت کرتے ہیں کہ شہر کیا ہوتا ہے اور مصر کی تعریف کیا ہے اور اس کا اطلاق کس مقام پر کیا جاسکتا ہے۔ "باب الجمعۃ وشرائطہا" میں مصنف شہیر فقہ حنفی کی ترجمانی کرتے ہوئے امام سرخسی کے حوالے سے لکھتے ہیں :۔

قال شمس الائمۃ السرخسی ظاہر المذہب ان المصر الجامع ما فیہ جماعات الناس واسواق التجارات وسلطان او قاضی یقیم الحدود وینفذ الاحکام ای یقدر علی ذلک ویکون فیہ مفتی۔ ان لم یکن القاضی والسلطان بنفسہ مفتی۔ اذا وقع الشک فی وجود تحققہ ینبغی لاھلہ ان یصلوا بعد الجمعۃ اربعا بنیۃ الظہر[۵۲]

---

[۵۱] ورق ۲۳ ؛ [۵۲] ص ۳۲

یعنی شمس الائمہ سرخسی فرماتے ہیں، ظاہر مذہب کی رو سے مصر جامع وہ ہے جس میں لوگوں کا ہجوم آباد ہو۔ مختلف چیزوں کی تجارت کے بازار ہوں اور سلطان، یا قاضی ہو، جو حدود قائم کرتا اور احکام کا نفاذ کرتا ہو یعنی وہ حدود قائم کرنے اور احکام کے اجراء وتنفیذ پر قادر ہو۔ نیز اس میں مفتی متعین ہو۔ اگر قاضی نہ ہو تو خود سلطان کی حیثیت مفتی کی سی ہے۔ اگر ان شرائط کا وجود ثبوت و تحقق ہونے میں شک پیدا ہو جائے تو وہاں کے رہنے والوں کو چاہیے کہ جمعہ کے بعد ظہر کی نیت کر کے چار رکعت نماز پڑھ لیں۔

مصنف کی عبارت کا مطلب ظاہر ہے۔ وہ یہ فرما رہے ہیں کہ جس شہر میں یہ شرائط نہ پائی جاتی ہوں، اس میں جمعہ نہیں پڑھنا چاہیے اور اگر پڑھ لیا گیا اور بعد میں شک پڑ گیا کہ یہ شہر ان شرائط سے محروم ہے تو سمجھ لیجیے جمعہ نہیں ہوا۔ نمازیوں کو چاہیے ظہر کی نماز ادا کریں۔

مسائل میں حالات کی رعایت

مصنف علام نے جس دور میں یہ کتاب تصنیف کی وہ عالم اسلامی کے لیے بدر ہر صورت کرب و آلام کا دور تھا۔ تاتاریوں نے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ ہر سو فتنہ و فساد پھیلا ہوا تھا۔ راستے منقطع ہو چکے تھے اور مسلمانوں کے لیے حج کا سفر انتہائی مشکل ہو گیا تھا چنانچہ کتاب الحج کے ضمن میں مسائل حج بیان کرتے ہوئے مصنف نے اپنے گرد و پیش کے حالات کو بھی ملحوظ خاطر رکھا ہے اور مشائخ بلخ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

قال جماعۃ من مشائخ بلخ ان الحج لیس بفریضۃ فی زماننا[1]

یعنی مشائخ بلخ کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ ہمارے زمانے میں حج فرض نہیں رہا۔

وجوب حج کی شرائط میں راستوں کا امن بھی شامل ہے۔

مصنف فتاویٰ حج کے سلسلے میں دیگر شرائط کے ساتھ راستوں کے امن و حفاظت کو بھی وجوب حج کے لیے ضروری شرط قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

---

[1] ورق ۴۶۔

Marfat.com

وفی الجملۃ امن الطریق من شرائط الوجوب بلا خلاف وخوف الطریق کعدم الزاد والراحلۃ، فالمختار ما قال الفقیہ ابو اللیث ان الامن فی الطریق اذا کان غالبا یجب والا فھو ساقط[1]

یعنی فی الجملہ بلا کسی اختلاف کے (حج کے) شرائط وجوب میں سے راستوں کا محفوظ وماموں ہونا ہے۔ راستے کے خوف وخطر کی حیثیت بالکل وہی ہے جو زادِ راہ اور سواری کے فقدان کی ہے۔ اس باب میں پسندیدہ بات وہی ہے، جو فقیہ ابو اللیث نے کہی کہ جب راستے کے امن وامان کا پہلو زیادہ غالب ہو تو حج واجب ہوتا ہے۔ ورنہ اس کا وجوب ساقط ہو جاتا ہے۔

حج ثانی کے بارے میں

ایک مرتبہ انسان اگر فریضۂ حج سے سبکدوش ہو جائے تو دوسری مرتبہ (حج نفل) ادا کرنے کے بارے میں مصنف کی رائے یہ ہے کہ حج کے بجائے اتنی رقم صدقہ میں ادا کرنا زیادہ بہتر ہے۔ مصنف لکھتے ہیں:

من حج مرۃ فاراد ان یحج اخری فالمختار ان الصدقۃ افضل لان نفعھا متعد بخلاف الحج[2]

یعنی جو شخص ایک دفعہ فریضۂ حج ادا کر چکا ہو اور دوسری دفعہ ارادہ رکھتا ہو تو اس سلسلے میں مذہب مختار یہ ہے کہ وہی رقم مستحقین کو صدقہ کے طور پر دینا حج ثانی کی نسبت زیادہ افضلیت کا باعث ہے اور زیادہ اجر وثواب کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

سواری پہ حج کو جانا زیادہ افضل ہے یا پیدل؟

یہاں مصنفِ فتاویٰ نے یہ بات بھی بیان کی ہے کہ سواری پہ حج کے لیے جانا زیادہ باعث فضیلت ہے یا دیارِ محبوب کو پیدل چل کر جانا اپنے اندر زیادہ اجر وثواب کی مقدار لیے ہوئے ہے۔ مصنف فرماتے ہیں۔ پیدل کی نسبت سواری پر حج

---

[1] ورق ۴۶
[2] ورق ۴۶

جانے میں زیادہ افضلیت پنہاں ہے۔ کیونکہ طویل اور دشوار گزار پا پیادہ سفر میں مسافر دیارِ رسول ؐ کو اس قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ بسا اوقات اس کے خلق اور صحت جسم میں کئی نوع کی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور خطرناک بیماریاں ابھر آتی ہیں۔ مصنف کے الفاظ یہ ہیں:-

الحج راکبًا افضل من المشی کیلا یسوء خلقہ بالجہد[1]

سواری پر حج کو جانا پا پیادہ جانے سے زیادہ باعثِ فضیلت ہے تاکہ سفر کی مشقت و صعوبت سے اس کے جسم میں کسی قسم کی بیماری اور نقص کے آثار نہ پیدا ہوں۔

طلاق کے سلسلے میں ایک دلچسپ نکتہ

فتاویٰ غیاثیہ کے فاضل مصنف نے ایک مقام پر طلاق کے بارے میں ایک دلچسپ نکتہ پیدا کیا ہے فرماتے ہیں:

رجل قال لامرأتہ تلاق۔ ھھنا خمسۃ الفاظ تلاق وتلاغ وطلاغ وتلاک وطلاک عن الامام ابی بکر محمد بن الفضل ماکان یعنی فی الالفاظ الخمسۃ انہ یقع وان تعمد وقصد ان لا یقع لا یصدق قضاءً صدق دیانۃً[2]

یعنی ایک شخص اپنی بیوی کے لیے تلاق کا لفظ زبان سے ادا کرتا ہے۔ یہاں اس قسم کے پانچ الفاظ ہیں: تلاق، تلاغ، طلاغ، تلاک اور طلاک۔ امام ابوبکر محمد بن فضل کہتے ہیں۔ ان پانچ میں اس کی مراد اگرچہ کچھ ہو، طلاق واقع ہو جائے گی۔ لیکن اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ طلاق نہ پڑے تو اس کی تصدیق قضائے قاضی سے نہیں ہوگی بلکہ اس کی دیانت سے ہوگی۔

مطلب یہ کہ اس کا ضمیر اور دیانت ہی اصل حقیقت سے پردہ اٹھائیں گے۔ اس کے ساتھ ہی مصنف لکھتے ہیں۔ اگر اس لفظ کے تلفظ کے بارے میں جھگڑا

---

[1] ورق ۴۶ [2] ورق ۵۳

Marfat.com

پیدا ہو جائے تو ہم دیکھیں گے یہ لفظ بولنے والا کون ہے۔ عالم ہے یا جاہل؟ اگر عالم ہے اور الفاظ کے فرق کو جانتا ہے اور اس نے کسی وجہ سے بیوی کو ڈرانے اور خوف زدہ کرنے کے لیے تلاق یا طلاک کا لفظ زبان سے نکالا ہے تو طلاق واقع نہیں ہو گی۔ پھر یہ بھی دیکھا جائے گا، کہ قائل عجمی ہے یا عربی۔ اگر عربی ہے اور اسے معلوم ہے کہ حرف کے مخرج سے معنی بدل جاتا ہے تو بھی طلاق واقع نہیں ہو گی۔

کافر اور مظلوم

باب الاستحسان والکراہیتہ کی فصل اوّل کی مد نوع فی الدعاء، میں مصنف نے اس بات پر بحث کی ہے۔

الکافر اذا دعا اللہ اختلفوا فیہ انہ ھل یقال انہ دعاءہ یستجاب [1]

یعنی کافر کسی سلسلے میں اللہ سے دعا مانگے تو فقہا کے نزدیک اس میں اختلاف ہے کہ کیا اس کے لیے یہ لفظ کہا جائے گا کہ اس کی دعا قبول کی گئی۔؟

مصنف کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ قبولیت دعا کا سلسلہ اہل اسلام سے ہے۔ اور دعا اور استجابت دعا دونوں شرعی لفظ ہیں تو کیا فقہی لحاظ سے ان الفاظ کا انتساب کافر کی طرف ہو سکتا ہے یا نہیں؟ مصنف فرماتے ہیں: حدیث میں ہے" ان دعوۃ المظلوم مستجابۃ" (مظلوم کی دعا قبول کی جاتی ہے) یہاں نہ کافر کا لفظ ہے نہ مسلم کا۔ صرف مظلوم کا ہے اور مظلوم کے بارے میں اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں۔ ان کان کافراً یعنی مظلوم اگرچہ کافر ہو اس کی دعا قبول ہو گی۔ مطلب یہ کہ جب مظلوم کا لفظ عام ہے۔ کافر یا مومن کے ساتھ مختص نہیں تو ہر شخص کی دعا کے لیے اللہ کا باب اجابت وا ہے۔ اور اس کے لیے دعا اور استجابت دعا کے لفظ کا اطلاق ہو سکتا ہے۔

قرآن کی تلاوت کرنے والے پر سلام کہنے کے بارے میں

کوئی شخص قرآن کی تلاوت کر رہا ہو تو اس کو سلام کہنا چاہیے یا نہیں؟

مصنف لکھتے ہیں:

---

[1] ورق ۷۸

لا یسلم علی قاری القران لکیلا یشغلہ عنہ[1]

قرآن کی تلاوت کرنے والے کو السلام علیکم نہ کہا جائے تاکہ اس کی توجہ قرآن سے نہ ہٹ جائے اور وہ دوسری طرف مشغول ہو جائے۔

بادشاہ کو سجدہ نہ کیا جائے

مصنف نے باب الاستحسان والکراہیۃ کی فصل ثالث میں ایک نوع کا عنوان قائم کیا ہے "فی ملاقات الملوک" اس میں انھوں نے اس دَور کی درباری بدعات اور غیر اسلامی رسوم دعوائد کی جرأت سے تردید کی ہے اور بادشاہ کے سامنے سجدہ ریز ہونے کی سخت مخالفت کی ہے لکھتے ہیں:

اذا قیل للمسلم اسجد للملک والا قتلناک فالافضل ان لا یسجد لانہ کفر والا فضل ان لا یجتر عما ھو کفر وان کان مکرھا[2]

ترجمہ کسی مسلمان کو اگر کہا جائے کہ بادشاہ کے سامنے سجدہ کرو ورنہ قتل کر دیے جاؤ گے تو افضلیت کا تقاضا یہ ہے کہ سجدہ نہ کرے۔ کیونکہ یہ کفر ہے اور افضل یہ ہے کہ کفر سے احتراز کیا جائے۔ اگرچہ اس کے لیے کتنا ہی مجبور کیا جائے۔

تعظیم سے ہاتھ چومنا

ساتھ ہی فرماتے ہیں،

تقبیل ید العالم والسلطان العادل جائز[3]

عالم کا اور سلطانِ عادل کا احتراماً ہاتھ چومنا جائز ہے۔

امیر کے سامنے کلمہ حق کی اہمیت

اسی باب میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اگر امیر کسی کو اپنے ہاں طلب کرے اور اس انداز کی بات کرے کہ اس کا صحیح اور قرینِ صواب جواب دینے کی صورت میں سزا و عقوبت کا خطرہ لاحق ہو تو کیا کرنا چاہیے۔ مصنف تحریر فرماتے ہیں:-

---

[1] ورق ۷۰ [2] ایضاً [3] ایضاً۔

Marfat.com

یدعوہ الامیر ویسئلہ عن اشیاء فان تکلم بما یوافق الحق ینالہ مکروہ منہ فانہ لاینبغی ان یتکلم بخلاف الحق ولا محل لہ ان یتکلم بما یوافق لہ لقولہ علیہ السلام من تکلم عند ظالم بما یرضیہ بغیر حق یغیر اللہ قلب الظالم علیہ ویسلطہ علیہ۔

یعنی اسے امیر اپنے ہاں بلاتا ہے اور اس قسم کے سوال کرتا ہے کہ اگر صحیح اور درست جواب دے تو اس کی طرف سے شر اور سزا کا خطرہ ہے۔ ایسی صورت میں ضروری ہے کہ خلاف حق کوئی بات زبان سے نہ نکالی جائے اور اس امر کی کوئی گنجائش نہیں کہ وہ (امیر کو خوش کرنے کے لیے) اس کی مرضی کے مطابق بات کرے۔ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جو شخص ظالم کے پاس اس کی مرضی کے مطابق ناحق اور غلط بات کہتا ہے، اللہ (بطور سزا کے) ظالم کے دل کو اس کی طرف سے بدل دے گا اور اس ظالم کو اس پر مسلط کر دے گا۔

بادشاہوں کی خدمت میں حاضری

سلاطین وملوک کے ہاں جانے کے سلسلے میں امام ابواللیث کے حوالے سے لکھتے ہیں:

عن ابی اللیث الحافظ انہ کان یکرہ الدخول علی السلاطین و یفتی بذلک[1]

یعنی امام ابواللیث سلاطین کے ہاں جانے کو برا سمجھتے تھے اور یہی فتوی دیتے تھے۔

احتیاط اور افضلیت

مصنف بڑے محتاط بزرگ ہیں۔ فرماتے ہیں۔ احتیاط اور افضلیت کا تقاضا یہ ہے کہ جنگل کے درختوں سے آندھی یا بارش کی وجہ سے جو پھل گرتا ہے وہ نہ کھایا جائے اور نہ راستے سے مٹی اکھاڑی جائے۔ نہ راستہ چلتے ہوئے ادھر ادھر دیکھا جائے[2]

---

[1] ورق ۷۹

[2] ورق ۸۰۔

Marfat.com

مقروض سے تحفہ قبول کرنے کے بارے میں

مقروض سے تحفہ وغیرہ قبول کرنا چاہیے یا نہیں۔ فرماتے ہیں :-

المستقرض اذا اھدی فالافضل ان لا یقبل اذا کان شیئاً لا یھدی من قبل[1]

یعنی قرضخواہ کے لیے افضلیت اسی میں ہے کہ اسے (مقروض کی طرف سے تحفہ پیش کیا جائے تو قبول نہ کرے۔ جبکہ قبل ازیں اسے کوئی تحفہ نہیں پیش کیا جاتا تھا۔

مصنف کا مطلب یہ ہے کہ اگر قرض سے پہلے قرضخواہ اور مقروض کے درمیان تحائف کے باہمی مبادلہ کا سلسلہ جاری تھا تو تحفہ قبول کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر قرض لینے کے بعد ہی تحفہ پیش کیا گیا ہے تو قبول نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ تحفہ سود کی تعریف میں آئے گا اور سود ہر صورت اور ہر شکل میں حرام ہے۔

بیت المال کے سلسلے میں

فتاویٰ غیاثیہ کے مصنف نے "بیت المال ومصارفہ" میں دیگر امور کے ساتھ اس بات کو بھی موضوع بحث ٹھہرایا ہے کہ بیت المال کی حفاظت کتنی ضروری ہے اور مسلمانوں کے اس اجتماعی خزانے سے کن لوگوں کی خدمت کی جا سکتی ہے اور یہ روپیہ معاشرہ کے کن افراد پر خرچ کرنا چاہیے اور پھر کس قسم کے لوگوں کو اس سے کوئی چیز دینا ممنوع ہے۔ لکھا ہے :

لیس للاغنیاء فی بیت المال نصیب ھو المختار الا ان یکون عالما فرغ نفسہ لتعلیم الناس القرآن والفقہ او یکون قاضیا او مفتیا وقد صح ان علیا رضی اللہ عنہ اعطی فقہاء حملۃ القرآن منہ ومقدار ما یصرف الی مصرف مفوض الی اجتہاد الوالی۔

یعنی مذہب مختار یہ ہے کہ بیت المال میں اغنیا کا کوئی حصہ نہیں۔ البتہ اس سے کچھ لوگ مستثنیٰ ہوں گے۔ (۱) ایک وہ عالم دین جس نے (دنیا کے تمام کام ترک کر کے) خود کو لوگوں میں قرآن اور فقہ کی تعلیم پھیلانے کے لیے فارغ

---

[1] ورق ۸۰۔

Marfat.com

کر لیا ہو (دوسرے) جو شخص قاضی یا مفتی ہو۔ کیونکہ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حفاظِ قرآن فقہا کو بیت المال سے رقوم عطا کیں۔ اب سوال یہ ہے ان میں سے ہر شخص کی (بیت المال سے) کس مقدار سے مدد کی جائے گی؟ اس فیصلے کا انحصار والی کے اجتہاد پر ہے (وہ جتنی رقم مناسب سمجھے دے دے۔)

پیشگی اُجرت

مسائلِ فقہ میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے کام کی پیشگی اُجرت لے سکتا ہے یا نہیں۔؟ مصنف نے اس سلسلے میں اسی باب میں لکھا ہے کہ لے سکتا ہے لیکن افضل یہ ہے کہ نہ لے۔ مصنف فرماتے ہیں:

اذا استعجل المصدق عمالته والقاضی رزقه قبل الوجوب، ان رأی الامام ان یعطیه جاز لکن الافضل ان لا یأخذ لانه لا یدری ایعیش الی الوقت الوجوب ام لا۔

یعنی اگر صدقہ جمع کرنے والا اپنی اُجرت اور قاضی اپنی تنخواہ پورے دن گزرنے اور واجب و متعلق ہونے سے پہلے پیشگی طلب کرے تو اس معاملے کا تعلق امام سے ہے۔ اگر وہ دے دے تو اس کا یہ عمل جائز گردانا جائے گا، لیکن افضل یہ ہے کہ وہ شخص پیشگی اجرت نہ لے، کیونکہ وہ یہ نہیں جانتا کہ اُجرت واجب ہونے تک وہ زندہ بھی رہے گا، یا نہیں۔؟

پیشگی اُجرت کے سلسلے میں فقہا نے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے ایک واقعہ کو بطور دلیل کے ذکر کیا ہے۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ ان کے ایک بیٹے کے کپڑے پھٹ چکے تھے اور وہ یہی کپڑے پہن کر حصولِ تعلیم کے لیے مکتب جاتا تھا۔ اس کے ہم درس اس کا مذاق اڑاتے تھے کیونکہ وہ امیر المومنین کے بیٹے کو اس قسم کے لباس میں دیکھنے کے عادی نہ تھے بیٹا باپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور نئے کپڑوں کا مطالبہ کیا۔ باپ کے پاس اتنے پیسے نہ تھے کہ بیٹے کا مطالبہ پورا کر سکتا۔ انھوں نے بیت المال کے خازن کی طرف رجوع کیا

اور لکھا کہ میری تنخواہ کے حساب میں سے کچھ رقم پیشگی دی جائے تاکہ میں اپنے بیٹے کے لیے نئے کپڑے مہیا کرسکوں۔ خازن نے امیرالمومنین کے مکتوب کا جواب ان الفاظ میں دیا:

انا کنا نعمل لکم ما دمتم تامروننا بالطاعة، فاذا امرتمونا بالجور فانا لا نعمل لکم، ثم انک ان ضمنت لی نفسک بان تعیش وتعمل للمسلمین الی راس الشهر وجهت الیک ما سالت۔

یعنی جب تک آپ ہمیں حکم دیتے رہیں گے ہم اطاعت کرتے رہیں گے لیکن جب آپ ہمیں ظلم و جور کا حکم دیں گے تو ہم نہیں مانیں گے (اب آپ کے مدعا کا جواب یہ ہے کہ) اگر آپ مجھے ضمانت دیں کہ مہینہ ختم ہونے تک زندہ رہیں گے اور مسلمانوں کی (اسی طرح) خدمت کرتے رہیں گے تو جو کچھ آپ نے مانگا ہے، میں دینے کو تیار ہوں۔

خازن کا یہ مکتوب امیرالمومنین نے پڑھا تو بیٹے سے کہا:

یبنی اذهب مع خلقانک، وان عیرک الصبیان فان اباک لا یقدر علی جدید ثیابک۔

اے بیٹے! اپنے انہی پھٹے پرانے کپڑوں میں جاؤ۔ اگر لڑکے تم پر طعنہ زنی کرتے اور تمہارا مذاق اڑاتے ہیں تو یاد رکھو، تمہارا باپ تمہیں نئے کپڑے مہیا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔

اس سے فقہا نے استدلال کیا ہے کہ پیشگی رقم نہ لینا اولیٰ ہے لیکن اگر شدید ضرورت ہو تو کوئی حرج بھی نہیں!

کیا ہاشمی سید مالِ زکوٰۃ قبول کرسکتا ہے؟

باب ادا الزکوٰۃ میں مصنف نے زکوٰۃ وصدقہ کے مسائل بیان کیے ہیں جن میں ایک یہ ہے کہ ہاشمی سادات کے خاندان کا کوئی فرد مال زکوٰۃ قبول کرسکتا ہے یا نہیں؟ مصنف تحریر فرماتے ہیں:۔

ویکره للهاشمی عند ابی یوسف خلافا لمحمد وروی ابو عصمة، عن

ابی حنیفۃ رح انہ یجوز دفع الزکوٰۃ الی الھاشمی وانما کان لا یجوز فی ذلک الوقت۔

امام ابو یوسف کے نزدیک ہاشمی کے لیے زکوٰۃ قبول کرنا مکروہ ہے۔ لیکن امام محمد اس کے خلاف ہیں (وہ کہتے ہیں، ہاشمی زکوٰۃ قبول کرسکتا ہے) ابو عصمہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ ہاشمی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ اس کا عدم جواز اُسی زمانے کے لیے مخصوص تھا۔ (اب کراہت کا یہ حکم باقی نہیں رہا۔)

صدقۂ فطر

باب صدقۃ الفطر میں مصنف فتاوٰی نے اس موضوع سے متعلق کچھ تفصیلات بیان کی ہیں اور لکھا ہے کہ صدقۂ فطر عید کے روز نماز فجر کے بعد سے لے کر نماز عید پڑھنے سے پہلے ادا کردینا چاہیے، تاکہ اس سے مساکین و مستحقین فائدہ اٹھا سکیں اور عام مسلمانوں کے ساتھ عید کی خوشیوں میں شامل ہوسکیں۔ صحیح مسئلہ بھی یہی ہے اور اس پر سب لوگ عمل پیرا ہیں لیکن اس ضمن میں دیگر محدثین و فقہا کی طرح مصنف کے سامنے ایک اور نقطۂ نظر بھی ہے اور متعدد ذرائع شرعی سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اور وہ یہ کہ اگر صدقۂ فطر عید کے روز ہی ادا کیا جائے تو اس سے غربا اور مساکین زیادہ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ کیونکہ وہ اس مختصر وقت میں نہ کپڑے خرید سکتے ہیں، نہ ضروری سامان مہیا کرسکتے ہیں اور نہ عام مسلمانوں کی خوشی میں شریک ہوسکتے ہیں۔ اس لیے اگر عید سے کچھ روز پہلے ہی صدقۂ فطر ادا کردیا جائے تو شریعت کا منشا بطریق احسن پورا ہوسکے گا، کیونکہ وہ عید تک اس رقم سے اپنی ضروریات بآسانی خرید سکتے ہیں۔ چنانچہ مصنف لکھتے ہیں:

یجوز تعجیلھا اذا دخل شھر رمضان وھو اختیار الشیخ الامام ابی بکر محمد بن الفضل وعلیہ الفتوی۔

یعنی ماہ رمضان شروع ہوتے ہی صدقۃ الفطر ادا کردینا جائز ہے اور شیخ امام ابوبکر محمد بن فضل کے نزدیک یہی پسندیدہ ہے اور یہی مفتیٰ بہا ہے۔

Marfat.com

اقرارِ جرم میں الفاظ کا استعمال

فقہانے اقرارِ جرم کے سلسلے میں اصل اہمیت ملزم کے الفاظ کو دی ہے اور اس کے الفاظ ہی کو فیصلے کا دار و مدار قرار دیا ہے۔ فتاوی غیاثیہ کے مصنف کتاب السرقہ میں لکھتے ہیں جو شخص چوری کے الزام میں قاضی کے سامنے پیش ہوتا ہے اسے اسی صورت میں سزا دی جائے گی جب وہ مالِ مسروقہ کا نام لے کر کہے کہ میں نے یہ مال چوری کیا ہے انا سارق ھذا الثوب (میں اس کپڑے کا چور ہوں) لیکن اگر وہ صرف یہ کہتا ہے میں چور ہوں (انا سارق) اور مالِ مسروقہ کا نام نہیں لیتا وہ قابلِ سزا نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ انا سارق کہہ کر محض ایک سرقہ کا ذکر کرتا ہے جس کا وہ تعین نہیں کرتا۔ اس سے وہ قابلِ گرفت اور قابلِ سزا نہ ہوگا۔

ساتھ ہی لکھتے ہیں۔ اگر سارق پہلے تو سرقہ کا اقرار کرتا ہے پھر انکار کر دیتا ہے اور اس کے بعد پھر اقرار کر لیتا ہے تو اس صورت میں اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ بلکہ جتنا مال چوری ہوا ہے اس سے اتنی قیمت لی جائے گی۔ کیونکہ اس نے پہلے اقرار کر کے، پھر انکار کر کے، اور پھر اقرار کر کے قاضی کو شک میں ڈال دیا ہے اور شک کا فائدہ بہرحال ملزم کو پہنچے گا۔

اقرارِ جرم کے بارے میں

حدود کی فصل میں مصنف نے اس مسئلے کو موضوع بحث ٹھہرایا ہے کہ کس جرم پر کیا سزا دی جائے گی اور یہ کہ جرم کا اقرار کس کے سامنے قابلِ مواخذہ اور لائقِ عقوبت ہوگا۔ فرماتے ہیں:

واقرارہ عند غیر القاضی لیس بشئ۔

یعنی قاضی کے علاوہ جرم کا اقرار اگرچہ کسی کے سامنے بھی کیا جائے، کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

فقہی لحاظ سے مصنف کے نزدیک کسی الزام کے فیصلے کی اصل جگہ قاضی کی عدالت ہے جو اقرار قاضی کے سامنے کیا جائے گا، وہی صحیح اور قابلِ اعتماد ہوگا۔ اس کے علاوہ

Marfat.com

خواہ کسی جگہ جرم کا اقرار کیا جائے قابلِ گرفت نہ ہوگا

لا الٰہ الا اللہ کہنے سے مریض کا انکار

فقہائے عظام نے تمام معاملات میں مریض اور تندرست کی ذہنی اور جسمانی غور و فکر کی کیفیتوں کے تفاوت کو ملحوظ خاطر رکھا ہے اور بعض بنیادی اہمیت کے مسائل میں بھی ان دونوں کو ایک ہی سطح پر لانے سے صاف انکار کیا ہے۔ مثلاً الفاظِ کفر کی بحث میں مصنف فرماتے ہیں:

اذا قیل للمریض قل لا الٰہ الا اللہ فقال لا اقول لا یکفر۔

اگر مریض سے کہا جائے کہ لا الٰہ الا اللہ کہو اور وہ جواب دے کہ میں نہیں کہتا تو انکار کی وجہ سے اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

مطلب یہ کہ مریض پر مختلف اوقات میں مختلف کیفیتیں طاری ہوتی ہیں۔ معلوم نہیں وہ کس وقت کس کیفیت میں ہو، لہٰذا اس کا کلمۂ توحید پڑھنے سے انکار شرعی نقطۂ نگاہ سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ یہ بات مصنف فتاویٰ کی وسعتِ قلب اور انسانی نفسیات کو سمجھنے کی دلیل ہے۔ اسی لیے منقول ہے کہ کوئی شخص مرض الموت میں مبتلا ہو تو اس سے یہ نہیں کہنا چاہیے کہ کلمۂ شہادت پڑھو۔ بلکہ اس کے سامنے خود کلمۂ شہادت پڑھنا چاہیے کیا معلوم وہ اس وقت کس کیفیت سے دوچار ہو اور انکار کر دے تو لوگوں پہ کیا اثر مترتب ہو۔

استعمال الفاظ میں احتیاط کی تاکید

اس ضمن میں فتاویٰ کے مصنف، علام نے یہ بھی تاکید کی ہے کہ الفاظ کے استعمال میں حد درجہ احتیاط سے کام لیا جائے اور کوئی ایسی بات زبان سے نہ نکالی جائے جس سے دوسرے کی دل شکنی ہوتی ہو یا اسے ذہنی اذیت پہنچنے کا احتمال ہو۔ کسی کو کافر کہنا اور اس کے اسلام اور ایمان میں شک کرنا مصنف کے نزدیک انتہائی غلط ہے۔ اس سے زبان کو محفوظ رکھنا چاہیے۔ مصنف لکھتے ہیں:

نہ "الالفظ الشنیع" زبان سے نکالنا چاہیے، اور نہ وہ لفظ نکالنا چاہیے جو "تشبیہ بالشنیع" ہو

لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیقل خیرا او لیصمت۔

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے یا تو اچھی بات زبان سے نکالنا چاہیے، یا خاموش رہنا چاہیے۔

حالتِ سفر میں مرنے والے کا مال

مصنف نے "لقطہ" کی فصل میں بعض عجیب باتیں بیان کی ہیں۔ لکھتے ہیں:۔

غریب مات فی دار رجل ولیس لہ وارث معروف وخلف مالا یساوی خمسۃ دراھم وصاحب الدار فقیر فلہ ان یتصدق بھا علی نفسہ لانہ بمنزلۃ اللقطۃ۔

یعنی ایک شخص حالتِ سفر میں ایک شخص کے گھر میں وفات پا گیا۔ اس کا کوئی وارث نہیں ہے۔ اس نے پانچ درہموں کے برابر مال چھوڑا ہے اور گھر کا مالک (جہاں وہ فوت ہوا ہے) تنگ دست ہے۔ اب گھر کے مالک کو چاہیے کہ اس مال کو بطور صدقہ کے اپنے پاس رکھ لے، اس لیے کہ وہ مال لقطے کے حکم میں ہے

مصنف کا مطلب یہ ہے کہ متوفی تھوڑا بہت مال کسی اجنبی کے گھر چھوڑ کر مر جائے تو صاحب خانہ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ گھر کا مالک اگر تنگدست ہے تو اس مال کو اپنے آپ پر صدقہ سمجھ کر خرچ کر سکتا ہے، کیونکہ اس مال کی حیثیت "لقطہ" کی سی ہے اور لقطہ اس مال کو کہتے ہیں جو زمین پر پڑا ہوا کسی کو مل جائے۔

دعا کے بارے میں

مصنف نے دعا کی فصل میں دعا مانگنے کے طریقے اور آداب ذکر کیے ہیں اور لکھا ہے کہ اللہ کے حضور صاف دل لے کر آنا چاہیے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر احضار قلب اور کامل طور پر توجہ الی اللہ نہ ہو سکے تو دعا مانگنے سے گریز کر لیا جائے۔ اللہ سے دعا ہر حال مانگنی چاہیے۔ دل کی کیفیت اگرچہ کچھ بھی ہو۔ اس ضمن میں مصنف کے الفاظ یہ ہیں:

رجل یرید ان یدعو وھو ساھی القلب ولا یمکنہ احضار القلب فالدعاء افضل من ترکہ۔

Marfat.com

یعنی ایک شخص اللہ سے دعا مانگتا ہے اور اس کا دل غفلت و بے پرواہی کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے اور باوجود کوشش کے، حضور قلب اس کے لیے ممکن نہیں اس کے لیے دعا مانگنا، دعا نہ مانگنے سے افضل ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے، مصنف عام لوگوں کی قلبی کیفیت سے آگاہ ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ ہر شخص کے لیے دعا کے وقت اپنے دل اور ذہن کو حاضر رکھنا ممکن نہیں۔ بہت سے لوگ یہ سمجھ کر دعا مانگنا ہی ترک کر دیتے ہیں کہ جب اس کے آداب ہی پورے نہیں ہو سکتے تو خالی مانگنے سے کیا فائدہ۔؟ مصنف نے ایسے لوگوں کی دلجوئی کرنے کی سعی کی ہے اور انھیں ڈھارس بندھائی ہے اور بتایا ہے کہ اللہ کے حضور (اگرچہ دل کی کسی کیفیت سے ہو) نہ مانگنے سے مانگنا افضلیت کا درجہ رکھتا ہے۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مصنف محض زاہد خشک نہیں۔ وہ گنہگاروں کو ہر حال میں پُرامید رکھنا چاہتے ہیں۔

گداگر کے سلام کا جواب

فصل فی السلام والمصافحۃ میں مصنف فتاویٰ نے اس موضوع سے متعلق کچھ تفصیلات بیان کی ہیں اور لکھا ہے کہ سلام کہنا اور اس کا جواب دینا سنت ہے لیکن ہر شخص کے سلام کا جواب دینا ضروری نہیں۔ مثلاً لکھتے ہیں:

السائل علی الباب اذا سلم لا یجب ردہ لانہ شعار السوال لا التحیۃ۔

گداگر دروازے پر آکر سلام کہے تو اس کے سلام کا جواب دینا ضروری نہیں اس لیے کہ یہ سلام تو سوال کا شعار ہے نہ کہ تحفہ اور ہدیہ کا!

یعنی سلام تو ایک دوسرے سے بہترین الفاظ کی صورت میں تحائف و ہدایا کے مبادلہ سے تعبیر ہے۔ ظاہر ہے گداگر اور سائل اس ذہن کے حامل نہیں ہوتے ان کا سلام اپنے اندر مانگنے کا مفہوم رکھتا ہے جس سے شریعت کو کوئی تعلق نہیں اس لیے اگر ایسے سلام کا جواب نہ بھی دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔

الفتاویٰ الغیاثیہ اس قسم کے بہت سے مسائل کو محیط ہے اور اپنے دَور کی ایک بہترین فقہی کاوش

(۲)

فتاویٰ قراخانی

جلال الدین فیروز خلجی کے عہد کا ایک فقہی مخطوطہ

فتاویٰ قراخانی ایک فقہی مخطوطہ ہے جو مسائل فقہیہ احناف پر مشتمل ہے اور فارسی زبان میں ہے۔ اس کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے شیرانی کلکشن میں ہے۔ جس کا نمبر ۸۲۸۲/ ۵۳۷۴ ہے۔ یہ نسخہ اس وقت ہمارے پیش نگاہ ہے۔ جیسا کہ اس کے آغاز میں بتایا گیا ہے یہ مولانا امام ہمام صدر الملت والدین یعقوب مظفر کرامی (یا کرمانی) کا تصنیف کردہ ہے۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا یہ مخطوطہ ۳۶۴ اوراق پر مشتمل ہے۔ اس کا سائز ۶ + ۱۰ہے اور ۱۳ سے ۲۳ تک سطور ہیں۔ آخری ورق پر اس مخطوطہ کے کاتب کا نام اسماعیل عماد قاسم احمد قریشی مرقوم ہے، جو بوقت ظہر، بدھ کے روز یکم محرم ۹۳۶ھ کو اس کی کتابت سے فارغ ہوا۔ صفحہ اول پر اس مخطوطہ کا نام "فتاویٰ قرآن خوانی" تحریر کیا گیا ہے۔

مخطوطہ میں جہاں حرف "س" آیا ہے اس دور کی کتابت کے رواج کے مطابق اس کے نیچے تین نقطے ڈالے گئے ہیں۔ اسی طرح "گ" کو "ک" اور "چ" کو "ج" لکھا ہے۔

فتاویٰ قراخانی شروع سے آخر تک جواب و سوال کی صورت میں ہے۔ سوال کے لیے مصنف نے لفظ "استفتاء" استعمال کیا ہے۔ یعنی مصنف جس مسئلہ کو زیر بحث لاتے ہیں، عنوان قائم کرکے پہلے اس کے بارے میں بصورت "استفتا" ایک سوال اٹھاتے ہیں۔ پھر اس کا جواب دیتے ہیں۔ جواب فقہ حنفی کی مختلف کتابوں کے حوالے سے دیے گئے ہیں۔ اصل کتاب فارسی میں ہے لیکن مسئلہ زیر بحث سے متعلق جس کتاب کا حوالہ دینا مقصود ہو اس کی اصل عبارت (عربی ہو یا فارسی) درج کرتے ہیں۔

Marfat.com

فہرست مضامین

مخطوطہ کے مندرجات و مشمولات کی فہرست یہ ہے:۔

کتاب الطہارات
باب فی الغسل
فصل فی الماء المستعمل
فصل فی مسائل شتیٰ
فصل الآبار
باب المسح
باب التیمم
کتاب الصلوٰۃ
باب الاذان
باب صفۃ الصلوٰۃ
باب (ما) یفسد الصلوٰۃ[1]
باب سجدۃ التلاوۃ
باب العیدین
باب الجمعۃ
باب التراویح
باب الجنائز
باب صلوٰۃ المسافر
کتاب الزکوٰۃ
باب صدقۃ الفطر
باب الصوم
کتاب الاعتکاف
باب الحج
باب الفاظ الکفر
باب النکاح
باب المہر
باب حرمۃ المصاھرۃ
باب نکاح اھل الشرک
باب الرضاع
کتاب الطلاق
باب الاستفسار۔ باب ایقاع الطلاق
فصل فی التوکیل فی الطلاق۔
باب مافیہا بجعل بید الطلاق (اس کے بعد کتاب میں باب الخلع ہے لیکن فہرست میں نہیں ہے)
باب العدۃ
باب الاعتاق
باب المکاتب
فصل فی العبد
باب الحضانۃ
باب النفقات
کتاب الایمان

---

[1] "ما یفسد الصلوٰۃ ہونا چاہیے کتاب میں "ما" کا لفظ نہیں ہے۔

باب الیمین فی السکنیٰ، | کتاب السیر والبغاۃ۔
باب الیمین فی الدخول | کتاب اللقیط
فصل الیمین فی الخروج | کتاب اللقطۃ
کتاب الحدود | کتاب المفقود
باب الوطی | کتاب الجزیۃ والخراج
باب التعزیر | کتاب الاباق
باب السرقۃ | باب الشرکۃ۔ باب الوقف،

آغاز

کتاب کا آغاز اس تمہید سے ہوتا ہے۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حمد وسپاس وثنائے بے[1] قیاس مر علیم مطلق وکیل[2] برحق تقدست اسماءہ وتعالیٰ کبریاءہ، راکہ قوام دین مسلمانی[3] وثبات ملت یمانی[4] بر بیان علماء دین دار وفتوی فقہاء شرع شعار منوط ومربوط گردانید وبقائے عالم ومقام نسل بنی آدم باظہار حلال وحرام واشاعت شرائع واحکام متعلق[5] کرد وتحف صلوٰت نامیہ وطرف تحیات زاکیہ بر نگینہ خاتم رسالت وطراز کسوت جلالت محمد مصطفیٰ علیہ افضل الصلوٰت واکمل التحیات کہ مبین قوانین شریعت ومقرر براہین حکمت بود واطراد اعمال دین ودولت واستقامت امور ملکی وملت بمتابعت افعال واقوال ومشایعت عادات واحوال بازگشت وعزت تسلیمات برآل واصحاب وعترت واحباب اوکہ محیط روایت وینابیع درایت وعیون ہدایت بودہ اند رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

وبعد بر ضمائر جہانیاں وخواطر عالمیان چوں آفتاب روشن است کہ جوامع ہمت و

---

[1] کاتب نے "ثنائے قیاس" لکھا ہے۔ "ثنائے بے قیاس" ہونا چاہیے۔
[2] معلوم ہوتا ہے یہ کتابت کی غلطی ہے "ملیک" ہونا چاہیے۔
[3] مخطوطہ میں "دین مسلما" لکھا ہے "دین مسلمانی" ہونا چاہیے۔
[4] "ثبات ملت یمانی" کے بجائے "ثبات ملت ایمانی" ہونا چاہیے۔
[5] یہ لفظ دراصل "متکلف" ہے۔

Marfat.com

نواعت نہمت خسرو دین دار سلطان شرع شعار محی آثار شریعت ماہی رسوم بدعت مظہر دین مسلمانی معلی معالم ملت ایمانی ناصب رایات ملک داری۔ رافع بنائے شہریاری ناشر صحائف العدل والاحسان، ناسخ رایات الکفر والطغیان الواثق بتائید الرحمٰن ابوالمظفر فیروز شاہ السلطان۔

آنکہ عالم را ز سر آباد کرد | دفع شور و فتنہ و بیداد کرد
ہر کہ از عالم شنید او را نواخت | کارہائے عالماں از زر بساخت
قدر عالم و عالماں چند افزود | کانچناں در ہیچ دور نہ بود [۵۲]

خلد اللہ ملکہ، وسلطنتہ داعلی امرہ وشانہ، در اعلاء اعلام شریعت واظہار آثار سنت وتمہید قواعد دین وتاسیس، معاقد یقین موقوف ومصروف نیست وہموارہ از کمال دین داری ووفور نیکوکاری چناں خواستہ بود کہ جمہور امور ملکی وملت جملگی اعمال دین ودولت بموجب فتویٰ علمائے وافر دیانت واقوال فقہائے متوفر صیانت یا مضاء رسد وعقود مناکحات ومعاملات وجمع وخراج ومحصلات وقطع دعاوی وخصومات واستیفائے حدود وقصاص وایصال حقوق بعام وخاص بنہج شرع محمدی وسنن سنت احمدی جاری گرداند وگرداند وکتب کہ منافع آں بخاص وعام وفوائد آں بکافۂ اہل الاسلام عائد باشد در عہد میمون ونوبت ہمایوں کہ از خیر العہود بادشاہان روئے زمین واحسن القرون خسروان سپہر تمکین است۔ تالیف وتصنیف مے شود وبرحکم الناس علی دین ملوکہم اعیان مملکت وارکان سلطنت بنائے مصالح برا ساس فتوی علمائے دین دار ونعتہائے مرضی آثار مے کند بریں قضیت بندہ درگاہ درگاہ، خد گیان قبول قرآں خواں؟ راچناں معلوم شد کہ مولانا امام ہمام صدر الملت والدین یعقوب مظفر کرامی ذکرہ مانی،

کتاب در فقہ جامع جمیع ابواب واقسام شامل کثیر مسائل واحکام از نود ہشت کتاب [۵۳] شع

---

۵۱ "ماہی" کے بجائے "ماحی" ہونا چاہیے۔
۵۲ ان اشعار کے آگے تین شعر اور ہیں جن کے مصرعہائے ثانی پوری طرح پڑھے نہیں جا سکے۔
۵۳ یہاں کتاب سے کتب مراد ہے۔

Marfat.com

و تصانیف معتمد کہ علمائے متبحرین و فقہائے متقدمین را در صحت آں مجال ددِّ اعتبار آں محل ریب نتواند بود جمع کردہ و روایات صحیح و مختار را کہ اغلب اغراض و مطلوب عموم خلائق و جمہور طوائف بداں تعلق دارد در آں ثبت کردانیدہ و عیون مسائل و صور واقعات بعبارت فارسی در صورت فتویٰ و جواب آوردہ و از رجوع و نادر و ضعیف و غیر صحیح احتراز و اجتناب واجب دیدہ و پیش از انکہ کتاب مذکور از سواد ظلمت بنور بیاض رسد و تنقیح و ترتیب و تصحیح و تہذیب آنجا بدو کتب و الواب بمحل خود استقامت یابد مؤلف کتاب بدار آخرت قرار گرفت و سواد مذکور بدست بعضے از ورثہ افتاد و سالہا باز ایں گنج را در زیر زمین مدفون می داشتند و بدیں سبب کتاب مذکور چوں شریعت منسوخہ و تقویم پارینہ مہجور و متروک ماندہ بود و ہیچ کس از فوائد ایں کتاب محفوظ[1] و بہرہ مند نمی شد بندہ درگاہ بلطف حسن و احسان در پیچ شریعت از ورثہ مولانا مرحوم بیروں آورد و از حیز تکمن و ضیاع در معرض فائدہ و انتفاع رسانیدہ و طبقہ علماء و زمرۂ فقہا را جمع کرد تا در ترتیب و تصحیح و تبویب و توضیح آں مبالغت نمودند و ظلمت سواد را بروشنائی بیاض آوردند تا ہر کسے صورت مقصود و چہرۂ مطلوب خویش در آئینہ حصول مشاہدہ و معائنہ بیند و خواص و عوام را در معرفت حکم شرع ہیچ اشکالے و اشتباہے نماند و بدعا دوام مملکت و قوام سلطنت ایں بادشاہ علما پرور مشغول گردد حق تبارک و تعالیٰ بفضل عمیم و احسان قدیم ثواب و ثمرات و میامن و مثوبات کہ فائدہ عالمیان از مطالع و عمل باحکام ایں کتاب حاصل شود بایام دولت و دوام سلطنت بادشاہ دین پناہ واصل و متواصل گرداند و حسن سعی بندہ درگاہ را سبب نجات و وسیلت احراز سعادات کند بحرمت النبی و آلہ الامجاد۔

ترجمہ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ حمد و شکر اور بے اندازہ ثنائے برحق اس صاحب مرتبہ اور علیم و مالک مطلق کے لیئے مخصوص ہے، جس کے نام پاکیزہ ہیں اور جس کی کبریائی بہت بلند ہے ۔ جس نے دین مسلمانی اور ملتِ ایمانی کے قیام و بقا کو متدین علما کی تشریع اور متشرع فقہا کے فتوؤں کے ساتھ وابستہ کیا۔ دنیا اور بقائے نسل انسانی کو حلال و

---

[1] "محفوظ" کے بجائے "محظوظ" ہونا چاہیے۔

Marfat.com

حرام کے اظہار اور احکام شرعی کی اشاعت کا مکلف ٹھہرایا۔ نمو پذیر اور پاکیزہ درود و رحمت کے نادر تحائف محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو نگینۂ خاتم رسالت اور طرازِ کسوتِ جلالت ہیں۔ علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ۔ آپ ہی کی ذاتِ اقدس قوانینِ شریعت کی تشریح اور دلائلِ حکمت کو مستحکم کرنے والی ہے۔ آپ نے اپنے قول و فعل سے دین و دنیا اور ملکی و ملی امور کو استقامت بخشی۔ اور تسلیمات آپ کے آل و اصحاب اور عترت و احباب پر جو روایات کے عمیق سمندر، درایت کے عیونِ جاریہ اور ہدایت کی بہتی ہوئی نہریں ہیں۔

اما بعد! اہل دنیا کے دلوں پر یہ چیز آفتاب کی طرح روشن ہے کہ ابوالمظفر سلطان فیروز شاہ خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ واعلیٰ امرہ وشانہ، جو آثارِ شریعت کو زندہ کرنے والا، رسوم بدعت کو مٹانے والا، دینِ مسلمانی کو ظاہر کرنے والا، ملتِ ایمانی کا جھنڈا بلند کرنے والا، علمِ حکومت کو نصب کرنے والا، شہریاری کی عمارت کو بالا کرنے والا، عدل و احسان کے صحیفوں کو پھیلانے والا، کفر و طغیان کے جھنڈوں کو سرنگوں کرنے والا، تائید خداوندی سے استحکام حاصل کرنے والا ہے۔ وہ علمِ شریعت کو بلند کرنے، آثارِ سنت کو ظاہر کرنے اور توعدِ دین و یقین کی بنیاد کو مضبوط کرنے میں مصروف و منہمک ہے۔

ترجمہ اشعار :۔ وہ جس نے ایک جہان کو آباد کیا اور فتنہ اور جور و ظلم کو ختم کیا۔ دنیا میں جس نے بھی اس کے بارے میں سنا، اس کی تعریف کی، اور دنیا کی ضروریات کو اس نے پورا کیا۔ اہل علم کی توقیر اس قدر بڑھی کہ کسی دور میں بھی ان کی اس درجہ توقیر و تکریم نہ تھی۔

اللہ اس کے ملک اور سلطنت کو دوام بخشے اور اس کے حکم اور مرتبہ و مقام کو بلندی عطا کرے کہ وہ اعلائے اعلام شریعت اظہارِ آثارِ سنت اور تقویم و تاسیس دین میں مصروف ہے وہ اس بات کا خواہاں ہوا کہ کمال دین داری و نیکوکاری کے پیشِ نظر تمام ملکی امور اور اعمالِ دین و دولت کو علماء و فقہا کے فتاوی و اقوال کے ساتھ محفوظ کیا جائے اور مناکحت و معاملات، خراج و محصولات، دواعی و خصومات، اجرائے حدود و قصاص اور عام و خاص کی حق رسی کا سلسلہ شرعِ محمدی اور سنتِ احمدی کے مطابق جاری ہو اور ایسی کتاب معرضِ تالیف میں لائی جائے جو عوام و خواص اور تمام اہلِ اسلام کے لیے فائدہ مند ہو اور جو

Marfat.com

تمام دنیا کی سلطنتوں کو بھی بہرہ مند کر سکے اور بفحوائے الناس علیٰ دین ملوکھم ارکانِ سلطنت کے مصالح بھی اس میں ہوں اور اس کتاب کی اساس علما و فقہا کے فتاوے ہوں۔

اس فیصلے کے بعد بندہ درگاہ قبول قراخان کو معلوم ہوا کہ مولانا صدر الملت والدین یعقوب مظفر کرمانی نے فقہ کے بارے میں ایک ایسی کتاب تصنیف کی ہے جو تمام ابواب اور بے شمار احکام و مسائل پر مشتمل ہے اور علمائے متقدمین اور فقہائے معتبرین کی تصنیف شدہ ۹۸ کتابوں کا نچوڑ ہے۔ جس کی صحت میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں اور اس میں صحیح و مختار روایات کو جن سے مصالح عامہ وابستہ ہیں، درج کر دیا گیا ہے اور کتاب کو فارسی زبان میں فتویٰ و جواب فتویٰ کی شکل میں مرتب کیا گیا ہے اور ضعیف اور غیر صحیح سے احتراز کیا گیا ہے۔ قبل اس کے کہ مسودہ مبیضہ کی صورت اختیار کرتا اور اس کی تنقیح، ترتیب، تصحیح اور تہذیب کی جاتی اور اصل ماخذ اور ان کے ابواب سے مقابلہ کیا جاتا، مؤلف کتاب دار آخرت میں اقامت پذیر ہو گئے۔

مؤلفِ کتاب کی وفات کے بعد مسودہ ان کے ورثا کے قبضہ میں چلا گیا جو سالہاسال بے مصرف پڑا رہا۔ چونکہ یہ شریعت منسوخہ اور تقویم پارینہ کی طرح بیکار پڑا رہا، اس لیے اس سے کوئی شخص بھی فائدہ نہ اٹھا سکا۔ بندہ درگاہ نے مؤلف مرحوم کے ورثا سے مسودہ کسی طرح حاصل کر لیا اور اس کے ضائع ہونے کی بجائے۔ افادۂ عام کے لیے علما و فقہا کی ایک جماعت کو جمع کیا اور مزید ترتیب و تصحیح اور تہذیب و توضیح کی انتہائی کوشش کی اور وہ اس مسودہ کو مبیضہ کی صورت میں لے آئے تاکہ ہر شخص اپنے مطلوبہ مسائل کو آسانی سے اس کتاب کے آئینہ میں دیکھ سکے اور عوام و خواص میں کسی کو حکم شرع معلوم کرنے میں کوئی دشواری اور اشتباہ نہ پیدا ہو اور وہ سب اس فرمانروائے علماپرور کی سلطنت کے حق میں ہمیشہ دعا گو رہیں۔

اللہ تعالیٰ اس ہمہ گیر فائدہ کا اجر جو اس کتاب سے حاصل ہو اس سلطنت کے فرمانروا کو پہنچائے اور بندۂ درگاہ کو بوجہ اطاعتِ نبیؐ کرامت و سعادت سے سرفراز فرمائے۔

انڈیا آفس لائبریری کا مخطوطہ

یہ مخطوطہ انڈیا آفس لائبریری میں بھی ہے جس کا نمبر ۱۰۳۲ ہے۔ اس کے بارے میں انڈیا آفس لائبریری کے کیٹلاگ میں مرقوم ہے۔

یہ مخطوطہ عہدِ عالمگیری کا کتابت شدہ ہے تاریخ کتابت ۱۲ ذوالقعدہ ۱۰۹۹ ہجری ہے۔ اس کی کتابت سید محمد معصوم الشاہدی بالگرویزی الرضوی اور سید عبدالقادر وغیرہ نے کی ہے۔ یہ مخطوطہ اسلام کے دیوانی اور فقہی فیصلوں کے مختلف ضمنی ابواب پر مشتمل ہے اور بغیر کسی تمہید کے اس کا آغاز ہوتا ہے۔ کتاب جن مسائل کو محیط ہے وہ اس کی اندرونی تحریر سے واضح ہو جاتے ہیں۔ اس کے عنوانات کو لفظ "کتاب" پر تقسیم کیا گیا ہے اور بعض مقامات پر "کتاب" کے تحت ضمنی ابواب قائم کیے گئے ہیں جن میں فقہی فیصلے دیے گئے ہیں کتاب کی ایک فہرست مضامین بھی ہے۔ یہ کتاب مسلسل سوالات (استفتا) کی شکل میں لکھی گئی ہے جو ایسے شخص سے کیے گئے ہیں جو فقہی قوانین پر عبور رکھتا ہے۔ ان سوالات (استفتا) کا جواب فیصلوں کی شکل میں دیا گیا ہے۔ یعنی سوال (استفتا) کا جواب دینے والے کی رائے فیصلے کی صورت میں ہے اور وہ کتاب کا اصل متن ہے۔ کتاب کی فہرست مضامین یہ ہے

کتاب البیوع۔ باب خیار العیب، باب بیع الفاسد۔
باب الاقالۃ، باب بیع الفضولی، باب السلم، باب الکفالۃ باب الصرف کتاب الحوالۃ، کتاب القضاء، باب کتاب الحبس۔
کتاب القضاء بالمواریث، باب الرجوع عن القاضی الی القاضی
کتاب الشہادۃ، کتاب الوکالۃ
باب الوکیل بالبیع والشراء، فصل فی الشراء، باب الخصومۃ والقبض
باب الیمین، کتاب الدعوی، باب التناقض والدافع، فصل فی الاجارۃ
کتاب الاقرار، باب فیما یکون اقرارا فیما لا یکون۔
کتاب الاستثناء، کتاب الصلح، کتاب المضاربۃ، کتاب الودیعۃ
کتاب العاریۃ، کتاب الہبۃ، کتاب الاجارۃ، کتاب الولاء، کتاب الاکراہ

کتاب الحجر، کتاب الماذون، کتاب الغصب۔

کتاب الشفعۃ، کتاب القسمۃ، کتاب المزارعۃ، کتاب الصید والذبائح فیما یحل اکلہ وما لا یحل۔

کتاب الاضحیۃ، کتاب احیاء الموات

کتاب الاشربۃ، کتاب الکراھیۃ، کتاب الرھن۔

کتاب الجنایات، باب ما یوجب القصاص وما لا یوجب۔

باب جنایۃ البھائم، کتاب الدیات

کتاب القسامۃ، کتاب الوصایا، کتاب الخنثی، کتاب مسائل المتفرقۃ، کتاب الفرائض۔[1]

معلوم ہوتا ہے انڈیا آفس لائبریری کا یہ نسخہ ناقص ہے اور پھر اس میں ایسے عنوانات بھی ہیں جو پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے مخطوطے میں نہیں پائے جاتے انڈیا آفس لائبریری کے کیٹلاگ میں مصنف کے نام کا ذکر بھی نہیں کیا گیا۔

ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کا نسخہ

فتاوی قراخانی کا نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں بھی ہے جس کا تعارف کراتے ہوئے ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے کیٹلاگ میں بتایا گیا ہے کہ اس کا پہلا حصہ صدرالدین یعقوب مظفر کھرامی نے لکھا اور مرتب کیا۔ دوسرا حصہ[2] بھی اسی نے لکھا لیکن اسے مرتب نہ کر پایا تھا کہ وفات پا گیا اور اس کی تدوین و ترتیب قبول قراخان نے کی اور موجودہ شکل میں قبول قراخان نے ہی اسے پیش کیا۔ فقہ فیروز شاہی کے پیش لفظ میں بھی اسی طرح مرقوم ہے اور لکھا ہے کہ فقہ فیروز شاہی بھی اسی مصنف یعنی صدرالدین یعقوب مظفر کی تصنیف ہے جس کا نمبر انڈیا آفس لائبریری کے کیٹلاگ میں ۲۵۶۴ ہے۔ ان دونوں کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں ایک ہی

---

[1] کیٹلاگ انڈیا آفس لائبریری حصہ فارسی کالم نمبر ۱۶۱

[2] کتاب دراصل ایک ہی حصہ یا جلد میں ہے۔ یہاں پہلے اور دوسرے حصہ کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل کتاب کا آخری حصہ قبول قراخان نے مرتب و مدون کیا۔

Marfat.com

مفہوم کو ادا کرتی ہیں اور دونوں ایک سے مضامین و مندرجات پر مشتمل ہیں [1]

کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد کا نسخہ

اس فتاویٰ کے دو نسخے آصفیہ کتب خانہ حیدر آباد دکن میں ہیں۔ ایک نسخے کا نمبر ۲۰ ہے اس کے آغاز میں خطبہ و تمہید ہے جو کتاب کی ترتیب وغیرہ پر مشتمل ہے لیکن سال تحریر اور کاتب کا نام درج نہیں۔ البتہ ورق اول پر تاریخ خرید ۱۲۷۲ھ مرقوم ہے۔ نیز اسی ورق پر ایک مہر ثبت ہے جس میں "خواجہ عبداللہ مرید بادشاہ عالمگیر سال ۱۱۱۲ھ" کے الفاظ ہیں اس مہر سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ نسخہ ۱۱۱۲ھ سے قبل کا تحریر شدہ ہے۔

دوسرے نسخے کا نمبر ۵۷ ہے۔ اس کے شروع میں خطبہ یا تمہید نہیں ہے۔ اس نسخے کا آغاز "فصل فی بیان فرضیت وضو" سے ہوتا ہے۔ اس پر بھی کاتب اور سال کتابت مرقوم نہیں۔ کل ورق ۵۰۳ اور سطور فی صفحہ ۲۳ ہیں۔

کتب خانہ آصفیہ کی فہرست میں اس کا ذکرہ "فتاویٰ قراخانی" کے نام سے کیا گیا ہے [2]

پنجاب پبلک لائبریری کا نسخہ

اس فتاویٰ کا ایک نسخہ پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں ہے۔ جس کا تعارف ذیل میں کرایا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس مخطوطہ کے مندرجات و مشمولات کی ایک جھلک پیش کی جائے گی جس سے اس کی فقہی اہمیت کا اندازہ ہو سکے گا۔

"۵۵-۲۹۷ صدر حجم: ۳۶۹ اوراق تقطیع ۱/۲ ۷ × ۱/۲ ۱۲ : ۱۹ تا ۲۱ سطری، بخط نسخ عہدی، تالیف ملا یعقوب بن یعقوب یکے از علمائے عہد فیروز شاہ خلجی (۶۸۸ھ-۶۹۵ھ) مرتبہ قراخاں یکے از علمائے عہد علاء الدین خلجی کے بارے میں صرف اس قدر معلوم ہے کہ وہ سلطان فیروز شاہ کے مداحین میں سے تھے۔ یہ کتاب فتاویٰ کا ایک قابل اور

---

[1] کیٹلاگ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال۔ کتاب نمبر ۱۰۳۴ صفحہ ۴۹۸ جلد دوم، مطبوعہ ۱۹۲۴ء ۱۹۲۶ء (کرزن) میں مرقوم ہے کہ یہ کتاب یعقوب مظفر کرمانی نے تصنیف کی اور قبول قراخاں نے مرتب و مدون کیا۔ اصل کتاب نامکمل تھی۔ اسے بعد میں مکمل کیا گیا۔ اس کا نمبر ۵۶ ہے۔

[2] فہرست کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن جلد دوم۔ ص ۱۴۱۰ و ۱۴۱۱۔

[3] یہاں حاشیہ میں قاموس المشاہیر ج ۲، ص ۷۴ کا حوالہ دیا گیا ہے۔

Marfat.com

نادر روزگار مجموعہ ہے جس میں مسائل شرعیہ کو مسلک حنفی کے مطابق بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی ترتیب ملا صدرالدین کی وفات کے بعد قراخان نے سلطان جلال الدین فیروز شاہ کے بھتیجے سلطان علاء الدین کے عہد (۶۹۵ھ۔۷۱۶ھ یا ۱۲۹۵ء۔۱۳۱۶ء) میں کی۔ انڈیا آفس لائبریری کے فارسی مخطوطات کے مرتب ہیرمین ایتھے نے کتاب فتاویٰ قراخانی کا ذکر تحت شمارہ ۲۵۰۱ کیا ہے۔ بظاہر ان کا بیان کردہ نسخہ ناقص الاول ہے کیونکہ وہ کتاب البیوع سے شروع ہوتا ہے غالباً ایتھے اس کتاب کا حجم صرف اسی قدر خیال کرتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے اس سے پہلے کے ابواب و فصول کا کوئی ذکر نہیں کیا اور نہ مؤلف کا نام اور رسالہ تالیف بتایا ہے۔

مرتب نے مضامین کو عام کتب فقہ حنفیہ کی ترتیب کے مطابق کتاب الطہارت سے شروع کیا ہے۔ ہر جزو کو کتاب سے تعبیر کیا ہے، جس کے تحت مختلف ابواب اور متعدد فصول ہیں۔ خاتمہ مسائل فرائض پر ہے۔

ورق ۲ پر ایک فہرست مضامین بقید صفحات شامل ہے۔

مقدمہ کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے۔

"حمد و سپاس و ثناء بے قیاس مر عالم مطلق و ملیک بر حق تقدست اسمائہ و تعالیٰ کبریائہ"

اس مقدمہ کا کچھ حصہ (آخر) مفقود ہے۔

مسائل فقہیہ کو "استفتا" اور "جواب" کی صورت میں بیان کیا گیا ہے۔

مطبوعہ نسخہ ناپید ہے۔ یہ مخطوطہ نوادر کتب میں سے ہے۔ تاریخ تحریر درج نہیں۔ قیاس ہے، اوائل صدی دوازدہم ہجری کا مکتوبہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

صفحہ الف ا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرامین در باب کفار و ذمیان درج ہیں جو بظاہر خارج از کتاب اور غیر مستند ہیں۔ صفحہ الف ۲ پر ایک مہر کا نقش ہے۔ "عبد المومن المفتی ملا صلاح البخاری"[1]

اس مخطوطہ کے مصنف اور مرتب کے بارے میں قاموس المشاہیر کے الفاظ یہ ہیں:

"صدرالدین بن یعقوب ملا۔ فارسی زبان میں فتووں کا ایک مجموعہ جس کا نام "فتاوائے قراخان" ہے ان کی تصنیف ہے، جس کو قراخان نے ان کی وفات کے بعد سلطان علاء الدین کے

[1] مخطوطات فارسیہ پنجاب پبلک لائبریری لاہور، مرتبہ منظور احسن عباسی۔ مطبوعہ ۱۹۶۳ء، ص ۴۷، ۴۸۔

Marfat.com

زمانے میں ترتیب دیا تھا[۱]

مصنف و مرتب اور ان کا عہد

فہرست کتب کے بعض مجموعوں کے بیان کے مطابق، جیسا کہ گزشتہ سطور میں عرض کیا گیا، اس مخطوطے کے مصنف کا نام مولانا صدر الدین یعقوب مظفر کرمانی ہے اور ان کی وفات کے بعد اس کو موجودہ شکل میں ترتیب دینے والا قبول قراخان ہے۔ اس کا مقدمہ بھی اسی نے لکھا مگر مقدمہ میں مصنف کا نام "مولانا صدر الملت والدین یعقوب مظفر کرامی" مرقوم ہے اور مرتب و مقدمہ نویس نے اپنا نام "قبول قرآن خان" تحریر کیا ہے۔ علاوہ ازیں "الستاتہ فی سرقۃ الخزانۃ" فتاویٰ لوہکانی[۲] میں متعدد مقامات پر اس کے حوالے دیے گئے ہیں اور ہر جگہ "فتاویٰ قرآن خوانیہ" لکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ کتابت کی غلطی ہے۔ صحیح بات وہی ہے جو کیٹلاگ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال اور بعض دیگر مجموعہائے کتب میں بیان کی گئی ہے۔ یعنی مصنف کا نام صدر الدین یعقوب مظفر کرمانی اور مرتب کا قبول قراخان ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ فتاویٰ کس حکمران کے عہد میں معرض تصنیف میں لایا گیا۔ فیروز شاہ خلجی (۶۸۸ھ - ۶۹۵ھ) کے عہد میں یا فیروز شاہ تغلق (۷۵۲ھ - ۷۹۰ھ) کے عہد میں؟ پنجاب پبلک لائبریری لاہور کے مجموعہ مخطوطات فارسیہ کی رو سے یہ فیروز شاہ خلجی کے عہد میں لکھا گیا اور اس کے بھتیجے اور داماد سلطان علاء الدین خلجی (۶۹۵ھ - ۷۱۶ھ) کے عہد میں قبول قراخان نے اس کو مرتب کیا۔ مگر بعض حضرات نے مولانا صدر الدین مظفر کرمانی کو فیروز شاہ تغلق کے عہد کا فقیہ و مصنف بنایا ہے[۳] لیکن ان کی تصنیفات میں صرف "فتاویٰ فیروز شاہی" کا ذکر کیا گیا ہے۔ "فتاویٰ قراخانی" کا کہیں نام نہیں۔ جن حضرات نے ان کو فیروز شاہ تغلق کے عہد کے علما میں شمار کیا ہے انھوں نے اپنے ماخذ کا ذکر بھی نہیں کیا۔ ہم نے ضیاء الدین برنی کی طرف رجوع کیا تو فیروز شاہ تغلق کے عہد کے علما کی فہرست میں

---

[۱] قاموس المشاہیر جلد دوم، ص ۲۰۷ [۲] شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ کراچی۔

[۳] دیکھیے "سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات" از خلیق احمد نظامی۔ ص ۴۹۶ اور "ہندوستان کے سلاطین علما اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر" از سید صباح الدین عبدالرحمٰن ایم اے۔ ص ۲۱ و ۲۶

ان کا نام نہیں پایا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "فتاوی قراخانی" سلطان جلال الدین فیروز شاہ خلجی کے زمانے میں لکھا گیا اور سلطان علاء الدین کے عہد میں مرتب کیا گیا۔ کیونکہ تاریخ فرشتہ میں عہد علاء الدین خلجی کے جن بڑے بڑے علما کی فہرست دی گئی ہے اس میں مولانا صدرالدین کا نام بھی موجود ہے[51] البتہ ان کی کسی تصنیف کا ذکر نہیں۔ بہت ممکن ہے یہی بزرگ فتاوی قراخانی کے مصنف ہوں اور ان کا تعلق علاء الدین کے پیشرو سلطان جلال الدین فیروز شاہ خلجی سے بھی رہا ہو۔ علاوہ ازیں تاریخ فرشتہ میں علاء الدین کے امرائے دولت میں ملک قبول کا بھی ذکر ہے۔

سلطنت خلجیہ اور اس کا عہد

فتاوی قراخانی چونکہ سلطنت خلجیہ کے دور میں مرتب ہوا ہے، اس لیے مناسب ہوگا کہ اس عہد کے علمائے کرام اور خود اس کے دو حکمرانوں سلطان جلال الدین فیروز شاہ خلجی اور علاء الدین محمد شاہ خلجی کے بارے میں بھی چند سطور میں کچھ بیان کر دیا جائے۔

دولت مملوکیہ کے خاتمے اور اس کے آخری حکمران کیقباد کے قتل کے بعد ۶۸۸ھ میں جلال الدین فیروز شاہ خلجی نے دولت خلجیہ کی بنیاد رکھی۔ مگر یہ سات سال حکومت کرنے کے بعد ۶۹۵ھ میں اپنے بھتیجے اور داماد علاء الدین محمد شاہ خلجی کے ہاتھوں قتل ہو گیا۔ اس کے بعد خود علاء الدین تخت حکومت پر بیٹھا۔ اس نے پورے اکیس سال ۷۱۶ھ تک حکومت کی۔ یہ بڑا بلند حوصلہ، فاتح اور کشور کشا حکمران تھا۔ خلجی خاندان کے یہ دونوں بادشاہ عالم نہ تھے، بالخصوص علاء الدین خلجی تو نہایت سخت مزاج تھا لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ان کے عہد کا ہندوستان علمی اعتبار سے اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ اس زمانے میں فقہا، علما، محدثین اور دیگر علوم سے تعلق رکھنے والے بے شمار حضرات ملک میں آباد تھے اور یہ بادشاہ ان کو بڑے احترام کی نظر سے دیکھتے تھے۔ تاریخ فیروز شاہی میں ضیاء الدین برنی نے اس عہد کے ان علمائے کرام کی ایک فہرست دی ہے جن سے وہ خود متعارف تھا ورنہ بے شمار علمائے کرام ایسے بھی تھے جن سے وہ تعارف و واقفیت نہ رکھتا تھا۔

---

۵۱ دیکھیے تاریخ فرشتہ جلد اول، ص ۱۲۱۔

Marfat.com

اس فہرست میں سے چند نام یہ ہیں۔ قاضی فخر الدین ناقلہ، قاضی شرف الدین سرباہی، مولانا نصیر الدین غنی، مولانا تاج الدین مقدم، مولانا ظہیر الدین لنگ، قاضی مغیث الدین بیانہ، مولانا رکن الدین سنامی، مولانا تاج الدین کلاہی، مولانا ظہیر الدین بھکری، قاضی محی الدین کاشانی، مولانا کمال الدین کولی، مولانا وجیہ الدین پائلی، مولانا منہاج الدین قاینی، مولانا نظام الدین کلاہی، مولانا نصیر الدین کڑہ، مولانا نصیر الدین صابولی، مولانا علاء الدین تاجر، مولانا کریم الدین جوہری، مولانا حجت ملتانی قدیم، مولانا حمید الدین مخلص، مولانا برہان الدین بھکری، مولانا افتخار الدین برنی، مولانا حسام الدین سرخ، مولانا وجیہ الدین ملہو، مولانا علاء الدین کرگ، مولانا حسام الدین ابن شادی، مولانا حمید الدین بنیانی، مولانا شہاب الدین ملتانی، مولانا فخر الدین ہانسوی، مولانا فخر الدین سقاقل، مولانا صلاح الدین سترگی، قاضی زین الدین ناقلہ، مولانا وجیہ الدین رازی، مولانا علاء الدین صدر الشریعہ، مولانا میران ماریکلہ، مولانا نجیب الدین ساوی، مولانا شمس الدین تمر، مولانا صدر الدین گندھک، مولانا علاء الدین لاہوری، مولانا شمس الدین یحیٰی، قاضی شمس الدین گاذرونی، مولانا صدر الدین نازی، مولانا معین الدین لونی، مولانا افتخار الدین رازی، مولانا معز الدین الدیبنی، مولانا نجم الدین انتشار۔

ان علمائے کرام میں سے اکثر کے حالات بھی کتب تاریخ وسیر میں مرقوم ہیں مگر یہاں اس کی گنجائش نہیں۔

مندرجات و مشمولات

مخطوطہ کی فقہی اہمیت اور تاریخی حیثیت کی وضاحت کے بعد اس کے مضامین اور مندرجات و مشمولات پر ایک نظر ڈال لینا ضروری ہے، اس سے معلوم ہوگا کہ ساتویں صدی ہجری کا ہندوستان علمی اور فقہی میدان میں کتنا آگے تھا اور برصغیر کے حکمرانوں کو فقہیات اور علما سے کس درجہ لگاؤ اور تعلق خاطر تھا۔ پھر علما اور فقہا کا ذہن مختلف مسائل کے باب میں کتنا واضح اور صاف تھا۔ علاوہ ازیں وہ جو مسئلہ بیان کرتے اور جس موقف کی توضیح کرتے اس کے لیے اپنی تائید میں کیسے کیسے دلائل لاتے تھے اور ان کے سامنے کتنی کتابیں کھلی رہتی تھیں۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس دور

Marfat.com

عوام بھی فقہی مسائل سے خاص دلچسپی رکھتے تھے اور فہم مسائل میں علما و فقہاء کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس دور کی فقہی عظمت اور علمی کیفیت کو واضح کرنے کے لیے ذیل میں مخطوط میں مندرج مختلف مضامین کی ایک جھلک پیش کی جاتی ہے۔ اس ضمن میں پہلے مصنف کی اصل عبارت درج کی گئی ہے۔ پھر اس کتاب کی عبارت لکھی گئی ہے جس سے مصنف استدلال کرتے ہیں پھر اسکا اردو ترجمہ کیا گیا ہے۔

مباحث کتاب کا آغاز

تمہید و مقدمہ کے بعد کتاب کے اصل مباحث کا آغاز "کتاب الطہارت" سے ہوتا ہے۔ اس کی شکل یہ ہے کہ کتاب الطہارت کے تحت مصنف فرضیت وضو کے بارے میں فصل قائم کرتے ہیں۔ پھر قرآن پاک کی آیت درج کرکے استفتا اور جواب کی صورت میں مسئلہ زیر بحث کی وضاحت کرتے ہیں۔ مصنف کی اپنی عبارت اس سلسلے میں یہ ہے:

کتابُ الطہارت

سبب وضو، نماز ہے یا قیام سوئے نماز

فی فصل بیان فرضیۃ الوضوء استفتا۔ وضو بدیں آیہ قال اللہ تعالیٰ یا ایھا الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم (الی آخرھا) ثابت شدہ است یا نے؟

جواب: شدہ است!

ترجمہ: کتاب الطہارت۔ فصل فرضیتِ وضو کے بیان میں۔ استفتا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کی روشنی میں کہ یا ایھا الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم الآیۃ[1] وضو کرنا ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب: ہوتا ہے۔

ایک بات واضح ہونے کے بعد دوسرا سوال ساتھ ہی شروع ہوجاتا ہے جو خالص فقہی نوعیت کا ہے۔

---

[1] یعنی اے ایمان والو! جب نماز کو کھڑے ہو تو اپنا منہ دھو لیا کرو۔ الخ (سورہ مائدہ آیت ۶)

Marfat.com

استفتا، سبب وجوب وضو نماز است یا قیام سوئے نماز؟

جواب: نماز است، نہ قیام سوئے نماز کہ اصحاب الظواہر می گویند۔

فی حاشیۃ الھدایۃ: اختلف المشائخ فی سبب وجوب الوضوء قال اصحاب الظواھر سبب الوضوء القیام الی الصلوٰۃ بظاھر النص وھذا فاسد لان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صلی خمس صلوات بوضوء واحد فی الینابیع وانعقد علیہ الاجماع وعندنا سبب الصلوٰۃ لقولہ تعالیٰ اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم یعنی اذا اردتم القیام الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم لاجل الصلوٰۃ لان مثل ھذا الکلام لافادۃ اثبات الثانی للاول کما یقال اذا دخلت علی السلطان فتزین ای لاجل الدخول علیہ[1]

ترجمہ: استفتا۔ وجوب وضو کا سبب نماز ہے یا نماز کے لیے قیام؟

جواب: نماز ہے، نماز کے لیے قیام نہیں، جیسا کہ اصحاب ظواہر[2] کہتے ہیں۔

حاشیہ ہدایہ میں ہے۔ سببِ وجوبِ وضو کے بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ اصحاب ظواہر کا کہنا ہے کہ سبب وضو قیام الی الصلوٰۃ ہے جیسا کہ نص (قرآن) سے ظاہر ہے۔ لیکن یہ غلط ہے، اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ نمازیں ایک ہی وضو سے ادا فرمائیں[3] ینابیع میں ہے اور اس پر اجماع ہے کہ ہمارے نزدیک سببِ وضو نماز ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم الایۃ۔ یعنی جب تم نماز ادا کرنا چاہو تو نماز کے لیے "فاغسلوا وجوھکم" (اپنے چہروں کو دھو لیا کرو)۔ بات یہ ہے کہ اس قسم کا کلام اس لیے استعمال کیا جاتا ہے کہ سببِ ثانی کو اول کے لیے ثابت کرنے کا افادہ حاصل ہو جائے مثلاً جب یہ کہا جائے کہ جب تو بادشاہ کی خدمت میں حاضری دے تو بن سنور لے، تو اس کا مقصد یہ ہوگا کہ بادشاہ کی

---

[1] ورق ۸۵۔ [2] اس سے امام داؤد ظاہری (متوفی ۲۷۰ھ) اور ان کے پیرو مراد ہیں جو کتاب و سنت کے ظاہر الفاظ کو ہی لائق اعتنا اور قابل عمل گردانتے ہیں۔

[3] مطلب یہ کہ اگر وضو کا مقصد قیام الی الصلوٰۃ ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لیے الگ الگ وضو کرتے مگر آپؐ نے ایسا نہیں کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ مقصدِ وضو نماز ہے۔

خدمت میں حاضری دینے کے لیے اپنی زیب و زینت کرو نہ کہ محض بادشاہ کے لیے (تو اس سے مقصدِ ثانی ثابت ہوا۔ یعنی بادشاہ کی خدمت میں حاضری باعثِ زیب و زینت ہے)

تعزیر

مالی تعزیر

حد کے سلسلے میں بادشاہ، قاضی اور والی کے اختیارات پر بحث کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں:

استفتا: اگر بر مردے شرعاً حد واجب شد، بعدہ بادشاہ یا قاضی یا والی مصلحت دید ند کہ تعزیر او بمال کنند شرعاً جائز باشد یا نے؟

جواب: باشد۔ واللہ اعلم۔

فی فتاوی الخلاصۃ۔ والتعزیر بالمال ان رأی القاضی والوالی للمصلحۃ جائز

فی الذخیرۃ عن ابی یوسف رحمہ اللہ ان التعزیر من السلطان باخذ المال جائز۔

ترجمہ: استفتا۔ اگر کسی شخص پر اجرائے حد واجب ہو جائے، لیکن اس کے بعد بادشاہ یا قاضی یا والی بر بنائے مصلحت اس پر مالی تعزیر عائد کرنا چاہیں تو کیا شرعاً یہ جائز ہوگا یا نہیں؟

جواب: جائز ہوگا۔ واللہ اعلم۔

فتاوی الخلاصہ میں ہے کہ اگر قاضی اور والی مصلحت کے پیش نظر مالی تعزیر عائد کرنا چاہیں تو جائز ہوگا۔ ذخیرہ میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ سلطان کے لیے مالی تعزیر عائد کرنا جائز ہے۔

تادیب کے لیے غلام پر تعزیر

استفتا: مولی را تعزیر بندہ کہ از حد بگزاند روا باشد یا نے؟

جواب: نے! واللہ اعلم

فی الفتاوی الناصریۃ، للمولی ان یعزر عبدہ اذا شاء ادبہ ولا یجاوز بہ الحد۔

Marfat.com

وفی فتاوی الخلاصۃ، عبد اذا ساء الادب، للمولی ان یؤدبہ ویعزرہ ولا یجاوز بہ الحد۔[1]

ترجمہ: استفتاء. مالک کے لیے غلام پر ایسی تعزیر عائد کرنا جو حد سے تجاوز کر جائے روا ہے یا نہیں۔

جواب: نہیں۔ واللہ اعلم۔

فتاویٰ السراجیہ میں ہے کہ آقا کے لیے اپنے غلام کی جب کہ وہ اسے ادب سکھانا چاہے تعزیر کرنا روا ہے مگر وہ حد سے متجاوز نہ ہو۔

فتاویٰ الخلاصہ میں ہے، غلام اگر سوئے ادب کا مرتکب ہو تو آقا کے لیے اس پر بغرض تادیب تعزیر عائد کرنا جائز ہے لیکن اس میں حد سے تجاوز نہ کرے۔

کتاب السرقہ

سرقہ کے باب میں چور کی سزا اور قطع ید وغیرہ امور پر مصنف نے تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ اس ضمن میں چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

استفتاء: در آنچہ وزدے با دراز گوش در خانہ زید در رفت وجامہ ہا را جمع کرد وبرآں دراز گوش بار کرد۔ دراز گوش میان خانہ زید گذاشت وچوں بیروں آمدہ خانہ خود رفت بعدہ دراز گوش با جامہا بیروں آمدہ وخانہ آں وزد برد۔ شرعاً برآں وزد قطع واجب شود یا نے؟

جواب: نے! واللہ اعلم۔

فی الواقعات الحسامیۃ. سرق رجل مع حمار منزلا فجمع الثیاب وحملہا ثم خرج ہو من منزل الی منزلہ فخرج الحمار بعد ذلک حتی جاء الی منزل السارق لا یقطع السارق لانہ لا یخرج شیئا الی منزلہ۔[2]

ترجمہ: اس بارے میں کہ چور اپنے گدھے کے ساتھ زید کے مکان میں داخل ہوا اور

---

[1] ورق ۲۸۶۔

[2] ورق ۲۸۷

کپڑے جمع کیے اور گدھے پر لاد لیے مگر گدھے کو وہیں چھوڑ گیا اور اپنے گھر کو روانہ ہو گیا۔ اس کے بعد گدھا کپڑوں سمیت باہر آیا اور انھیں لے کر چور کے گھر پہنچ گیا۔ اب از روئے شرع اس چور کا ہاتھ قطع کرنا واجب ہے یا نہیں؟

جواب: نہیں، واللہ اعلم۔

واقعات الحسامیہ میں ہے، چور نے ایک گھر میں گدھے کے ساتھ سرقہ کیا۔ گھر کے کپڑے اکٹھے کیے اور گدھے پر لاد دیے۔ بعد ازاں چور اس گھر سے نکل کر اپنے گھر چلا گیا اس کے بعد گدھا بھی وہاں سے نکلا اور چور کے گھر پہنچ گیا۔ اس صورت میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ وہ کوئی چیز بھی اس گھر سے نکال کر اپنے گھر نہیں لے گیا۔

کیا طبلِ جنگ کے سارق پر قطعِ ید واجب ہے؟

چوری کی ایک اور صورت کے بارے میں مصنف تحریر فرماتے ہیں۔

استفتا: درآں کہ زید طبلِ غزات کہ قیمت آں دہ درہم شرعی است بدزدیدہ، شرعاً بر زید قطع واجب شود یا نے؟

جواب: نے! واللہ اعلم۔

فی الواقعات الحسامیہ رجل سرق طبل الغزاۃ وھو یساوی عشرۃ دراھم تکلم الناس فیہ، فالمختار انہ لا یقطع لانہ کما یصلح للغزو یصلح لغیرہ فتمکنت الشبھۃ

ترجمہ: استفتا۔ اس مسئلہ سے متعلق کہ زید غازیوں کا طبل جس کی قیمت دس درہم شرعی ہے، چوری کر لیتا ہے۔ شرعی اعتبار سے زید پر قطع ید واجب ہو گا یا نہیں؟

جواب: نہیں، واللہ اعلم۔

واقعات الحسامیہ میں ہے کہ ایک شخص نے غازیوں کا طبل چوری کیا۔ جس کی قیمت دس درہم کے برابر ہے اور لوگوں کو اس کے بارے میں شبہ ہے۔ مختار یہ ہے کہ اس چوری کے بارے ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ کیونکہ جس طرح وہ غازیوں کے لیے ہے، اسی طرح دوسروں کے لیے بھی ہے۔ لہٰذا اس میں شبہ پیدا ہو گیا (کہ اس نے کیوں چوری کیا۔ غزوہ کے لیے یا کسی اور مقصد کے لیے)

Marfat.com

چوری ثابت ہونے کے بعد سزا نہ دینا معصیت ہے

اگر چور پر قطع ید واجب ہو جائے تو اس کو سزا دینے سے اجتناب کرنے والا گناہ گار ہے۔

مصنف رقم طراز ہیں۔

استفتا: اگر بر دزدے از راہ شرع قطع واجب شد۔ آں دزد را بر قاضی بردند۔ قاضی آں دزد را قطع نکردہ بگذاشت۔ شرعاً قاضی آثم باشد یا نے؟

جواب: باشد۔ واللہ اعلم۔

فی الواقعات الحسامیۃ۔ سرق رجل وجب علیہ القطع حق اللہ تعالیٰ فیاثم بترکہ۔

ترجمہ: اگر چور پر شرعی لحاظ سے قطع ید واجب ہو گیا اور لوگوں نے اس کو قاضی کے سامنے پیش کیا لیکن قاضی نے اس کا ہاتھ نہیں کاٹا اور اسے چھوڑ دیا۔ اس صورت میں از روئے شرع قاضی گناہ گار ہو گا یا نہیں؟

جواب: ہو گا۔ واللہ اعلم۔

واقعات الحسامیہ میں ہے کہ ایک چور سے جس پر اللہ نے قطع واجب کر دیا، چوری کا ارتکاب کیا تو اس کو بلا سزا چھوڑنے والا آثم قرار پائے گا۔

میزبان کے گھر سے چوری کے بارے میں!

مہمان میزبان کے گھر سے چوری کرے تو چور کو سزا دی جا سکتی ہے یا نہیں مصنف لکھتے ہیں

استفتا: درآنکہ زید عمرو را در خانہ خود مہمان کرد۔ بعدہ عمرو در خانہ زید کالائے کہ قیمت آں دہ درہم شرعی است دزدی کرد۔ شرعاً برو قطع واجب شود یا نے؟

جواب: نے۔ واللہ اعلم۔

فی الواقعات الحسامیۃ۔ لو سرق الضیف من بیت المضیف لا یقطع

ترجمہ: اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید، عمرو کو اپنے گھر بطور مہمان ٹھہراتا ہے اور عمرو زید کے گھر سے اتنی مقدار کی شے چوری کر لیتا ہے جس کی قیمت دس درہم شرعی کے برابر ہے شرعاً اس پر قطع ید واجب ہو گا یا نہیں؟

جواب: نہیں۔ واللہ اعلم۔

Marfat.com

واقعات الحسامیہ میں ہے کہ مہمان، میزبان کے گھر سے چوری کرے تو اس کا قطع ید نہیں ہوگا۔

خشک اور تر میوے کے چور کی سزا

خرمائے خشک چوری کرلیا جائے تو اس کی سزا کے بارے میں مصنف رقم طراز ہیں:

استفتا: اگر مردی خرمائے خشک را دزدی کرد کہ قیمت آں میوہ دہ درہم شرعی است شرعاً بر دے قطع واجب شود یا نے؟

جواب: شود! واللہ اعلم۔

فی ینابیع، الصحیح من مذہب ابی حنیفۃ رحمہ اللہ انہ یقطع فی الفواکہۃ الیابسۃ، فی الواقعات واذا سرق ان کان رطبات کلمو نیہ والمختار انہ لا یقطع وفی الیابس یقطع لان فی الرطب یخاف الفساد من وجہ بخلاف الیابس[1]

ترجمہ: استفتاء۔ اگر کوئی شخص اتنا خشک خرما چوری کرے کہ جس کی قیمت دس درہم شرعی ہو۔ شرعاً اس پر قطع ید واجب ہوگا یا نہیں؟

جواب: واجب ہوگا: واللہ اعلم۔

ینابیع میں ہے۔ مذہب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی رو سے صحیح بات یہ ہے کہ خشک میوہ کی چوری پر قطع ید ہوگا۔ واقعات میں مذکور ہے کہ اگر مسروقہ میوہ تر ہو تو اس کے بارے میں اختلاف ہے۔ مذہب مختار یہ ہے کہ اس پر قطع ید کی سزا نہیں دی جائے گی۔ اور خشک میوے کی چوری پر دی جائے گی۔ اس لیے کہ تر میوہ کے کسی حد تک خراب ہو جانے کا خطرہ ہے، بخلاف خشک کے کہ اس میں یہ خطرہ نہیں ہوتا۔

اگر چور حاکم کے سامنے پیش ہونے سے پہلے مال مسروقہ واپس کر دے

اگر مقدمہ حاکم کے سامنے پیش ہونے سے پہلے چور مال مسروقہ مالک کو واپس کردے تو اس صورت میں چور قابل سزا قرار پائے گا یا نہیں؟ اس کے متعلق مخطوطہ میں مرقوم ہے:

استفتا: اگر دزد کالا را بر مسروق منہ پیش از مرافعت بر حاکم رد کرد قطع درین صورت ساقط شود یا نے؟

---

[1] ورق ۲۸۶، ۲۸۷۔

جواب : شود ۔ واللہ اعلم۔

فی الینابیع ، ولو رد السارق العین الی المسروق منہ قبل ان یرفع الی الحاکم یسقط القطع فی المشہور من الروایۃ ،

ترجمہ : استفتا : اگر سارق حاکم کے سامنے مقدمہ پیش ہونے سے قبل مال مسروقہ مالک کو واپس کر دے تو اس صورت میں قطع ید کی سزا ساقط ہو جائے گی یا نہیں ؟

جواب : ساقط ہو جائے گی ۔ واللہ اعلم ۔

ینابیع میں ہے اگر حاکم کے پاس مرافعہ جانے سے پیشتر سارق مال مسروقہ مالک کو واپس کر دے تو مشہور روایت کے مطابق قطع ید کی سزا ساقط ہو جائے گی ۔

اگر حاکم کے سامنے پیش ہونے کے بعد مال واپس کرے ۔

لیکن اگر مرافعہ حاکم کے سامنے پیش ہونے اور شہادت کی سماعت کے بعد واپس کرے تو ؟ اس باب میں مخطوطہ میں مرقوم ہے :

وما قولہم اگر بعد مرافعت وسماع بینہ پیش از آنکہ قاضی بقطع او حکم کند شرعاً قطع از وساقط شود یا نے ؟

جواب : نے ، واللہ اعلم ۔

ایضاً[1] ولو ردھا بعد المرافعۃ وسماع البینۃ لم یسقط سواء کان قبل القضاء او بعدہ

ترجمہ : اگر مرافعہ پیش ہونے اور شہادت کی سماعت کے بعد مگر اس سے قبل کہ قاضی قطع ید کا حکم دے چور مال مسروقہ واپس کر دے شرعاً اس سے سزائے قطع ید ساقط ہو جائے گی یا نہیں ؟

جواب : نہیں ، واللہ اعلم ۔

یہ بات بھی اسی (ینابیع) میں ہے کہ اگر مرافعہ قاضی کے سامنے پیش ہونے اور شہادت سننے کے بعد چور چوری شدہ مال واپس لوٹا دے تو قطع ید کی سزا ساقط نہیں ہوگی ۔ خواہ چور یہ مال فیصلہ سے پہلے واپس کرے یا بعد ۔

---

[1] یعنی یہ بھی ینابیع میں مذکور ہے ۔

سزا سنانے کے بعد مالک چور کو معاف نہیں کر سکتا

اب یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بادشاہ چور کو قطع ید کی سزا سنا دیتا ہے اور اس کے بعد جس شخص کا مال چوری ہوا، وہ چور کو معاف کر دیتا ہے تو ایسی صورت میں قطع ید کی سزا ساقط ہو جائے گی یا نہیں؟ اس ضمن میں مصنف کی عبارت مع سوال اور جواب کے ملاحظہ ہو:

استفتا: اگر بادشاہ بر دزدے قطع فرمودہ بعد آنکہ دزدے او موجبہ شدہ بود کہ دستِ او قطع کند خصم کالائے کہ آں دزد ازاں دزدی کردہ بود، می گوید من عفو کردم۔ شرعاً عفوِ او باطل باشد یا نے؟

جواب: باشد، واللہ اعلم۔

فی الینابیع. ولو امر الامام بقطعہ فقال المسروق منہ عفوت فھو باطل۔

ترجمہ: اگر چور کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا ہو اور اس نے چور کے لیے قطع ید کی سزا کا فیصلہ صادر کر دیا ہو مگر اس کے بعد چوری شدہ مال کا مالک یہ کہے کہ میں نے معاف کر دیا تو اس صورت میں شرعاً یہ معافی باطل قرار پائے گی یا نہیں؟

جواب: باطل قرار پائے گی، واللہ اعلم۔

ینابیع میں ہے کہ اگر امام قطع ید کا حکم نافذ کر دے اور اس کے بعد جس شخص کا مال چوری کیا گیا ہے، وہ کہے کہ میں نے معاف کر دیا تو یہ معافی باطل (غیر مؤثر) ہو گی۔

مالک کی غیر موجودگی میں غلام کو سزا دینے کے بارے میں

اس ضمن میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی کا غلام چوری کرے اور چوری ثابت بھی ہو جائے تو غلام کے مالک کی غیر حاضری میں غلام کو سزا دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ اس باب میں مخطوطہ میں مرقوم ہے۔

استفتا: اگر بندۂ زید دزدی کردہ، شرعاً بروے دزدی ثابت شدہ، قاضی را باید کہ در غیبتِ مولیٰ او را قطع کند یا نے؟

جواب: نے، واللہ اعلم۔

Marfat.com

فی الفتاوی لا بالعبد اذا سرق لا یقطع القاضی یدہ لا یحضرہ المولی عند ابی حنیفۃ و محمد

ترجمہ: استفتا: اگر زید کا غلام چوری کر لیتا ہے اور شرعاً اس پہ چوری ثابت ہو جاتی ہے تو غلام کے آقا کی عدم موجودگی میں قاضی قطع ید کرے یا نہ کرے؟

جواب: نہ کرے: واللہ اعلم۔

فتاویٰ میں ہے کہ غلام چوری کرے تو قاضی مولیٰ کی غیر حاضری میں قطع ید کی سزا نہ دے۔ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کا یہی مذہب ہے۔

مالک کی غیر موجودگی میں غلام کے بارے میں قاضی کا شہادت لینا

مگر ساتھ ہی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مالک کی غیر موجودگی میں قاضی شہادت سن سکتا ہے یا نہیں؟ مصنف لکھتے ہیں: ولکن بینہ در غیبت مولیٰ بر آں بندہ سارق قاضی می شنود ہشرعاً جائز باشد یا نے؟

جواب: نے! واللہ اعلم۔

وفیہا ایضا وعلی العبد بغیبۃ المولی لا تقبل البینۃ اجماعاً۔

ترجمہ: لیکن غیبتِ مولیٰ کی صورت میں اس سارق غلام کے خلاف قاضی کا شہادت سننا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: نہیں! واللہ اعلم

اسی (فتاویٰ) میں ہے کہ آقا کی غیر حاضری میں غلام کے خلاف شہادت بالاجماع قبول نہیں ہوگی۔

چوری کی ایک اور قسم

سرقہ کی ایک اور قسم کے بارے میں مصنف لکھتے ہیں:

استفتا: اگر مردے کوزہ کہ در وشہد بود بدزدیدہ وقیمت کوزہ نہ درہم شرعی وقیمت شہد یک درم۔ شرعاً قطع ید واجب شود یا نے؟

جواب: شود! واللہ اعلم۔

Marfat.com

فی الینابیع رجل سرق کوزا فیہ عسل وقیمۃ الکوز تسعۃ دراہم وقیمۃ العسل درہم قطع

ترجمہ: استفتا: اگر کوئی شخص ایک کوزہ چوری کر لیتا ہے جس میں شہد ہے۔ کوزہ کی قیمت نو درہم شرعی ہے اور شہد کی ایک درہم۔ تو شرعاً اس پر قطع ید واجب ہو گا یا نہیں؟

جواب: ہو گا؛ واللہ اعلم۔

ینابیع میں ہے کہ اگر کوئی شخص شہد کا کوزہ چوری کرے۔ کوزے کی قیمت نو درہم اور شہد کی ایک درہم ہو تو چور کو قطع ید کی سزا دی جائے گی۔

عادی چور کو جلا وطن یا علاقہ بدر کر دینے کے بارے میں

کیا عادی چور کو حاکم تادیباً جلا وطن یا علاقہ بدر بھی کر سکتا ہے؟ اس سلسلے میں مخطوطہ میں مرقوم ہے:

استفتا: اگر زید عادت دزدی دارد۔ اگر بادشاہ اورا سیاست کند، شرعاً روا باشد یا نے؟

جواب: باشد؛ واللہ اعلم

فی نوادر الفتاوی۔ ہر کہ را دزدی عادت شود، اگر سلطان اورا سیاست کند روا بود۔

ترجمہ: استفتا: اگر کسی کو چوری کی عادت پڑ چکی ہو، اگر بادشاہ اس کے خلاف تادیبی کارروائی کرے تو بادشاہ کا یہ اقدام جائز ہو گا یا نہیں؟

جواب: جائز ہو گا۔ واللہ اعلم۔

قطع ید کے بعد قید و حبس کی سزا

نوادر الفتاوی میں ہے کہ جو شخص چوری کا عادی ہو چکا ہو اس کے خلاف بادشاہ اقدام کرے تو جائز ہو گا۔ قطع ید کے بعد چور کو قید کر دینے کے متعلق مصنف ان الفاظ میں سوال کرتے اور اس کا جواب دیتے ہیں:

استفتا: اگر سارق را بعد قطع حبس کند شرعاً روا باشد یا نے؟

جواب: باشد؛ واللہ اعلم۔

فی الناصریۃ، السارق اذا حبس یحبس حتی یتوب، کذا عن محمد رحمہ اللہ۔

ترجمہ: استفتا! اگر قطع ید کی سزا دینے کے بعد چور کو قید کر دیا جائے تو شرعاً روا ہو گا یا نہیں؟

جواب: روا ہو گا۔ واللہ اعلم۔

ظاہر یہی ہے کہ چور پر حد نافذ کر دی جائے تو اس کو توبہ کرنے تک محبوس رکھا جا سکتا ہے! امام محمد رحمہ اللہ سے اسی طرح منقول ہے [۱]

شطرنج کی چوری کے متعلق

شطرنج کی چوری کے متعلق بھی مصنف نے وضاحت کی ہے۔ لکھتے ہیں:

استفتا: اگر مردے شطرنج را دزدید، شرعاً بر آں دزد قطع واجب شود یا نے؟

جواب: نے۔ واللہ اعلم۔

فی الواقعات الحسامیة رجل سرق شطرنجا لا یقطع۔

ترجمہ: استفتا! اگر کوئی شخص شطرنج چوری کرے تو شرعاً اس چور پر قطع ید واجب ہو گا یا نہیں؟

جواب: نہیں! واللہ اعلم۔

الواقعات الحسامیہ میں ہے کہ ایک شخص شطرنج چرا لیتا ہے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا [۲]

کیا چوری کا جبری اقرار صحیح ہے؟

اگر چور سے جبراً اقرار جرم کرایا جائے تو یہ اقرار صحیح ہو گا یا نہیں؟ اس کے بارے میں دونوں نقطۂ نظر ہیں۔ ایک یہ بھی کہ اقرار صحیح نہیں ہو گا اور یہ بھی کہ صحیح ہو گا۔ مصنف لکھتے ہیں:

استفتا: اگر مردے باکراہ اقرار سرقہ کردہ، اقرار صحیح باشد یا نے؟

جواب: باشد۔ واللہ اعلم۔

فی الفتاوی الظہیریة اذا اقر بالسرقة مکرها فاقراره باطل ومن المتاخرین من افتی بصحته۔

ترجمہ: استفتا! اگر کوئی شخص جبراً چوری کا اقرار کرے تو یہ اقرار صحیح ہو گا یا نہیں؟

---

[۱] مخطوطہ میں سرقہ کے سلسلے کی یہ تفصیلات ورق ۲۸۸ سے ۲۹۲ تک مذکور ہیں۔ [۲] ورق ۲۹۳۔

جواب: صحیح ہوگا۔ واللہ اعلم۔

فتاویٰ ظہیریہ میں ہے کہ جب چور حالت اکراہ میں چوری کا اقرار کرے تو یہ اقرار باطل ٹھہرے گا۔ لیکن متاخرین فقہا میں سے بعض نے اس اقرار کی صحت کا فتویٰ دیا ہے۔[1]

کتاب الایمان

اس باب میں قسموں کے بارے میں چند ضروری امور بیان کیے گئے ہیں، مثلاً:

استفتا: درآں کہ زید سوگند خورد کہ با عمرو سخن نگویم۔ بعدہٗ ایں عمرو درمیان جماعت نشستہ است۔ زید ایں جماعت را سلام کرد و ہیچ استثنا نہ کرد کہ عمرو را سلام نمی گویم۔ شرعاً زید بدیں سلام گفتن حانث شود یا نے؟

جواب: شود۔[2]

ترجمہ:— اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید قسم کھالیتا ہے کہ میں عمرو کے ساتھ بات نہ کروں گا۔ مگر اس کے بعد عمرو ایک مجمع میں بیٹھا ہے اور زید اس مجمع کو سلام کرتا ہے اور یہ استثنا نہیں کرتا کہ میں عمرو کو سلام نہیں کہتا۔ کیا شرعاً زید اس صورتِ سلام میں حانث[3] ہوگا یا نہیں؟

جواب: ہوگا۔

کتاب النکاح

اس میں نکاح سے متعلق تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ اور نکاح کے تمام مسائل کی وضاحت کی گئی ہے۔ مثلاً اس میں ایک فقہی مسئلہ یہ بیان کیا گیا ہے:

استفتا: اگر زید و عمرو بہ نکاحِ زینب دعویٰ می کند۔ زینب گوید کہ من نفس خود را بزید بزنی دادہ ام بعد آنکہ بعمرو دادہ ام۔ شرعاً زینب زنِ زید باشد یا زنِ عمرو؟

جواب: زنِ زید۔

---

[1] ملاحظہ ہو مخطوطہ ورق ۲۹۲۔ [2] ورق ۲۶۸۔

[3] حانث کا مطلب ہے ایسی قسم توڑنے والا جس پر کفارۂ قسم واجب ہو جائے۔

Marfat.com

فی الفتاوی الخانیۃ. لوادعی زید وعمرو نکاح امرأۃ فقالت تزوجت زیدا بعد ما تزوجت عمروا، قال ابو یوسف رحمہ اللہ یقضی لزید وعلیہ الفتوی[۱]

ترجمہ: استفتا: اگر زید اور عمرو دونوں زینب کے بارے میں اپنی منکوحہ ہونے کا دعویٰ کریں۔ زینب یہ کہے کہ میں نے عمرو کی بیوی ہونے کے بعد اپنے آپ کو بحیثیت بیوی کے زید کے سپرد کر دیا تو شرعاً زینب زید کی بیوی متصور ہوگی یا عمرو کی؟

جواب: زید کی۔!

فتاویٰ خانیہ میں ہے کہ اگر زید اور عمرو ایک عورت کے نکاح کا دعویٰ کریں اور عورت یہ کہے کہ میں نے عمرو سے نکاح کرنے کے بعد زید سے نکاح کر لیا تھا تو اس صورت میں امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ اس کا فیصلہ زید کے حق میں کیا جائے گا۔ اور یہی مفتیٰ بہ ہے۔

کتاب الزکوٰۃ

اس میں زکوٰۃ کے مسائل و احکام بہ تفصیل بیان کیے گئے ہیں۔ متن کتاب میں یہ باب الزکوٰۃ ہے اور فہرست مضامین میں کتاب الزکوٰۃ۔ زکوٰۃ کے سلسلے میں جو مسائل بیان کیے گئے ہیں، ان میں سے بعض نہایت اہم ہیں۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ فقیہ کی نظر کتنی دور رس اور ہمہ گیر ہوتی ہے اور وہ مسئلہ کے ایک ایک جزئیہ کو گرفت میں لے آتی ہے۔ مثال کے طور پر زکوٰۃ کے ضمن میں یہ مسئلہ کس درجہ اہمیت رکھتا ہے۔

مال دار کے لیے عطیۂ سلطانی حلال نہیں

استفتا: اگر مردے کہ اورا صدقہ ستدن حلال نیست، اگر بادشاہے آں را عطیہ می دہد، شرعاً اورا افضل قبول کردن عطیہ است یا ترک او؟

جواب: افضل آنست کہ قبول نکند۔

فی الواقعات الحمامیۃ. رجل لا یحل لہ اخذ الصدقۃ فالافضل لہ ان یقبل جائزۃ السلطان لانہا یشبہ الصدقۃ. ولا یحل لہ قبول الصدقۃ[۲]

[۱] ورق ۱۷۶
[۲] ورق ۱۲۴

ترجمہ: استفتا: ایک شخص پر صدقہ حلال نہیں ہے، اگر بادشاہ اس کو عطیہ دے تو شرعاً افضلیت کس بات میں ہے۔ اس کو قبول کرنے میں یا رد کر دینے میں؟

جواب: افضلیت اس میں ہے کہ وہ اس عطیہ کو قبول نہ کرے۔

الواقعات الحسامیہ میں ہے کہ جس شخص پر صدقہ لینا حلال نہیں، اس کے لیے افضلیت اس میں ہے کہ سلطان کا عطیہ قبول نہ کرے کیونکہ یہ صدقہ ہی سے مشابہت رکھتا ہے، اور صدقہ لینا اس کے لیے حلال نہیں۔

حکمران کسی خاص وجہ سے کسی کا خراج معاف کرنے کا مجاز نہیں

اب صدقہ کی ایک اور صورت ملاحظہ ہو۔ اس سے واضح ہو گا کہ حکمران کا کسی پر مہربان ہو کر اس کو اموال عطایا سے نوازنا اور کسی بہانے سے بھی اس کو کچھ دینا نہ شرعاً حکمران کے لیے جائز ہے اور نہ لینے والے کے لیے۔ مصنف لکھتے ہیں:

استفتا: اگر بادشاہے یا والی زید را برائے صرف خراجِ زمین او بخشید، شرعاً بادشاہ و والی را چنیں ہبہ کردن شاید و مر زید را شاید کہ قبول کند یا نے؟

جواب: نے۔!

فی الواقعات الحسامیۃ: الوالی اذا وھب رجلا خراج ارضہ لا ینبغی ان یقبل لان الخراج صدقۃ الارض وھو حق المسلمین فلا یجوز لہ ان یختص ھکذا ذکر ھھنا وھذا عندنا ویجوز اذا کان اھلا لذلک[1]

ترجمہ: استفتاء: اگر بادشاہ یا والی زید کو گزارے کے لیے زمین کا خراج بطور عطیہ کے بخش دے تو شرعاً بادشاہ اور والی کے لیے ایسا کرنا اور اسے یہ خراج بطور عطیہ کے دینا جائز ہو گا اور پھر خود زید کے لیے اس کو قبول کرنا روا ہو گا یا نہیں؟

جواب: نہیں۔!

واقعات الحسامیہ میں ہے کہ والی اور حکمران زمین کا خراج کسی شخص کو ہبہ کر دے تو اس کے لیے اس کو قبول کرنا جائز نہیں، اس لیے کہ خراج کی حیثیت زمین کے صدقہ

---

[1] ورق ۱۲۵

Marfat.com

کی ہے اور اس پر تمام مسلمانوں کا برابر کا حق ہے۔ بادشاہ کو یہ جائز نہیں کہ کسی فرد واحد کے لیے اسے مخصوص کر دے۔ یہاں اسی طرح مرقوم ہے اور ہمارے نزدیک یہی صحیح ہے۔ البتہ اگر وہ اس کا مستحق ہو تو اسے دینا اور اس کا قبول کرنا جائز ہوگا۔

ایک روز کی خوراک بھی ہو تو صدقہ مانگنا جائز نہیں

صدقہ قبول کرنے میں کس درجہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس سے بچنا اور کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے سے احتراز کرنا کتنا ضروری ہے۔ اس بارے میں مخطوطہ میں مرقوم ہے:

استفتا: اگر زید قوتِ یک روز دارد اورا سوال کردن از مردماں شاید یا نے؟

جواب: نے۔

فی الواقعات الحسامیۃ۔ ولا ینبغی لاحد ان یسأل الناس وعندہ قوت یومہ۔ لان السوال لا یجوز الا لضرورۃ ولا ضرورۃ ھھنا[1]

ترجمہ: استفتا: اگر زید کے پاس ایک روز کی خوراک ہو تو اس کے لیے سوال کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: نہیں۔

الواقعات الحسامیہ میں ہے کہ کسی ایسے شخص کو جس کے پاس ایک دن کا سامان خوراک موجود ہے۔ یہ جائز نہیں کہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلائے۔ اس لیے کہ جب تک ضرورت نہ ہو، سوال نہیں کرنا چاہیے اور یہاں ضرورت نہیں (کیونکہ ایک دن کی خوراک موجود ہے)

پہاڑوں اور جنگلوں سے دست یاب شدہ شہد اور میوے پر عشر واجب ہے

کتاب الزکوٰۃ میں مسئلہ عشر سے متعلق بھی بحث کی گئی ہے، اور خالص فقہی انداز میں اس کے بارے میں بعض تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ مثلاً

استفتا: اگر مردے میوہ یافت در درختاں یا شہد در کوہ یا در بیاباں آں را مالکے نیست، شرعاً در آں میوہ و شہد عشر واجب شود یا نے؟

---

[1] ورق ۱۲۵۔

جواب: شود۔

فی الینابیع. لو وجد ثمارا او فاکہۃ فی الاشجار او عسلا فی الجبال او بریۃ لا مالک لھا، ففیہ العشر۔[1]

ترجمہ: استفتا: اگر کسی شخص کو ایسے درختوں سے میوہ حاصل ہو جاتا ہے یا ایسے پہاڑوں اور جنگلوں سے شہد دستیاب ہو جاتا ہے، جن کا کوئی مالک نہیں۔ کیا شرعاً اس میوے اور شہد میں سے عشر واجب ہو گا یا نہیں؟

جواب: ہو گا۔

اس کی تائید میں ینابیع کے حوالہ سے بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص میوے اور فواکہ ایسے درختوں میں پائے یا ایسے پہاڑوں اور بیاباں میں سے ایسا شہد حاصل ہو جائے جو کسی کی ملکیت نہیں تو اسے عشر ادا کرنا پڑے گا۔

کتاب السیر والبغاۃ

فتاویٰ قراخانی جس دور میں مرتب کیا گیا، وہ بادشاہت کا دور تھا۔ اور بادشاہوں کے محلوں کے آداب عجیب و غریب نوعیت کے ہوتے تھے۔ ان کی مجالس میں بعض اوقات بہت سے ایسے خلافِ شرع امور کا ارتکاب بھی ہوتا تھا جو شرک کی حد تک پہنچ جاتے ہیں۔ ان میں ایک سجدہ تعظیمی یا سجدہ تحیہ ہے۔ فاضل مصنف نے اس مسئلہ پر بھی بحث کی ہے اور اس قسم کے سجدہ کی تائید کرنے سے گریز کیا ہے۔ اس ضمن میں مصنف کے الفاظ یہ ہیں:

سجدہ تعظیمی

استفتا: اگر مسلمانے را گفتند کہ بادشاہ را سجدہ کن والا ترا ہم کشت، شرعاً ایں مسلمان را افضل چیست، سجدہ کند یا نے؟

جواب: نے۔

فی الواقعات، اذا قیل للمسلم اسجد للملک والا قتلناک

[1] ورق ۱۲۹۔

فالافضل ان لا یسجد لانہ کفر والافضل ان لایاتی بما ھو کفر صورۃ وان کانت حالۃ الاکراہ۔

ترجمہ: استفتا: اگر مسلمان سے کہا جائے کہ بادشاہ کو سجدہ کرو ورنہ ہم تمہیں قتل کر دیں گے۔ شرعاً اس مسلمان کے لیے افضل کون سی بات ہے۔ سجدہ کرے یا نہ کرے؟

جواب، نہ کرے۔

واقعات میں ہے کہ اگر مسلمان سے یہ کہا جائے کہ بادشاہ کے سامنے سجدہ کرو ورنہ ہم تمہیں قتل کر دیں گے، تو افضلیت کا تقاضا یہ ہے کہ سجدہ نہ کرے کہ ایسا کرنا کفر ہے اور افضل یہ ہے کہ کفر کا ارتکاب نہ کرے، اگرچہ حالتِ اکراہ ہو۔

لیکن ساتھ ہی یہ لکھا ہے، «ماقولھم اگر سجدۂ تحیت از خوفِ بادشاہ مے کند شرعاً دریں کافر شود یا نے؟

جواب: نے۔

یعنی اس مسئلہ سے متعلق فقہا کی کیا رائے ہے کہ اگر بادشاہ کے خوف سے سجدہ تحیہ کر لے، شرعاً اس صورت میں وہ کافر قرار پائے گا یا نہیں؟

جواب: نہیں۔

آگے اس جواب کی تائید میں واقعات حسامیہ کی عبارت نقل کی گئی ہے، جس میں بتایا گیا ہے کہ سجدہ تعظیمی و تحیہ بادشاہ کے خوف سے کیا جائے تو کفر نہیں۔[2]

دار الحرب میں قرآن مجید

اسی ضمن میں فتاویٰ قراخانی کے مصنف نے اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ دار الحرب میں قرآن مجید لے کر جانا چاہیے یا نہیں؟ اگر لے جایا جائے تو کب اور نہ جایا جائے تو کس صورت میں؟ مصنف لکھتے ہیں۔

استفتا: اگر مصحف در دارِ حرب می برد تا قرآن بخواند، چوں لشکر عظیم است وخو

---

[1] کتاب میں یہ لفظ ان «یسجد» ہے، جس کے معنی ہیں «سجدہ کرے» لیکن سیاق سے ظاہر ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہے۔ دراصل لفظ ان «لا یسجد» ہے۔ یعنی سجدہ نہ کرے۔ [2] ورق ۲۹۸۔

تلف و استخفاف مصحف نیست، شرعاً روا باشد بردن بخود یا نے؟

جواب: باکے نیست۔

فی الفتاوی الخانیۃ: ولا باس بادخال المصحف دار الحرب لقراءۃ القرآن اذا کان العسکر عظیما۔

فی الھدایۃ: لا باس باخراج النساء والمصاحف مع المسلمین اذا کان عسکرا عظیما تؤمن علیھا لان الغالب ھو السلامۃ والغالب کالمتحقق

ترجمہ: استفتا: اگر تلاوت کی غرض سے کوئی شخص دار الحرب میں قرآن مجید اس صورت میں اپنے ساتھ لے جائے کہ مسلمانوں کی فوج بہت بڑی تعداد میں ہے اور قرآن مجید کے تلف اور استخفاف کا کوئی خطرہ نہیں، تو شرعاً ایسا کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

جواب: کوئی حرج نہیں۔

فتاویٰ الخانیہ میں ہے کہ جب مسلمانوں کا لشکر بہت بڑا ہو تو دار الحرب میں بغرض تلاوت قرآن پاک لے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ہدایہ میں ہے کہ جب عساکر اسلام اتنی کثیر تعداد میں ہوں کہ ان پر اعتماد کیا جا سکے تو مسلمانوں کے لیے اپنے ساتھ عورتیں اور قرآن مجید لے جانے میں کوئی حرج نہیں اس لیے کہ گمان غالب یہ ہے کہ اس میں سب سلامت رہیں گے اور گمان غالب یقین کا درجہ رکھتا ہے۔

لیکن اگر عساکر اسلام کم تعداد میں ہوں تو پھر؟ اس ضمن میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

وما قولھم اگر سریہ است یعنی لشکر اندکے است بقدر صد سوار ست، شرعاً مصحف بردن در جنگے مکروہ باشد یا نے؟

جواب: باشد۔

فی الھدایۃ: یکرہ اخراج ذلک فی سریۃ لا یتیقن من علیھا لان فیہ تعریض المصحف علی الاستخفاف فانھم یستخفون بھا ... لقولہ علیہ السلام لا تسافروا

بالقرآن فی ارض العدو۔[1]

ترجمہ: مگر اس بارے میں کیا رائے ہے کہ اگر مسلمان بشکل سریہ نکلیں یعنی ان کی فوج بہت کم تعداد میں ہو مثلاً بقدر سو سوار کے۔ کیا اس صورت میں جنگ میں قرآن مجید ساتھ لے جانا شرعاً مکروہ ہوگا یا نہیں؟

جواب: مکروہ ہوگا۔

ہدایہ میں ہے کہ قرآن مجید کا اتنے تھوڑے لشکر کی صورت میں جس پر پورا اطمینان نہ ہو، ساتھ لے جانا مکروہ ہے۔ اس لیے کہ اس طرح استخفاف کے لیے ان کے سامنے قرآن کو پیش کرنا ہے اور وہ اس کا استخفاف کریں گے..... اور اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کی رو سے احتراز کرنا چاہیے کہ قرآن کو ساتھ لے کر دشمن کی سرزمین میں سفر نہ کرو۔

ذمی اور ان کی عبادت گاہیں اسلامی حکومت میں

اسی باب میں مصنف نے اس مسئلہ کو بھی موضوعِ بحث بنایا ہے کہ اسلامی حکومت میں غیر مسلم اور اہلِ ذمہ کے بت خانے اور عبادت گاہیں قائم و محفوظ رہنے چاہییں یا نہیں؟ مصنف فرماتے ہیں:

استفتا: اگر اہلِ ذمہ در آں دہ ہا بت خانہ قدیم دارند، شرعاً مسلمانان را رسد کہ آں بت خانہا خراب کنند یا نے؟

جواب: نے۔

فی الزیادات فان کان لھم فی تلک القری بیع وکنائس قدیمۃ ترکت علی حالہا لم یمنع ولو یتعرض الیھم اھلہ صلح فلیستحقون ترک التعرض لھم کذلک الا تری انہ لا یجوز التعرض لھم فی اخذ شیء من اموالھم واملاکھم وزراعتھم فی تلک المواضع۔[2]

ترجمہ: استفتا: اگر ذمیوں کے ان شہروں میں (جو اب مسلمانوں کی حکومت میں آ گئے ہیں) پہلے سے بت خانے موجود ہوں تو شرعاً مسلمانوں کو ان بت خانوں کو ڈھانے

---

[1] ورق ۴۰ ، ۳۰۵۔ [2] ورق ۳۱۸۔

اور مسمار کر دینے کا حق پہنچتا ہے یا نہیں ؟

جواب : نہیں ۔

زیادات میں ہے اگر ان شہروں میں قدیم سے گرجے اور معبد موجود ہوں تو انھیں اسی پہلی حالت پر رہنے دیا جائے گا اور ان کو ان سے روکا نہیں جائے گا اور ان اہل صلح سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا اور وہ اس بات کے مستحق ہیں کہ ان سے تعرض نہ کیا جائے ۔ اسی طرح کیا تم نہیں جانتے کہ ان مواضع میں ان کے اموال ، املاک اور زراعت کے سلسلے میں بھی ان سے تعرض نہیں کیا جائے گا ۔

ذمی اور اسلامی حکومت میں خمر و خنزیر کی فروخت

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت میں اہل ذمہ خمر اور خنزیر کی خرید فروخت کر سکتے اور ناقوس بجا سکتے ہیں یا نہیں ؟ اس سلسلے میں مصنف کے الفاظ اور ان کا ترجمہ ملاحظہ ہو :

استفتا : اگر ذمیاں در دہہائے خمر و خنزیر فروختند و ناقوس می زنند ، شرعاً ایشاں را میر از فروختن خمر و خنزیر و زدن ناقوس منع کند یا نے ؟ ———— جواب : کند ۔

فی الزیادات . فلیس لھم ان یبیعوا فیھا خمراً و خنزیراً و ان یضربوا فیھا ناقوساً

ترجمہ : استفتا : اگر ذمی ان (اسلامی مملکت کے) دیہات و قصبات میں خمر اور خنزیر فروخت کریں اور ناقوس بجائیں تو شرعاً امیر مملکت ان کو خمر و خنزیر کی فروخت اور ناقوس بجانے سے منع کرے یا نہ ؟

جواب : کرے ۔

زیادات میں ہے کہ ان کو اجازت نہیں کہ وہ اس (اسلامی مملکت) میں خمر یا خنزیر بیچیں اور ناقوس بجائیں ۔

اگر کفار مسلمانوں پر غلبہ حاصل کر لیں

کفار اگر مسلمانوں پر غالب آجائیں اور ان پر فتح حاصل کر لیں اور ان سے ان کے

ورق ۳۱۸

اموال واملاک کا مطالبہ کریں تو اس صورت میں مسلمانوں اور ان کے امیر کو کیا کرنا چاہیے۔

اس سلسلے میں مصنف لکھتے ہیں :

استفتا : اگر کفار قہرہم اللہ شہرے از شہرہائے مسلماناں غالب آمدند ومحاصرہ کردند واز مسلماناں مال می خواہند تا صلح کنند وامان دہند، شرعاً مسلماناں را شاید که مال بکفار دہند یا نے؟

جواب : نے۔

فی الہدایۃ: وان حاصر العدو المسلمین وطلبوا الموادعۃ علی مال یدفعہا المسلمون الیہم لا یفعل الامام لما فیہ من اعطاء الدنیۃ والحاق المذلۃ باہل الاسلام

ترجمہ : اگر کفار، اللہ انھیں ذلیل کرے، مسلمانوں کے کسی شہر کا محاصرہ کریں اور مسلمانوں سے یہ مطالبہ کریں کہ ان سے صلح کرنے اور ان کے امان و تحفظ کی ضمانت کی صورت یہ ہے کہ وہ اپنے اموال ان کے حوالے کر دیں تو از روئے شریعت مسلمانوں کو اپنے مال کفار کے حوالے کر دینے چاہییں یا نہیں؟

جواب : نہیں۔

ہدایہ میں ہے کہ اگر دشمن مسلمانوں کو محصور کر لیں اور وہ صلح اور امان کے بدلے میں ان سے مال کا مطالبہ کریں تو ایسی صورت میں مسلمانوں کا امام و امیر ان کفار کی بات مانے کیونکہ اس کا معنی یہ ہوگا کہ وہ خود مسلمانوں کی حفاظت کی ذمہ داری سے دست بردار ہو گیا ہے اور یہ ذمہ داری دوسروں یعنی کفار کے سپرد کر دی ہے اور اس نے مسلمانوں کو ذلت سے دوچار کر دیا ہے۔

لیکن ساتھ ہی لکھا ہے۔ ومافوقہم اگر مال بر ایشاں بدہند بخوف آں باشد نعوذ باللہ من ذلک کہ مسلماناں را ہلاک کنند، شرعاً دریں صورت مال دادن برایشاں درست باشد یا نے؟

جواب : باشد۔

فیہ را (الہدایۃ) ایضا. لا اذا خاف الہلاک لان دفع الہلاک واجب بای طریق

۱؎ ورق ۳۱۶/۳۱۵

ترجمہ: اس بارے میں کیا رائے ہے کہ اگر وہ (مسلمان) ان (کفار) کو اس خوف و خطرہ کی وجہ سے مال دے دیں کہ نعوذ باللہ وہ مسلمانوں کو ہلاک کر دیں گے تو ازروئے شریعت اس صورت میں ان کو مال دینا درست قرار پائے گا یا نہیں؟

جواب: درست قرار پائے گا۔

اسی ہدایہ) میں ہے کہ اس وقت (کفار کو مال دینے سے انکار نہ کریں جب ہلاکت کا خطرہ درپیش ہو، کیوں کہ ہلاکت کے خطرہ کو دور کرنا جس طریق سے بھی ممکن ہو، واجب ہے۔

کتاب الجزیۃ والخراج

مصنف فتاویٰ قراخانی نے دیگر مسائل فقہ کی طرح، کتاب الجزیہ والخراج میں مسائل جزیہ اور خراج کے تمام اہم گوشوں پر بھی بحث کی ہے اور اس کی تفصیلات کو حیطۂ تحریر میں لاتے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں۔

استفتا: اگر مردے ذمی زمین موات را احیا کرد، احیائے صحیح۔ شرعاً ایں زمین را مالک شود یا نے؟

جواب: شود۔!

فی الکافی لمولانا حافظ عماد الدین رحمہ اللہ ویملکہ الذمی بالاحیاء کما یملکہ المسلم لان الاحیاء سبب الملک وھو کالمسلم فی سائر اسباب الملک[1]

ترجمہ: استفتا: اگر ذمی بنجر زمین آباد کرے اور صحیح وکمل طور سے آباد کرے تو شرعاً یہ شخص اس زمین کا مالک قرار پائے گا یا نہیں؟

جواب: مالک قرار پائے گا۔!

---

[1] ورق ۲۲۲

الکافی میں مولانا حافظ عماد الدین رحمہ اللہ فرماتے ہیں، زمین آباد کرنے کی وجہ سے ذمی، اس کا ٹھیک اسی طرح مالک ہوگا، جس طرح کہ مسلمان مالک ہوتا ہے۔ اس لیے کہ زمین کو آباد کرنا ملک کا سبب بنتا ہے اور وہ تمام اسباب ملک میں مسلمان کی مانند ہیں

یہ پوری کتاب شروع سے آخر تک اسی طرح سوال و جواب کی صورت میں ضبط تحریر میں لائی گئی ہے اور فقہ کی ایک اہم کتاب ہے۔

(۳)

فوائد فیروز شاہی

فیروز شاہ تغلق کے عہد کا ایک فقہی مخطوطہ

فیروز شاہ تغلق آٹھویں صدی ہجری میں ہندوستان کا مشہور بادشاہ ہوا ہے۔ یہ ۷۰۹ھ (۱۳۰۹ء) میں پیدا ہوا۔ بیالیس سال کی عمر میں ۷۵۲ھ (۱۳۵۱ء) میں تخت حکومت پر متمکن ہوا اور اسی برس کی عمر پاکر ۷۹۰ھ (۱۳۸۹ء) میں فوت ہوا۔

عہد فیروز شاہ تغلق کے علمائے کرام

فیروز شاہ تغلق کو علما سے نہایت تعلق خاطر تھا۔ اس کے دور حکومت میں مندرجہ ذیل علما و فقہا کے نام تاریخ کی کتابوں میں مرقوم ہیں۔

شیخ اسمٰعیل بن محمد ملتانی، قاضی ابوحنیفہ بھکری سندھی، شیخ احمد بن یحییٰ منیری، شیخ امام الدین دہلوی، امیر تاتارخان دہلوی، مولانا جلال الدین رومی، شیخ اسحاق مغربی، مولانا شمس الدین باخرزی، قاضی ضیاء الدین برنی، مولانا عالم بن علا اندرپتی، قاضی ضیاء الدین سمنانی، قاضی جلال الدین کرمانی، شیخ جلال الدین حسین بن احمد بخاری، شیخ عبدالعزیز اردبیلی، شیخ عثمان بن داؤد ملتانی۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سے علما و فقہا کے نام مختلف تذکروں میں ملتے ہیں اور ان میں سے اکثر کے حالات بھی دستیاب ہیں، مگر صفحات کی تنگ دامانی اس سے زیادہ کی اجازت نہیں دیتی۔

فیروز شاہ تغلق کا دور حکومت امن و امان، عدل و انصاف، علم و فضل اور نیکی و تقویٰ کا دور تھا۔ خود بادشاہ معدلت گستری میں معروف، علم و علما کا قدردان اور صلحا و صوفیا کا معتقد تھا۔

Marfat.com

اس کے دور میں متعدد نامور علما پیدا ہوئے اور کئی کتابیں حیطۂ تحریر میں آئیں، جن میں مولانا امام ہمام صدرالملت والدین یعقوب مظفر کرانی کی "فقہ فیروز شاہی" خاص طور سے لائق تذکرہ ہے، اور یہ بشکل مخطوطہ انڈیا آفس لائبریری لندن میں موجود ہے۔[1]

یہ کتابیں اس بات کی وضاحت کناں ہیں کہ فیروز شاہ علم و علما اور فقہ و فقہا سے وابستگی رکھتا تھا۔ اور اپنی قلمرو میں اس کی نشر و اشاعت کے لیے کوشاں رہتا تھا۔

فوائد فیروز شاہی

اس زمانے کی تصانیف میں سے ایک اہم کتاب "فوائد فیروز شاہی" ہے۔ یہ کتاب اس دور کے ایک ذی علم بزرگ شرف محمد عطائیؒ کی تصنیف ہے اور متعدد مسائل پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہوئی۔ مخطوطہ کی شکل میں اس کا ایک نسخہ پنجاب یونی ورسٹی لائبریری (لاہور) میں موجود ہے۔

یہ مخطوطہ دو جلد (ان ہی مجلد اور محفوظ) ہے۔ پہلی جلد مع فہرست کے ۲۰۹ اوراق پر مشتمل ہے۔ دوسری جلد ۲۱۰ سے شروع ہوکر ۴۳۷ اوراق پر ختم ہوتی ہے۔ سرورق پر کتاب کا نام یا اس سے متعلق کوئی شئے درج نہیں بلکہ ادھر ادھر کی اور ہی چند سطور مرقوم ہیں۔ صفحہ ۲ اور ۳ پر ابتدائیہ ہے۔ فہرست کتاب بیس صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اور یہ سرخ اور سیاہ دونوں قسم کی روشنائی سے لکھی گئی ہے۔ دوسرا صفحہ جس سے کتاب کا آغاز ہوتا ہے مع بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ۱۴ سطور کا ہے اور تیسرا صفحہ ۱۲ سطور پر مشتمل ہے جس پر باریک قلم سے حاشیہ بھی ہے بعض الفاظ سرخ روشنائی سے خط کشیدہ بھی ہیں۔ کچھ الفاظ کا بین السطور ترجمہ دیا گیا ہے اور چند الفاظ جمع کے واحد درج کیے گئے ہیں۔ فہرست صفحہ ۴ سے شروع ہوتی ہے فہرست سے بعد کے تو صفحے اکیس اکیس سطر کے ہیں اور ان پر باریک قلم سے گنجان حواشی بھی ہیں۔ اس سے اگلا صفحہ ۱۹ سطر کا ہے۔ اور حاشیہ اس کا بھی گنجان اور باریک ہے آگے چل ۱۹، ۱۷ اور ۱۶ سطر کے صفحے ہیں اور کہیں کہیں حواشی بھی ہیں۔ ان کا کاغذ خاکی کا ہے جو مضبوط اور دبیز ہے۔ ہر ورق کرم خوردہ ہے اور اس میں بے شمار سوراخ ہیں

---

[1] ملاحظہ ہو کیٹلاگ آف انڈیا آفس لائبریری لندن۔ حصہ فارسی ص ۱۳۷۷ ۔ نمبر ۲۵۶۲

بعض مقامات پر الفاظ سوراخوں کی زد میں آ گئے ہیں لیکن ان کو پڑھنے اور سمجھنے میں تکلیف نہیں ہوتی۔ البتہ ابتدائی دو صفحات زیادہ زخمی ہیں، جن کے بعض حصوں پہ جلد ساز نے سفید رنگ کا باریک سا کاغذ چسپاں کر دیا ہے اور الفاظ اس کاغذ کے نیچے آ گئے ہیں جن کی وجہ سے ان الفاظ کا پڑھنا اور سمجھنا ناممکن ہو گیا ہے۔ مخطوطے کا سائز ½ ۸" × ½ ۹" ہے۔

معلوم ہوتا ہے پرانے دور کے کاتبوں نے بعض حروف کی پہچان کے لیے کچھ خاص قسم کی علامتیں مقرر کر رکھی تھیں، جو اس مخطوطے کی کتابت میں بھی پائی جاتی ہیں۔ مثلاً حرف "س" کے نیچے نقطے اس طرح (ﺳ) لکھے گئے ہیں۔ یعنی کاتب نے سنان کو سنان، مجالس کو مجالس، ترسم کو ترسم، سعدی کو سعدی، اور نشستن کو نشستن لکھا ہے۔ البتہ سیف الدین کی "س" کے نیچے نقطے نہیں دیے گئے۔ بعض مقامات پر سعدی کی "س" بھی ان نقطوں سے خالی ہے۔

اسی طرح "گ" کو "ک"، اور "چ" کو "ج" لکھا ہے۔ اور "ہ" کے منہ سے کا انداز کتابت یہ "ح" ہے اور "م" کا یہ "ﻤ"۔

فہرست

فہرست کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہوتا ہے اور اس کے نیچے یہ الفاظ ہیں:
"فہرست الابواب من الکتاب فوائد فیروزشاہی"

اس کا بیرۂ فہرست چار اقسام، ایک سو پندرہ ابواب اور پانچ سو چوہتر (۵۷۴) فصول کو اپنے دامن صفحات میں سمیٹے ہوئے ہے۔ ترتیب فہرست اس طرح ہے کہ پہلے تو فہرست ہی میں ہر اہم مسئلہ سے متعلق ایک باب قائم کیا گیا ہے۔ مثلاً: "باب سی دیکم در جہاد" پھر اس کے تحت اس مسئلہ کے مختلف پہلوؤں سے متعلق الگ الگ چھوٹے چھوٹے ضمنی عنوان "فصل" کے ساتھ قائم کیے گئے ہیں۔ یعنی فصل در شجاعت، فصل در صفت سرلشکر، فصل در متفرقات فصل در غنیمت۔

فہرست کے علاوہ اصل کتاب میں جہاں یہ مسئلہ مذکور ہے وہاں بھی اسی طرح ایک ہی جگہ یہ تمام عنوان اسی ترتیب سے لکھے گئے ہیں بلکہ وہاں بعض ضمنی عنوان فہرست کے عنوانات سے

Marfat.com

زیادہ ہیں۔ پھر اس سے آگے ہر مسئلہ الگ الگ عنوان قائم کر کے بیان کیا گیا ہے۔ یہاں بھی بعض مقامات پر اصل باب کے سلسلے کے ضمنی عنوانات میں مزید اضافہ کیا گیا ہے۔ مطلب یہ کہ فہرست میں تو ضمنی عنوانات لکھنے میں اختصار سے کام لیا گیا ہے لیکن اصل کتاب میں پورے عنوانات دیے گئے ہیں۔ اگر فہرست بھی تمام عنوانات کو حاوی ہوتی تو اس میں کئی صفحات کا مزید اضافہ ہو جاتا۔

مخطوطہ ناقص ہے

لیکن اس کے ساتھ ہی چند عنوانات ایسے بھی ہیں جو فہرست میں تو موجود ہیں مگر اصل کتاب میں مذکور نہیں ہیں۔ مثلاً باب ۱ اور باب ۲، مع فصول کے فہرست میں درج ہیں مگر کتاب میں نہیں ہیں۔ وہ ابواب یہ ہیں۔ باب ہفتاد و یکم۔ در اطاعت امرا و کرم و دولت و حرمت۔ اس کی تین فصلیں ہیں: باب ہفتاد و دوم۔ در بدن کردن بر کسے سخن خستہ و عذر گناہ کردن اس کی بھی تین فصلیں ہیں۔ یہ ابواب پوری کتاب میں مجھے نہیں ملے۔ اس اعتبار سے مخطوطے کا پیش نگاہ نسخہ ناقص ہے

پانچ ابواب جو آخر میں درج ہیں

علاوہ ازیں درج ذیل ابواب مع ذیلی فصول کے فہرست میں تو صحیح ترتیب سے درج ہیں مگر کتاب کے آخر میں دیے گئے ہیں۔

۱۔ باب ہفتاد و چہارم۔ در غیبت و طعنہ و بہتان۔ اس کی پانچ فصلیں ہیں۔

۲۔ باب ہفتاد و پنجم۔ در آزاد کردن بندہ و مکاتبت دمدبر گردانیدن۔ اس کی تین فصلیں ہیں۔

۳۔ باب ہفتاد و ششم۔ در بندہ مجور و ماذون و کنیز کہ ام ولدہ۔ اس کی بھی تین فصلیں ہیں۔

۴۔ باب ہفتاد و ہفتم۔ در کسب و تجارت و دعا بعد منکر۔ اس کی چار فصلیں ہیں۔

۵۔ باب ہفتاد و ہشتم۔ در اجارت و زراعت و شرکت۔ اس کی تین فصلیں ہیں۔

ترتیب عنوانات اور الفاظ میں اختلاف

بعض ابواب و فصول کی ترتیب کتاب کے ابواب و فصول سے مختلف ہے۔ مثلاً فہرست میں "باب در زکوٰۃ" پہلے ہے اور اس کے بعد "باب در سجدہ یا دعا قنوت" ہے۔ لیکن کتاب میں "باب در سجدہ یا دعا قنوت" پہلے ہے۔ اور "باب در زکوٰۃ" بعد میں دیا گیا ہے۔ اسی طرح کئی ابواب میں تقدیم و تاخیر کا یہ عمل چلتا ہے۔ پھر متعدد مقامات پر عنوانات فہرست اور عنوانات

کتاب کے الفاظ میں بھی فرق ہے۔ مثلاً فہرست میں "فصل در ماہیت علم" ہے اور کتاب میں "ماہیت ایمان" ہے اور "ماہیت ایمان" ہی صحیح ہے۔ کیونکہ یہ فصل "باب دوم در ایمان و اسلام" کے تحت قائم کی گئی ہے۔ اور باب کا تقاضا یہ ہے کہ ضمنی عنوان یعنی فصل "در ماہیت ایمان" ہی ہو نہ کہ "در ماہیت علم"۔ اسی طرح فہرست میں "فصل در نشانی ہائے ایمان" ہے۔ اور کتاب میں "فصل در علامات ایمان" ہے۔

باب سوم "در احکام شرع معرفت مذہب سنت و جماعت" کے تحت فہرست میں فصل "در سنت و جماعت" ہے اور کتاب میں "فصل در مذہب سنت و جماعت" ہے۔ یعنی لفظ مذہب کا اضافہ ہے جو صحیح ہے۔

"باب سیزدہم در احکام مسجد" کے تحت فہرست میں ایک عنوان "فصل در بیان مسجد" ہے اور کتاب میں "فصل در بناءِ مسجد" ہے۔

"باب ہفدہم در فضیلت نماز" کے تحت فہرست میں "فصل در تکبیرات اولی" کا عنوان ہے لیکن کتاب میں "فصل در تکبیر اولی" ہے۔

اسی باب میں فہرست میں "فصل حدیث در نماز" ہے اور کتاب میں "فصل حدث در نماز" ہے۔ غرض بہت سے مقامات پر عنوانات میں الفاظ کا یہ فرق پایا جاتا ہے۔

آخری دس صفحات

مخطوطے کے آخر میں دس صفحے باریک کاغذ کے ہیں۔ ان کا قلم کتابت بھی باریک ہے۔ اور یہ صفحات باقی نسخے کی کتابت کی بہ نسبت گنجان بھی ہیں۔ ان دس صفحات میں سے پہلے چھ صفحوں کی سطریں ۲۷ سے ۳۰ تک فی صفحہ ہیں۔ اور ان کا سائز مخطوطے ہی کا ہے۔ ان کے بعد کے دو صفحوں میں سے جو نسبتاً چھوٹے ہیں۔ ایک کی ۲۶ اور ایک کی ۱۹ سطریں ہیں۔ ۱۹ سطور کے صفحہ پر حاشیہ بھی ہے۔ آخری دو صفحے بہت چھوٹے سائز کے ہیں۔ مگر کاغذ کا رنگ ایک ہی ہے۔ جہاں سے ان دس صفحات کا آغاز ہوتا ہے اس سے پتہ نہیں چلتا کہ یہ اسی مخطوطہ کا حصہ ہیں۔ کیونکہ جو مضمون پیچھے سے چلا آرہا ہے وہ ان صفحات کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا اور تسلسل ٹوٹ جاتا ہے جس کی وجہ سے پڑھنے والا پریشان ہو جاتا ہے لیکن صفحات کے

Marfat.com

نمبروں کی ترتیب مسلسل ہے اور اس کی رُو سے یہ صفحات بھی اسی مخطوطے کا حصّہ معلوم ہوتے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ ان دس صفحات میں سے ابتدا کے چھ صفحے فی الواقع مخطوطے کا حصہ ہیں اور یہ ان ابواب پر مشتمل ہیں۔ باب ہفتاد و چہارم، باب ہفتاد و پنجم، باب ہفتاد و ششم، باب ہفتاد و ہفتم، باب ہفتاد و ہشتم۔

یہ وہ ابواب ہیں جو (جیسا کہ گزشتہ سطور میں عرض کیا گیا ہے) فہرست میں تو موجود ہیں لیکن کتاب کا اصل مقام ان سے خالی ہے، یہ ابواب مع فصول کے مرتبِ نسخہ نے آخر میں رکھ دیے ہیں۔ رہے اس کے بعد کے چار صفحے تو ان کے بارے میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی مخطوطے ہی کا حصّہ ہیں۔ ان میں کچھ دعائیہ قسم کا مضمون ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ مخطوطے کا آخری حصہ ہے جسے دعائیہ کلمات کے ساتھ ختم کیا گیا ہے۔

تاریخ کتابت

ان میں کے بالکل آخری دو صفحے بہت چھوٹے سائز کے ہیں۔ ایک ۹ سطر کا ہے اور ایک ۸ سطر کا۔ اور ان دونوں صفحات کے نیچے کا نصف حصّہ خالی ہے۔ آخری صفحہ کی آخری سطر پر تاریخ کتابت مرقوم ہے جو ۱۲ صفر ۱۱۰۵ھ ہے۔ اس حساب سے کہنا چاہیے کہ یہ مخطوطہ قمری حساب کے مطابق آج سے دو سو اکتالیس برس پہلے کا لکھا ہوا ہے لیکن کس نے لکھا ہے اور کہاں لکھا ہے؟ اس کا پتہ نہیں چلتا!

چار نسخے

فوائد فیروز شاہی کے نسخے کہاں کہاں پائے جاتے ہیں؟ اس کی تلاش و جستجو میں بڑی محنت اور تگ و دو کی لیکن پوری سعی و کوشش کے باوجود چار نسخوں سے زیادہ سراغ لگانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

اس کا ایک نسخہ ترکی کی استنبول لائبریری میں ہے جس کا تذکرہ علامہ مصطفیٰ بن عبداللہ المعروف حاجی خلیفہ نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب "کشف الظنون" میں ان الفاظ میں کیا ہے

"فوائد الفیروزشاہیہ۔ فی فروع الحنفیہ[1]"

---

[1] کشف الظنون جلد ثانی۔ کالم ۱۳۰۰۔ مطبوعہ ۱۹۴۳ء (۱۳۶۲ھ)

دوسرے نسخے کا تذکرہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکشن ہی مندرجہ ذیل الفاظ میں ملتا ہے:

" چودھویں صدی مسیحی کے ہندوستانی مسلمان عوام کے جو عقیدے، قصے کہانیوں اور جادو ٹونوں سے وابستہ تھے ان کے متعلق یہ ایک ایسا عجیب دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) ہے جو بہت دلچسپ معلومات بہم پہنچاتا ہے۔ اس کا سائز ۱۰ئ ۳/۴ ۶ئ ہے۔ ہر صفحہ کی سطریں ۱۱ سے ۱۲ تک ہیں۔"[1]

تیسرا نسخہ: خدا بخش لائبریری بانکی پور میں ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

" فوائد فیروز شاہی۔ فرقہ اہل سنت والجماعت کی فقہی معلومات کا جامع و مانع قاموس یا دائرۃ المعارف ہے۔ اس میں دینی، اخلاقی اور لسانی مسائل سے بحث کی گئی ہے اور کثیر التعداد معتبر اور مستند کتابوں کے اقتباسات ہیں۔ شرف محمد العطاری کی تالیف ہے۔ کتاب کے آخر میں مؤلف یہ لکھتا ہے کہ اس نے یہ کتاب ابو المظفر فیروز شاہ تغلق کے نام منتسب کی ہے، جس نے ۷۵۲ھ سے ۷۹۰ھ یعنی مطابق ۱۳۵۱ء تا ۱۳۸۸ء تک حکومت کی ہے۔ اس کتاب کے متعلق فیروز شاہی مورخوں میں سے نہ تو شمس سراج عفیف اور ضیاء الدین برنی کچھ بتاتے ہیں اور نہ سیرت فیروز شاہی میں اس کا تذکرہ ہے۔ اسی مضمون کی ایک اور کتاب "فقہ فیروز شاہی" صدر الدین یعقوب مظفر کرمانی نے بھی لکھی تھی جس کو ان کی وفات کے بعد فیروز شاہ تغلق نے شائع کیا۔ انڈیا آفس لائبریری لندن کے کیٹلاگ میں اس کا تذکرہ موجود ہے اور یہ نسخہ ایک سو پندرہ ابواب پر منقسم ہے۔ مؤلف نے معتبر اور گراں قدر کتابوں سے اقتباس کیا ہے۔ مثلاً شرح طحاوی، ہدایہ، اخلاق الناصری اور بستان فقیہ وغیرہ۔ شعرا میں خسرو، سعدی، نظامی، خاقانی، ہمام الدین تبریزی وغیرہ کے اشعار دیے گئے ہیں۔ یہ نسخہ خوشخط ہے۔ تاریخ کتابت درج نہیں ہے مگر سرورق پر جو نوشتہ ہے وہ یقیناً اسی کے ہاتھ کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے جس نے اس نسخہ کی کتابت کی ہے اس کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی کتابت بمقام جونپور ماہ رجب ۹۰۷ھ میں ہوئی۔ نوشتہ مذکور حسب ذیل ہے۔

---

[1] رائل ایشیاٹک سوسائٹی، بنگال کلکشن، صفحہ ۷۱۵ نمبر ۱۳۸۵

"این کتاب کہ موسوم است بفوائد فیروزشاہی در بلدۂ جون پور استکتاب کردہ شد بتاریخ شہر رجب المرجب سنہ سبعۃ وسبعین وتسمائۃ۔ العبد منعم بن میرم۔"

شروع کتاب میں حاشیہ پر کچھ عبارتیں ہیں ۔ تاریخی قدر و اہمیت کے اعتبار سے یہ نسخہ بہت کچھ قابلِ التفات ہے[۱]

ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکشن (مطبوعہ ۱۹۲۴ء کلکتہ) میں اس کا تذکرہ کچھ زیادہ تفصیل سے کیا گیا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں :

"یہ ایک نہایت دلچسپ مذہبی دائرۃ المعارف ہے جس میں ہر طرح کے عقائد اور ہر ممکن ماحول میں آداب معاشرت وغیرہ کی جامع معلومات درج ہیں۔ قطع نظر اس کی مذہبی قدر و قیمت کے کتاب قصے کہانیوں اور زمانۂ وسطیٰ یعنی آٹھویں صدی عیسوی سے لے کر سولھویں صدی تک کے ہندوستانی مسلمانوں کے متعلق بہت دلچسپ اور وسیع معلومات فراہم کرتی ہے۔ مؤلف اپنا نام شرف الدین العطائی بتاتا ہے اس نے اس کتاب کو فیروز شاہ تغلق کے نام معنون کیا ہے جو غالباً دہلی کا فیروزشاہ ثالث (۷۵۲ - ۷۹۰ھ) ہے جس نے مذہبی لٹریچر کی سرپرستی کی۔ یہ تالیف ایک سو پندرہ ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب کی مختلف فصلیں ہیں۔

آخری حصہ قدرے ناقص ہے، جس میں آخری باب کا ابتدائی حصہ غائب ہے۔ تعارف میں فہرست مضامین موجود ہے۔ اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے

الحمد للہ الحنان الذی خلقنا من الانسان الخ"[۲]

چوتھا نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری (لاہور) میں ہے، جو اس وقت پیشِ نگاہ ہے۔

تقابل

مصنف اور مضامین کتاب کے بارے میں کچھ عرض کرنے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مخطوطے کے تعارف کے سلسلے میں مختلف مجموعہ ہائے فہارس کتب میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا تقابلی جائزہ لیا جائے۔

---

[۱] ۲۴۶۵ - فوائد فیروزشاہی۔ خدا بخش لائبریری بانکی پور۔ [۲] ص ۵۱۷۔

اس ضمن میں سب سے پہلے کشف الظنون، کو لیجیے۔ اس میں صرف کتاب کے نام اور اس کے موضوع کا ذکر کیا گیا ہے۔ باقی تفصیلات اور مصنف کا نام نہیں بتایا گیا۔ معلوم نہیں استنبول لائبریری کے نسخے میں یہ باتیں درج ہیں یا نہیں!

اس کے بعد رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکشن کو سامنے رکھیے۔ اس میں اس سے متعلق جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے: یہ الفاظ مرقوم ہیں

"یہ کتاب چودھویں صدی عیسوی کے مسلمان عوام کے جو عقائد، قصے کہانیوں اور جادو ٹونوں سے وابستہ تھے، ان کا ایک معلومات افزا اور عجیب و غریب دائرۃ المعارف ہے"!

اس کتاب میں ... FOLKLORE کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جس کے معنے قصے کہانیوں، رسوم و عوامی ... گیتوں کے ہیں۔ ... کی اس میں اس قسم کی باتیں بالکل نہیں ہیں۔ ہاں! اس میں امام غزالی اور دوسرے بزرگانِ دین سے منقول کچھ نصیحت آموز واقعات اور اصلاحی حکایات اور فارسی کے اشعار ضرور درج ہیں، اور ان کا تعلق قصے کہانیوں یا لوک گیتوں سے نہیں بلکہ اصلاح و موعظت، پاکیزگی قلب و ذہن اور تزکیۂ النفس سے ہے۔ اصلاحی امور کے بیان میں کنز العباد[1] کا نام بھی کتاب میں بار بار آتا ہے۔

جادو ٹونے کے بارے میں اس کلکشن میں (MAGIC) اور (WITCHCRAFT) کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔ حالانکہ اس کتاب میں نہ جادوگری کے مباحث ہیں، نہ جنوں اور بھوتوں کی کہانیاں ہیں اور نہ چڑیلوں کے قصے اور ٹونوں کے تذکرے! البتہ "سحر" اور "کہانت" پر ایک باب قائم کیا گیا ہے جو بہت مختصر ہے اور اس میں سحر اور کہانت کی چند سطور میں تغلیط اور تکذیب کی گئی ہے اور اس کا انداز بالکل وہی ہے جو حدیث و فقہ کی دوسری کتابوں کا ہے!

رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکشن سے قاری کے ذہن پر یہ تاثر پیدا ہو سکتا ہے کہ یہ کتاب شاید ان مباحث پر مشتمل ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس میں اس نوع کی کوئی بات درج نہیں۔

---

[1] کنز العباد فی شرح الاوراد۔ شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردی کے اوراد کی شرح ہے، جو فارسی زبان میں علی بن احمد غوری نے لکھی۔ (کشف الظنون جلد ۲، کالم ۱۵۱۷)

ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکشن میں بھی (FOLKLORE) کا لفظ ہے اور اس میں کتاب کا تعارف زیادہ وضاحت سے کرایا گیا ہے۔ ان دونوں مجموعوں میں مصنف کے نام "شرف" کے ساتھ خطوط طلائی میں "الدین" کا لفظ بھی لکھا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ممکن ہے اس کا نام "شرف الدین محمد العطائی" ہو۔ مگر مجھے اس نام کا بھی کوئی شخص کسی کتاب میں نہیں ملا۔

خدا بخش بانکی پور لائبریری کے نسخے کا تعارف بھی گزشتہ صفحات میں درج کیا گیا ہے جس میں مصنف کا نام "شرف محمد عطاری" لکھا ہے، حالانکہ باقی تمام نسخوں اور مجموعہائے فہارس کتب میں "شرف محمد عطائی" درج ہے۔ پھر اس میں لکھا ہے کہ:

"کتاب کے آخر میں مؤلف لکھتا ہے کہ ۳ [illegible] یہ کتاب ابوالمظفر [illegible] فیروز شاہ [illegible]

میرے سامنے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا جو نسخہ ہے۔ اس میں مؤلف نے کتاب کے آغاز میں فیروز شاہ کی طرف اس کا انتساب کیا ہے، آخر میں نہیں۔ پھر تعارف میں بتایا گیا ہے کہ اسی مضمون کی ایک اور کتاب "فقہ فیروز شاہی" ہے اور ساتھ ہی انڈیا آفس لائبریری لندن کے کیٹلاگ کے حوالے سے "فقہ فیروز شاہی" کے مصنف کا نام "صدر الدین یعقوب مظفر کرمانی" لکھا ہے۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں۔ "فقہ فیروز شاہی" صرف فقہی مسائل پر مشتمل ہے، جیسا کہ انڈیا آفس لائبریری لندن کیٹلاگ کے صفحہ پر مذکور ہے اور "فوائد فیروز شاہی" فقہیات کے علاوہ دیگر بے شمار مسائل و مباحث کا بھی احاطہ کیے ہے (جیسا کہ آئندہ سطور میں بیان کیا جائے گا) علاوہ ازیں انڈیا آفس لائبریری لندن کیٹلاگ میں "فقہ فیروز شاہی" کے مصنف کا نام "صدر الدین یعقوب مظفر کرمانی" نہیں لکھا ہے، بلکہ اس طرح لکھا ہے

"مولانا امام ہمام صدر الملت والدین یعقوب مظفر کرامی"[1]

ابتدائیہ

مخطوطے کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

الحمد لله الحميد الحنان الذى خلقنا من الانسان وانطق السنتنا بالبيان والبرهان وجعلنا من امة نبى اخر الزمان الموصوف بالحق العظيم فى القرآن المخصوص سلقية دخول الجنان والصلوة على النبى وعلى اخوانه وآله الاخيار الابرار

[1] ملاحظہ ہو کیٹلاگ انڈیا آفس لائبریری لندن۔ ص ۱۳۷۷ کتاب نمبر ۲۵۶۲

ابتدائیہ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں ہے نسخے کے کاتب کا نام درج نہیں لیکن جس نے اس کی کتابت کی ہے، معلوم ہوتا ہے وہ عربی زبان اور اس کے اسلوب کتابت سے زیادہ واقفیت نہیں رکھتا۔ اس نے "وانطلق الستننا" کو "وانطق الثنا" لکھا ہے اور "بالبیان" "بالحق" "بالعبادۃ" "لاصحاب" وغیرہ الفاظ کو "باالبیان" "باالحق" "باالعبادۃ" اور "لاالاصحاب" لکھا ہے یہاں "ب" اور "لا" کے بعد "الف" کا اضافہ غلط ہے۔

ابتدائی سطور بتاتی ہیں کہ خود مصنف کی عربی بھی کمزور ہے۔ مثلاً آغاز فہرست میں اس نے "فہرست الابواب من الکتاب فوائد فیروز شاہی" لکھا ہے۔ اور یہ غلط ہے۔ [illegible] "کتاب" بالف [illegible] "فہرست الابواب من کتاب فوائد فیروز شاہی" لکھنا چاہیے تھا۔ البتہ اگر "فوائد فیروز شاہی" [illegible] کو "الکتاب" کا بدل مانا جائے تو یہ صحیح ہو سکتا ہے۔ اس صورت میں "الکتاب" کا الف لام "عہد" کا ہوگا۔

کتاب فارسی میں ہے۔ اس کے مصنف کا نام شرف محمد عطائی ہے۔ اور اس نے اس کو ابوالمظفر فیروز شاہ تغلق کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور یہ انتساب اس زمانے کے رواج کے عین مطابق ہے۔ اس دور میں مصنفین اپنی کتابوں کی شہرت واشاعت اور عوام و خواص میں مقبولیت کے لیے ان کا انتساب حکمرانوں اور بادشاہوں کی طرف کر دیتے تھے۔

مصنف

"فوائد فیروز شاہی" کے مصنف شرف محمد عطائی کے حالات معلوم کرنے کے لیے ہم نے بہت سی قدیم وجدید کتابیں دیکھیں۔ مثلاً کیٹلاگ آف انڈیا آفس لائبریری لندن، برٹش میوزیم، سٹوری، فہرست آصفیہ لائبریری حیدرآباد دکن، تاریخ فیروز شاہی (از شمس سراج عفیف جو فیروز شاہ اور اس کے زمانے کی ایک مستند تاریخ ہے، تاریخ فیروز شاہی (از ضیاء الدین برنی) تاریخ فرشتہ، تذکرہ علمائے ہند، نزہۃ الخواطر، تغلق نامہ، منتخب التاریخ اور ان کے علاوہ دیگر متعدد مستند کتابوں کی طرف رجوع کیا اور بہت سے اہل علم حضرات کے باب علم پر دستک دی، مگر فوائد فیروز شاہی اور اس کے مصنف کا کوئی کھوج نہ لگ سکا اور تاریخ کے اوراق نے ان کے بارے میں کچھ معلومات فراہم نہ کیں، لیکن اس عدم ذکر کا یہ معنی نہیں کہ یہ کتاب اور اس کے مصنف تاریخ نگاروں اور تذکرہ نویسوں کے نزدیک لائق اعتنا نہ تھے بلکہ یہ

Marfat.com

محض ایک تساہل ہے اور مؤرخین سے اس قسم کا تساہل ہو جانا کوئی انوکھی اور اچنبھے کی بات نہیں۔
اس عدم ذکر کے کئی وجوہ ہو سکتے ہیں۔ ممکن ہے یونہی بلا قصد و ارادہ کے مؤرخین نے اس کا ذکر نہ کیا ہو۔ یا ہو سکتا ہے، وہ ایک گوشہ گیر اور درویش صفت انسان ہو۔ عام طور پر مؤرخین کسی بادشاہ کے دَور کے انہی لوگوں کو اوراقِ کتاب کی زینت بناتے ہیں جو بادشاہ کے دربار میں حاضر دیتے رہے ہوں اور مؤرخین و وزراء اور اہل دربار کی نظروں کے سامنے رہتے ہوں لیکن بعض اہل علم شاہی درباروں میں حاضر ہونے کے عادی نہیں ہوتے اور وہ نام و نمود کی خواہش سے بالا و بے نیاز رہ کر محض علمی کاموں ہی میں مشغول رہتے ہیں۔ ان کو عام طور پر معاصر مؤرخین اس دور کا "بڑا" اور قابل ذکر آدمی نہیں سمجھتے اور ان کی خدمات گونا گوں چونکہ ان کے وضع کردہ پیمانۂ خاص میں پوری نہیں اترتیں، اس لیے وہ انھیں نظر انداز کر جاتے ہیں اور مناسب نہیں سمجھتے کہ ان لوگوں کو تاریخ کے صفحات میں جگہ دی جائے اور کسی انداز سے بھی ان کا تذکرہ کیا جائے۔

بعض دفعہ یہ بھی ہوتا ہے کہ خود وہ لوگ اتنے اُونچے، بھاری بھرکم، بالغ نظر اور ذی علم ہوتے ہیں کہ ہم عصر مصنف ان کو نشانۂ حسد و رقابت بنا لیتے ہیں اور اپنی رقابت کی بنا پر اپنی کتابوں میں ان کا تذکرہ نہیں کرتے۔ وہ غلط طور پر یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اگر وہ ان کے علم و فضل کی وسعت پذیریوں کو بیان کریں گے تو اس سے خود ان کی اپنی اہانت و کمزوریوں کے پہلو نمایاں ہوں گے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ کسی اہل علم کے ذکر اور اس کی جائز تعریف سے خود مؤرخ کی ذاتی رفعت اس کی قلبی عظمت، فراخ حوصلگی اور اس کے قلم کی غیر جانبداری کی وضاحت ہوتی ہے۔ عین ممکن ہے فوائد فیروز شاہی اور اس کے مصنف کے عدم ذکر میں اسی نوع کے اسباب میں سے کوئی سبب پنہاں ہو، ورنہ اگر آئینۂ کتاب میں مصنف کے علم و فضل کا جائزہ لیا جائے، تو کہنا پڑے گا کہ کتاب علم و فن کے جن گوشوں کو محیط ہے ان میں مصنف کو خاص درک اور گہرائی حاصل ہے اور ہر باب اس کی علمی بے پایانیوں کا غماز ہے، لیکن اگر اس دَور کے مؤرخین ہی کسی کے حالات و کوائف کی نقاب کشائی نہ کریں اور اس سے متعلق قلم و قرطاس کو حرکت میں نہ لائیں تو بعد کے مؤرخین کیونکہ اس کا تذکرہ کر سکیں گے اور اس کے واقعات زندگی کہاں سے تلاش کریں گے۔ متاخرین کا اصل ماخذ اور ذریعۂ معلومات تو متقدمین ہی ہیں

مضامین

مضامین کے اعتبار سے مخطوطے کو چند حصّوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔
ایک حصہ مختلف علوم اور ان کی تعریف و وضاحت سے متعلق ہے۔
ایک حصّے میں عام فقہی مسائل بیان کیے گئے ہیں۔
ایک میں کچھ طبی نوعیت کے معلومات بہم پہنچائے گئے ہیں اور
ایک اخلاقیات اور نیکی و احسان اور اس کے مختلف گوشوں پر مشتمل ہے۔

مختلف علوم اور ان کی وضاحت

اس کتاب کا ابتدائی حصہ مختلف علوم کی تعریف اور وضاحت سے متعلق ہے۔ باب اوّل کا عنوان: "در علم و جہل" ہے۔ پھر قسم اول "در علم" کے بارے میں ہے۔ اس میں علم کے معنی اور مفہوم سے بحث کی گئی ہے پھر الگ الگ فصلیں "ماہیتِ علم" "در شرف علم" اور "تعلیم" کو محیط ہیں۔ اس کے بعد علم صرف، علم نحو، علم حیلہ، علم عروض اور علم حساب کی فصلیں ہیں۔

ان علوم پر مصنف نے بڑی اچھی بحث کی ہے اور ان کے تمام حدود اور گوشوں کو خاصی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ جس علم کے جس پہلو پر بھی اظہار خیال کیا ہے اس میں آسانی پیدا کرنے اور بات قاری کے ذہن میں اتارنے اور راسخ کرنے کے لیے مناسب مواقع پر مثالیں بھی دی ہیں تاکہ مسئلہ زیر نظر کے کسی پہلو میں بیان و اظہار کی کمی اور تشنگی باقی نہ رہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ علوم اس زمانے میں بنیادی اہمیت کے حامل تھے اور علما و طلبا ان کو خصوصیت سے مرکز توجہ ٹھہراتے تھے۔ اسی بنا پر مصنف نے بھی اس کو اولین اہمیت کا مستحق قرار دیا ہے اور اوائلِ کتاب ہی میں ان کو بیان کرنا ضروری گردانا ہے۔ اس میں کوئی ایسی بات تو نہیں ہے جو اس موضوع کی دوسری کتابوں سے مختلف ہو، لیکن اس سے بہرحال اندازہ ہوتا ہے کہ ان علوم کی تحصیل اس زمانے میں ضروری تھی اور خود فاضل مصنف ان پر مجتہدانہ نظر رکھتے تھے۔

حصہ فقہی

اس مخطوطے میں فقہیات کا حصہ بڑا مفصل اور ان تمام عنوانات کا احاطہ کیے ہوئے ہے جو کتب فقہ میں مذکور ہیں مثلاً نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، صدقہ، عیدین، جمعہ، تجارت، بیوع، نکاح، طلاق،

Marfat.com

خلع، ایلا، ظہار، لعان، اجارہ، شراکت، زراعت، احتکار، ہبہ، عشر، خراج، جزیہ، قصاص، دیت، شہادت، تعزیر وغیرہ امور پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

طبی معلومات

ضروری طبی معلومات جس انداز سے کتاب میں مذکور ہیں وہ عام طبی کتابوں سے مختلف ہیں اس میں نبض اور اس کی پہچان کے طریقے، عام امراض اور ان کے علاج بادویات وغیرہ سے بحث نہیں کی گئی بلکہ یہ بتایا گیا ہے کہ کون کونسی اشیا صحت انسانی کے لیے مفید ہیں اور کن کن چیزوں کے استعمال سے کیا فوائد مرتب ہوتے ہیں مثلاً گاجر، سیب، انار، شہد، کدو، خربوزہ میں طبی اعتبار سے جو فوائد مضمر ہیں، ان کی نشان دہی کی گئی ہے۔ اور یہ حصہ کتاب بڑا دلچسپ ہے۔

اخلاقیات

اخلاقیات کا حصہ خصوصیت سے لائق اعتنا ہے۔ اس کو عام فقہی کتابوں سے ہٹ کر موضوع کتاب بنایا گیا ہے۔ اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ سب سے خندہ پیشانی سے پیش آنا چاہیے اور بحیثیت انسان کے ہر ایک کی عزت و تکریم ضروری ہے۔ پھر الگ الگ ابواب کے تحت چھوٹی چھوٹی فصلیں قائم کر کے یہ بیان کیا گیا ہے کہ کس کا احترام کس طرح کرنا چاہیے۔ انسانیت کے کس طبقے سے کس نہج کا برتاؤ کیا جائے! اور کس آدمی کے حدود احترام کیا ہیں؟ مثلاً استاذ کی عزت، والدین کا احترام، اپنے بڑے کی تعظیم، اولاد پر شفقت، چھوٹوں پر رحم، علما کی توقیر، بزرگوں کی قدر و منزلت، اولیا کی تکریم، یہ اخلاقیات کی بنیادی قدریں ہیں اور ان میں جو فرق مراتب ہے اس کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے اور ان کے احترام کے تقاضوں کو پورا کرنا انسانی فرائض میں داخل ہے۔

علاوہ ازیں بیمار کی بیمار پرسی، ضرورت مندوں کی حاجت روائی، غربا و مساکین کی امداد، بے کس کی دیکھ بھال، ماتحت عملے سے حسن سلوک، ہمسایوں سے اچھے تعلقات، دوستوں سے میل جول، عام لوگوں سے ربط و مودت، اہل شہر سے استوار علائق، رشتے داروں سے صلہ رحمی، نرمی گفتار، عذوبت لسان وغیرہ امور کو اخلاق کے جز اساسی قرار دیا گیا ہے۔ اس ضمن میں انسانوں کے علاوہ حیوانوں، مویشیوں اور ڈھوروں پر بھی نظر کرم اور نگاہ شفقت کو ضروری ٹھہرایا گیا ہے۔ ان تمام امور میں حدیث اور فقہ کے حوالے دیے گئے ہیں، اور فقہ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی تمام مکاتب فکر سے استدلال کیا گیا

دیگر مباحث

اس کے علاوہ ترکِ دنیا، زہد و عبادت، صبر و شکر، قناعت و بے نیازی، تحمل و بردباری، انابت الی اللہ، دعا، خلوصِ نیت، صفائی قلب، ایفائے عہد، فوائد خاموشی، نصرتِ مظلوم، عدل و انصاف وغیرہ امور کو بہترین اسلوب سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مکر و فریب، ریاکاری، دھوکا دہی، ظلم و تعدی، حسد و بد ظنی، حرص و آز، طمع و لالچ، نخوت و غرور، عجب و خود پسندی، غیبت و عیب جوئی، بخل، حبِ دنیا، بہتان طرازی، طعن و تشنیع، نکتہ چینی وغیرہ عیوب کی شدید مذمت کی گئی ہے۔

ایک باب میں احتکار و ذخیرہ اندوزی اور ربوا کو بھی حرام قرار دیا گیا ہے۔ اور لونڈی غلام کی آزادی، مکاتبت، تدبیر، ام ولد، بیع مملوک، بیع مملوک صغیرہ، غلام کی خرید و فروخت میں دھوکا بازی وغیرہ مسائل کو بھی موضوع بحث ٹھہرایا گیا ہے۔

کتاب میں خواب و رؤیا پر بھی ایک باب ہے، جس میں خواب دیکھنے والے کے خیالات، انواعِ خواب، خواب میں اللہ تعالیٰ کی رویت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور تعبیر رؤیا پر بھی بحث کی گئی ہے۔

سحر و جادوگری اور کہانت پر بھی ایک باب ہے، جس میں اس کو غلط اور خلافِ شریعت ثابت کیا گیا ہے۔

توبہ و استغفار، گناہ و معصیت، دروغ گوئی اور جھوٹی شہادت پر بھی ایک باب ہے۔ اور یہ مسائل جس نہج سے ضبطِ تحریر میں لائے گئے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف کتاب بڑے نیک اور خدا رسیدہ بزرگ ہیں۔ وراثت، اصحاب فرائض اور عصبات پر بھی ایک باب ہے۔

ایک باب تواریخ خلافت، عشرہ مبشرہ، فضیلت صحابہ اور اصحاب کہف پر مشتمل ہے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلہ میں بھی ایک باب ہے اور ایک باب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود، آپ کے نسب، حلیہ مبارک، تعدادِ ازواج مطہرات اور وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر محتوی ہے۔

شہادت و بہادری، فوج عسکری تنظیم، مال غنیمت اور اس کی تقسیم پر بھی ایک باب قائم کیا گیا ہے۔

یہ چند عنوانات ہیں جن کا بطورِ نمونہ مشتے از خروارے اور اندکے از بسیارے ذکر کیا گیا ہے۔ ورنہ اس قسم کے بے شمار مضامین مخطوطے کے ۳۴۳ اوراق میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ مخطوطہ ہمہ گیر نوعیت کا حامل ہے اور ایک عام انسان کی معلومات میں اضافے کا باعث ہے۔

حصہ فقہیات میں اگرچہ اصل ترجمانی فقہ حنفی کی کی گئی ہے اور اسی مسلک اور زاویہ نظر کو متعین کیا

Marfat.com

گیا ہے تاہم امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے حوالے بھی دیے گئے ہیں اور ان مسالک فقہ کو ساتھ ساتھ چلایا گیا ہے۔ اور یہ مصنف کی وسعتِ علم و فکر اور فراخیٔ قلب کی دلیل ہے کہ انھوں نے صرف ایک ہی فقہی نقطۂ نظر پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تمام مدارسِ فقہ کو واضح کر دیا ہے۔ پھر بعض مسائل میں امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ کے درمیان جو اختلافِ آرا ہے اس کی بھی نشان دہی کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ فتویٰ کے اجرا و نفاذ میں کس امام کی دلیل اور فکر و رائے کو فوقیت حاصل ہے۔

مصنف کی علمی ہمہ گیری

یہ مخطوطہ اس امر کا بھی وضاحت کناں ہے کہ اس دور میں ایک اہل علم کس اسلوب سے مسائل کو ہدفِ بحث ٹھہراتا تھا اور اس کے نظر و بصر کے حدود کتنے وسعت پذیر تھے۔ اگر وہ ایک ہی کتاب میں ایک خاص ترتیب و سلیقہ کے ساتھ مختلف نوعیتوں کے مسائل کو گھیر لیتا ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ وہ بیک وقت عالم دین بھی ہے، معلم و مدرس بھی ہے، فقیہ بھی ہے، قرآن و حدیث کی باریکیوں پر بھی نگاہ رکھتا ہے، آئمہ عظام کے اختلاف رائے سے بھی آگاہ ہے، طبی مسائل سے بھی باخبر ہے، اخلاقی قدروں سے بھی آشنا ہے، حساب و ریاضی اور باقی اصناف علم سے بھی واقفیت رکھتا ہے، تصوف سے بھی اسے لگاؤ ہے، وظائف و اوراد سے بھی وابستگی ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بنیادی فریضہ بھی اس کے سامنے ہے، قلبی و روحانی غذا کا مسئلہ بھی اس کے پیش نگاہ ہے۔ غرض وہ کسی موضوع میں بھی بند نہیں، ظرف و ماحول کی روشنی میں وہ ایک ہی کتاب کے صفحات میں تمام ضروری اور اہم مسائل کو خوب صورتی کے ساتھ سمیٹ دیتا ہے اور یہ اس دور کے لوگوں کی ایک بہت بڑی علمی خدمت کی دلیل ہے۔

یہ مخطوطہ جو مختلف مسائل کا مجموعہ اور متنوع امور کا مرقع ہے، برصغیر پاک و ہند کے ثقافتی و تہذیبی اور علمی و فنی سلسلے کی ایک کڑی کی حیثیت رکھتا ہے اور اس بات کا عکاس ہے کہ شاہانِ تغلق کے دور میں ہندوستان میں علمائے دین کی علمی و ثقافتی سرگرمیوں کے دائرے کتنے ہمہ گیر تھے۔ نیز اس سے پتہ چلتا ہے کہ خود شاہان تغلق علم و ثقافت اور فن و تہذیب کے مختلف میدانوں میں کس درجہ تیز رو تھے اور ان سے کتنی قلبی وابستگی اور دلی محبت رکھتے تھے۔

(۴)

فتاویٰ تاتارخانیہ

ہندوستان کے نیک دل اور علم و علما سے تعلق رکھنے والے ملوک و امرا کے زمانے میں جو علمی اور فقہی کتابیں ضبطِ تحریر میں لائی گئیں، ان میں فتاویٰ تاتارخانیہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ فتاویٰ تیس جلدوں میں مرتب کیا گیا اور اسلامی دَور کے ہندوستان کا یہ وہ فقہی ذخیرہ ہے جس کی ضخامت و حجم اور تفصیلات مسائل کے بارے میں مثال نہیں ملتی۔ لیکن افسوس ناک تعجب کی بات یہ ہے کہ دنیا کے بڑے بڑے اور مشہور کتب خانے اس سے خالی ہیں۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہو سکا ہے، پوری دنیا کے صرف چھ حسبِ ذیل کتب خانوں میں یہ کتاب موجود ہے۔

۱۔ احمد آباد (ہندوستان) کے کتب خانہ پیر محمد شاہؒ (ولادت ۱۵ شعبان ۱۱۰۰ھ وفات ۲۶ جمادی الاولیٰ ۱۱۶۳ھ) میں اس کا مکمل نسخہ موجود ہے۔ غالباً دنیا بھر کا یہ واحد کتب خانہ ہے، جس میں اوّل تا آخر یہ پورا سیٹ پایا جاتا ہے۔ ورنہ باقی پانچ کتب خانوں میں یہ کتاب ناقص اور نامکمل صورت میں ملتی ہے۔

۲۔ اس کا ایک نسخہ حیدرآباد (دکن) کے کتب خانہ آصفیہ میں ہے۔ یہ نسخہ پہلی سے نویں جلد تک مسلسل نو جلدوں پر مشتمل ہے [۲]

۳۔ کتب خانہ خدیویہ مصر میں بھی اس کی کچھ جلدیں موجود ہیں، جن میں سے چوتھی جلد نور محمد نوری کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے جو ۸۶۲ھ کی مکتوبہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے

---

[۱] تاریخی مقالات۔ از پروفیسر محمد اسلم استاذ شعبۂ تاریخ۔ پنجاب یونیورسٹی۔ لاہور۔ صفحہ ۸۹۔ مطبوعہ ۱۹۸۰ء و شائع کردہ ندوۃ المصنفین۔ کرشن آباد۔ لاہور)

[۲] فہرست کتب خانہ آصفیہ۔ جلد ۲ صفحہ ۱۰۵۳، ۱۰۵۴

ہندوستان کی یہ تصنیف نویں صدی ہجری میں عالم اسلام میں پہنچ چکی تھی۔[۵۱]

۴۔ کتب خانہ رامپور میں اس کی دو جلدیں ہیں۔ پہلی جلد ۸۵۶ صفحات پر مشتمل ہے جو کتاب الطہارت سے کتاب الوقف تک کے ابواب کو محیط ہے۔ دوسری جلد ۹۸۲ صفحات کو محتوی ہے اس میں کتاب الکفالہ سے آخر کتاب الوصایا تک کے مضامین بیان کیے گئے ہیں۔ ان دونوں جلدوں کی تقطیع بڑی اور خط نستعلیق ہے۔[۵۲]

۵۔ کتب خانہ بانکی پور میں اس کی تین جلدیں ہیں۔ پہلی جلد کا نمبر ۱۷۱۵ ہے جو کتاب الرضاع کے کچھ حصوں پر ختم ہوتی ہے۔ ایک اور جلد تین حصوں میں منقسم ہے۔ پہلا حصہ کتاب البیوع سے متعلق ہے۔ اس کے آخری حصے ۹۶۳ھ کے کتابت شدہ ہیں۔ ان میں کتاب الصرف، کتاب الطلاق، کتاب الحدود، کتاب اللقیط، کتاب الآبان، کتاب المفقود، کتاب الشرکہ اور کتاب الوقف شامل ہیں۔ پہلی جلد کا ایک اور نسخہ کتاب الحج تک ہے۔ اس کے سرورق کی ایک تعلیق ہے جو ۱۱۵۲ھ کی کتابت شدہ ہے۔ معلوم ہوتا ہے یہ نسخہ حافظ عبد الحق حیدرآبادی کی ملکیت رہ چکا ہے۔ نیز مفتی عبدالرحیم کی ایک مہر ۱۱۸۶ھ کی اس پر چسپاں ہے۔[۵۳]

۶۔ کشف الظنون میں حاجی خلیفہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب ترکی میں بھی موجود رہی ہے۔ حاجی خلیفہ نے "تاتارخانیہ فی الفتاوی" کے ذیل میں اس کا ذکر کیا ہے۔

حاجی خلیفہ نے یہ بھی بتایا ہے کہ امام ابراہیم بن محمد الحلبی (متوفی ۹۵۶ھ) نے ایک جلد میں اس کی تلخیص کی اور اس سے باقاعدہ حوالہ کتب کے ساتھ وہ نادر اور کثیر الوقوع مسائل منتخب کیے جو متداول کتابوں میں نہیں ہیں۔ الفاظ یہ ہیں :

ثم ان الامام ابراهیم بن محمد الحلبی المتوفی سنة ست وخمسين

---

[۵۱] فہرست مخطوطات کتب خانہ خدیویہ۔ مصر۔ ج ۲۔ ص ۸۷

[۵۲] فہرست کتب عربی مخطوطات۔ کتب خانہ رامپور۔ ص ۲۲۲

[۵۳] فہرست مخطوطات بانکی پور۔ ج ۱۹ ص ۵ تا ۱۶۔

وتسع مائة لخصه فی مجلد وانتخب منه ما هو غریب او کثیر الوقوع ولیس فی الکتب المتداولة والتزم بتصریح اسامی الکتب وقال متنی اطلق الخلاصة فالمراد بها شرح التهذیب، واما المشهورة فتقیید بالفتاوی[۱]۔

برٹش میوزم کے ایک مجموعہ میں منہاج البیان نام کی ایک کتاب کے اقتباسات کے ساتھ الفتاوی التاتارخانیہ کے اقتباسات بھی دیے گئے ہیں۔ اس مجموعہ کا نمبر ۱۱۹۹ ہے[۲]۔

آغاز

بانکی پور کلکشن کے مطابق فتاوی تاتارخانیہ کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے۔

الحمد للہ الذی صیر الفقهاء انجما للاهتداء ونحمد ربنا علی ما اسبغ علینا من العطاء الخ[۳]

مآخذ اور علامات

نیز مقدمہ کتاب سے اخذ کرکے فہرست مخطوطات میں فتاوی کے مآخذ سے متعلق ۲۷ کتابوں کے نام درج کیے گئے ہیں۔ حاجی خلیفہ نے بھی فتاوی کے مآخذ کا ذکر کیا ہے اور جس کتاب کے حوالے کے لیے مصنف نے جو علامت مقرر کی ہے، اس کی بھی وضاحت کی ہے۔ لکھا ہے:۔

جمع فیه مسائل المحیط البرهانی، والذخیرة، والخانیة، والظهیریة وجعل المیم علامة للمحیط، وذکر اسم الباقی، وقدم بابا فی ذکر العلم، ثم رتب علی ابواب الهدایة[۴]۔

یعنی مصنفِ فتاوی نے اس میں المحیط البرہانی، ذخیرہ، خانیہ اور ظہیریہ کے مسائل جمع کیے ہیں۔ المحیط کے لیے میم کی علامت مقرر کی ہے اور باقی کتابوں کے نام لکھے ہیں۔ شروع میں ایک باب علم کے بیان کے بارے میں تحریر کیا ہے اور کتاب ابواب ہدایہ کی ترتیب کے

۱۔ کشف الظنون المجلد الاول کالم ۲۶۸ (مطبع بہیہ استنبول ۱۹۴۱ء - ۱۳۶۰ھ)

۲۔ ضمیمہ فہرست مخطوطات برٹش میوزیم۔ ص ۵۱

۳۔ فہرست مخطوطات بانکی پور ج ۱۹، ص ۱۵ ۴۔ کشف الظنون ج ۱ کالم ۲۶۸

مطابق مرتب کی ہے۔

کتاب کا نام

اس کتاب کا نام فتاویٰ تاتارخانیہ بھی ہے، زاد السفر بھی ہے اور زاد المسافر بھی۔! ایک جگہ حاجی خلیفہ نے "زاد المسافر فی الفروع" بھی لکھا ہے

تاتارخانیہ فی الفتاوی لامام الفقیہ عالم بن علاء الحنفی وھو کتاب عظیم فی مجلدات[۱]۔

یعنی تاتارخانیہ فتاویٰ کے سلسلے میں ہے جو امام و فقیہ عالم بن علا حنفی کی تصنیف ہے اور یہ ایک ضخیم کتاب ہے جو کئی جلدوں میں پھیلی ہوئی ہے۔

اس کے بعد لکھا ہے:

ذکر انہ اشار الی جمعہ الخان الاعظم تاتارخان، ولم یسمہ ولذلک اشتھر بہ، وقیل انہ سماہ زاد المسافر[۲]۔

یعنی کہا جاتا ہے کہ یہ خانِ اعظم تاتارخاں کے ایما و اشارہ سے معرضِ ترتیب میں لائی گئی۔ یہ کتاب چونکہ کسی نام سے موسوم نہیں کی گئی، لہٰذا تاتارخانیہ کے نام سے مشہور ہو گئی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مصنفِ کتاب نے اس کو زاد المسافر کے نام سے موسوم کیا تھا۔

حاجی خلیفہ نے زاد المسافر کے ذیل میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ مرقوم ہے۔

زاد المسافر فی الفروع — وھو المعروف بالفتاوی التاتارخانیۃ لعالم بن علاء الحنفی المتوفی سنۃ ۲۸۶ ست وثمانین ومائتین انتخبھا ابراھیم بن محمد الحلبی، اولہ الحمد للہ رب العلمین[۳]۔

یعنی زاد المسافر فقہ کے موضوع پر مشتمل ہے اور فتاویٰ تاتارخانیہ کے نام سے معروف ہے۔ عالم بن علا حنفی کی تالیف ہے جو ۲۸۶ھ میں فوت ہوئے[۴]۔ ابراہیم بن محمد حلبی نے اس کی

---

[۱] کشف الظنون ج ۱ کالم ۲۶۸۔ [۲] ایضاً [۳] ایضاً ج ۲ کالم ۹۴۷

[۴] حاجی خلیفہ سے عالم بن علا کا سنِ وفات ۲۸۶ھ غلط درج ہوگیا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ ان کا سنِ وفات ۷۸۶ھ ہے مخطوطہ چونکہ نقل در نقل ہوتا رہا اس لیے ممکن ہے صاحب کشف الظنون کی نظر میں جو نسخہ آیا اس میں یہی سنِ وفات مرقوم ہو یا مصنف موصوف کو لفظی تساہل ہوگیا ہو۔

تلخیص کی جس کا آغاز الحمد للہ رب العالمین کے الفاظ سے ہوتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کتاب کا اصل نام" فتاوی تاتارخانیہ" نہیں تھا بلکہ مصنف نے اس کا نام "زاد المسافر" رکھا تھا۔ پھر مصنف اور تاتارخاں کے درمیان علمی سطح کے تعلقات پیدا ہو گئے جو آہستہ آہستہ دوستانہ مراسم میں بدل گئے۔ ان مراسم کی بنا پر مصنف نے مقدمۂ کتاب میں بھی تاتارخاں کا ذکر کیا اور کتاب بھی اس کے نام سے منسوب کر دی۔

مصنف

سوال یہ ہے کتاب کا اصل مصنف کون ہے اور اس کا علمی پایہ کیسا ہے؟ مصنف کا نام مولانا عالم بن علا اندرپتی ہے اور ان کا دائرۂ علم وفضل بہت وسیع ہے۔ اس سلسلے میں نزہتہ الخواطر میں گلزار ابرار کے حوالے سے جو کچھ لکھا گیا ہے، اس کا ترجمہ یہ ہے۔

شیخ، امام، عالم کبیر فریدالدین عالم بن علا الحنفی اندرپتی فقہ اصول اور عربی ادبیات کے ماہر و باکمال علما میں سے تھے۔ انھوں نے ۷۷۰ھ میں زاد السفر کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی جو امیر تاتارخاں کے نام پر فتاوی تاتارخانیہ کے نام سے موسوم کی۔ بادشاہ ہند فیروز شاہ تغلق چاہتا تھا کہ اس کتاب کا انتساب اس کے نام سے کیا جائے۔ لیکن مصنف کتاب مولانا عالم بن علا اور تاتارخاں کے درمیان چونکہ گہرے دوستانہ مراسم تھے لہذا مصنف نے بادشاہ کی یہ درخواست منظور نہ کی۔[1]

نزہتہ الخواطر میں مصنف فتاوی مولانا عالم بن علا کے سال وفات کے بارے میں بھی وضاحت کی گئی ہے اور لکھا ہے:

وانت تعلم ان ما ذکرنا من سنۃ وفاتہ، لعل التبس علیہ عدد السبع بالاثنین لانہما متقاربان فی الشکل، فالمظنون انہ توفی سنۃ ست وثمانین وسبع مائۃ[2]

یعنی مصنف کے سال وفات کے بارے میں رحاجی خلیفہ کو اسبع رسات) اور اثنین (دو) کے عدد میں التباس پیدا ہو گیا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں عدد شکل وصورت میں باہم ملتے جلتے

---

[1] نزہتہ الخواطر جلد ۲۔ ص ۶۷

[2] ایضاً ص ۶۸

ہیں۔ ورنہ ظن غالب یہ ہے کہ ان کی وفات ۷۸۶ھ میں ہوئی۔

امیر تاتارخاں

اب سوال یہ ہے کہ امیر تاتارخاں کون تھا؟ یہ فیروز شاہ تغلق کے دربار میں کس طرح پہنچا اور اس کا علمی دنیا میں کیا مقام ہے؟ تاریخ فیروز شاہی میں سراج عفیف نے "خان اعظم تاتارخاں" کے عنوان سے اس کا تفصیلی تعارف کرایا ہے جو یہ ہے۔

"نقل ہے کہ خانِ اعظم خدا کی درگاہ میں بندۂ مقبول اور بادشاہ کا دست گرفتہ صاحب سیف و قلم تھا۔ واضح ہو کہ یہ امیر بہ اعتبارِ نسل ترک تھا؟

"معتبر روایت ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق کے عہدِ حکومت میں خراسان کے ایک صاحب جاہ و حشم فرماں روا نے ملتان اور دیپال پور پر حملہ کرکے اس نواح کو تاخت و تاراج کیا۔ یہ حملہ آور بادشاہ اپنی ایک زوجہ پر جو بے حد صاحب حسن و جمال تھی اس درجہ شیدا تھا کہ اس کو کبھی اپنے سے جُدا نہیں کر سکتا تھا۔ اس مہم میں یہ زوجہ بادشاہ کے ہمراہ تھی اور حاملہ تھی۔ ملتان و دیپال پور میں قدم رکھتے ہی اس بیگم کے بطن سے بچہ پیدا ہوا۔ اتفاق سے اس شب سلطان تغلق نے خراسانی لشکر پر شب خون مارا اور قتل عام شروع کر دیا۔ خراسانی لشکر نے شکست کھائی اور ہر شخص نے راہِ فرار اختیار کی اور پریشانی کے عالم میں اس بچے کو گھوارہ میں چھوڑ دیا؟"

"سلطان تغلق کا لشکر، مالِ غنیمت کو ہر جانب تلاش کر رہا تھا کہ ان کی نظر اس گھوارہ پر پڑی۔ گھوارہ مع بچے کے بادشاہ کے روبرو لایا گیا۔ سلطان تغلق نے اس نوزائیدہ بچے کو دیکھ کر بے حد پسند کیا۔ بادشاہ نے اس خوش نصیب بچے کی بجائے فرزند کے پرورش شروع کی۔ سلطان تغلق نے اس فرزند کو تاتار ملک کے نام سے موسوم کیا جو اس عہد میں خورد سال تھا۔ یہ بچہ جوان ہوا اور سلطان محمد تغلق کے عہدِ حکومت میں جوان ہو کر مشہور زمانہ ہوا۔ یہ لڑکا دلاوری و زور آزمائی اور شجاعت و بہادری میں یکتائے زمانہ ہوا اور محمد تغلق کے عہدِ حکومت میں لشکر کشی و فتوحاتِ ملکی میں نادرِ روزگار خیال کیا جانے لگا۔ اس شخص نے اپنے زورِ بازو سے بہترین ممالک فتح کیے۔"

"معتبر روایت ہے کہ ایک وقت سلطان محمد، تاتار ملک سے آزردہ ہوا اور اس نے اس امیر کو بُرے الفاظ سے یاد کیا اور تاتار ملک کو اپنے سے جدا کرکے دور روانہ کر دیا تاتار ملک نے چند اشعار نظم کرکے بادشاہ کے حضور روانہ کیے۔ سلطان محمد نے یہ اشعار دیکھ کر بے حد تعریف کی اور تاتار ملک کو اپنے حضور میں طلب کرکے اس پر انتہائی نوازش فرمائی۔"

"فیروز شاہی عہد میں اس امیر کو تاتار خاں کا خطاب عطا ہوا اور چتر قطبیہ کے عطیہ سے سرفراز فرمایا گیا۔ اس پر مستزاد نوازش یہ ہوئی کہ چتر کے اوپر بجائے ہمائے زریں کے زریں طاس رکھا گیا جو مخصوص سلاطین کے لیے مخصوص ہے۔"

"فیروز شاہ صحن گلبن کے محل میں دربار کرتا اور بادشاہ کے دائیں جانب وزرا کے لیے مخصوص ہے تاتار خاں کو جگہ عطا ہوئی اور بادشاہ کے بائیں جانب خاں جہاں مقبول کی جگہ مقرر ہوئی۔ اگرچہ خان جہان مقبول وزیر تھا لیکن بادشاہ کے دائیں جانب تاتار خاں ہی کو جگہ عنایت ہوئی۔ تاتار خاں کی رحلت کے بعد یہ جگہ خاں جہاں مقبول کو عطا ہوئی۔"

"فیروز شاہ کو تاتار خاں پر کلی اعتماد تھا اور بادشاہ امور ملکی میں ہمیشہ تاتار خاں سے مشورہ لیا کرتا اور اس امیر کی رائے کے مطابق مہمات ملکی کو فیصل کرتا اور ان کی بابت احکام جاری کرتا تھا۔"

"خان مذکور بادشاہ کا بہی خواہ اور خیر اندیش تھا اور اس کی فطرت بے حد عمدہ و سلیم واقع ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس امیر کو بے شمار صفات سے آراستہ کیا تھا۔"

"تاتار خاں نے توفیق الٰہی سے ملک حجاز کا سفر کیا اور حرمین شریفین کی زیارت کے بعد ہندوستان واپس آیا۔ اس امیر کی صحبت میں ہمیشہ علما و فضلا کا مجمع رہتا اور تاتار خاں اس مقدس گروہ کی عزت کرتا۔ تفسیر تاتار خانی جو بہترین و مشہور زمانہ تفسیر ہے اسی امیر کی جمع کردہ ہے۔"

"معتبر روات کا بیان ہے کہ تاتار خاں نے ارادہ کیا کہ ایک مفصل تفسیر ترتیب دے۔ اس امیر نے تمام تفاسیر جمع کیں اور علما کی ایک جماعت کو جمع کرکے تمام ائمہ تفاسیر کے اختلافات نقل کرکے ہر ایک آیت کے متعلق تمام اقوال اپنی تفسیر میں جمع کیے۔ تاتار خاں نے اس تفسیر کے جمع کرنے میں دل و جان سے کوشش کی اور ہر اختلاف کا حوالہ دے کر صاحب تفسیر کے

Marfat.com

نام کی تصریح کی۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ دنیا کی تمام تفاسیر اس ایک کتاب میں جمع ہو گئی ہیں۔ یہ تفسیر مرتب ہوئی اور تاتار خاں نے اس کو تفسیر تاتار خانی کے نام سے موسوم کیا۔"

"اسی طرح خانِ اعظم نے ایک مجموعہ فتاویٰ بھی مرتب کیا جس کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے شہر دہلی کی تمام کتبِ فتاویٰ جمع کیں اور اس کے بعد خود ایک نسخہ ترتیب دیا جس میں ہر مسئلہ و ہر کلمہ میں مفتیانِ شرع کے اختلافات نقل کیے اور مفتی کے اختلاف کو صاحبِ فتویٰ کی طرف منسوب کر کے فتویٰ اور مفتی کی صراحت کر دی۔ یہ مجموعہ تقریباً تیس جلدوں میں مرتب ہوا۔"

"تاتار خاں علمِ شریعت میں مرتبہ عالی رکھتا تھا اور شریعت کے اتباع و تبحر سے طریقت اور طریقت سے علمِ حقیقت کی بارگاہ میں باریاب ہوا۔ اس امیر نے ان تینوں علوم کے نکات و معارف حاصل کرنے کی بے حد کوشش کی۔"

"تاتار خاں نے شوقِ طلب میں نردبانِ عشق میں قدم رکھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ابوابِ عشق اس کے قلب پر وا کر دیے۔"

"مختصر یہ کہ خانِ اعظم، خاقانِ معظم، عالمِ دین، حاجی و نمازی تاتار خاں کو احکامِ شریعت کا بے حد لحاظ تھا۔ یہ امیر قوانینِ شریعت سے سرمو تجاوز نہ کرتا تھا اور سفر و حضر ہر حالت میں شریعت پر کاربند رہتا تھا۔ خانِ اعظم لشکر کشی کے لیے روانہ ہوتا تو کنیزانِ حرم کے ہمراہ لے جانے میں دیگر امرا کی تقلید نہ کرتا۔ دیگر ملوک و خاقان کا دستور تھا کہ اپنی کنیزوں کو اپنے برابر رکھتے تھے جو سفر میں ان کے ہم عنان چلتی تھیں، لیکن تاتار خاں نے اپنے حرم کو کبھی گھوڑے پر سوار نہیں کیا بلکہ ایک گاڑی تیار کرائی اور اسی میں کنیزوں کو سوار کیا۔ اس گاڑی کو ہندی میں بھرکو یا بھرکیہ کہتے ہیں۔ تاتار خاں نے پردے کے خیال سے ان گاڑیوں کو تخت پوش کر دیا تھا اور ان کو حجرہ کے مانند بنا کر مقفل کر دیا تھا تاکہ نامحرم کی نظر اُن پر نہ پڑے۔ کس درجہ احتیاط تھی جس کی تعریف نہیں ہو سکتی۔"

"غرض اس امیر کے تمام افعال پسندیدہ تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس کو ہر طرح کی خوبی سے آراستہ فرمایا تھا۔ تاتار خاں نے جلوسِ فیروز شاہی کے چند سال بعد وفات پائی۔"[1]

---

[1] تاریخ فیروز شاہی (اردو ترجمہ) ص ۲۶۳ تا ۲۶۷ (شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی)

نزہتہ الخواطر میں مولانا سید عبدالحئی حسنی لکھنوی نے بھی تاتارخاں کا ذکر کیا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے ۔ امیر کبیر خانِ اعظم تاتارخاں دہلوی ان معروف لوگوں میں سے تھا جو فضل و صلاح اور ریاست و سیاست میں ممتاز درجہ رکھتے ہیں ۔ ابھی یہ ایک دن کا بچہ تھا کہ سلطان غیاث الدین تغلق نے اس کو ایک جنگ میں گرا ہوا پایا اور اس کو اٹھا لیا۔ سلطان نے امارت و سیادت کی گود میں اس کی پرورش کی اور اسے اپنے خاص ندیموں اور مشیروں میں شامل کیا۔ پھر جب محمد شاہ تغلق سریر آرائے سلطنت ہوا تو اس نے اس کو اپنا مقرب بنا لیا اور اسے مناصب جلیلہ پر فائز کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ ارکانِ سلطنت میں سے ایک اہم رکن گردانا گیا۔ فاضل و عادل، شجاع و بہادر، سخی، بہترین اخلاق کا مالک، شریعتِ مطہرہ کا سخت پابند اور ملوک و امرا کا شدید محاسبہ کرنے والا تھا۔ اللہ کے معاملے میں نہ کسی سے خوف زدہ ہوتا اور نہ کسی کی توقیر کرتا۔ ایک مرتبہ روزے کے بارے میں اس نے فیروز شاہ کو ٹوک دیا تھا اور فیروز شاہ نے اس کو حصار فیروزہ کے مقام پر ایک جاگیر دے کر اپنے ہاں سے بالکل الگ کر دیا تھا۔ اسی طرح ایک دفعہ محمد شاہ تغلق اس سے ناراض ہو گیا تو اس نے محمد شاہ کو مندرجہ ذیل اشعار لکھ کر بھیجے :

دہ ندانم از کجا رنجیدۂ	بے سبب از دوستان برید ۂ
بانگ نے نوش می نند جانان من	نالۂ بے چارگان نشنیدۂ
در تو بارے ہرگز ایں عادت نبود	از طریق خود نگر گردیدۂ
گو گنہ کردہ ام مارا ببخش	زانکہ تو چندیں گنہ بخشیدۂ
از تتار خستہ باللہ العظیم	نیست جرمی بے سبب رنجیدۂ

محمد شاہ تغلق نے یہ اشعار پڑھے تو بہت خوش ہوا اور اس کے مقام و مرتبہ میں اضافہ کر دیا اور اس کی پہلے سے زیادہ تعظیم کی۔ مگر وہ اس کے باوجود حرمین شریفین چلا گیا اور حج و زیارت سے بہرہ اندوز ہوا۔

اس نے تفسیر قرآن کے بارے میں ایک کتاب تصنیف کی، جس کا نام تفسیر تاتارخانی رکھا اور اس کے حکم سے عالم بن علا دہلوی نے فتاویٰ تاتارخانیہ تصنیف کیا۔[1]

---

[1] نزہتہ الخواطر ج ۲ - ص ۱۸، ۱۹ -

Marfat.com

فتاویٰ تاتارخانیہ کے بارے میں ایک سوال سطح ذہن پر یہ ابھرتا ہے کہ کیا فی الواقع اس کی تکمیل کے بعد فیروز شاہ تغلق نے اس کے مصنف مولانا عالم بن علا اندرپتی سے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ یہ فتاویٰ تاتارخاں کے نام سے منسوب نہ کیا جائے بلکہ خود اس کے یعنی فیروز شاہ تغلق کے نام منسوب کیا جائے؟ اور پھر مصنف نے اس کو فیروز شاہ تغلق کے نام منسوب کرنے سے انکار کر دیا اور تاتارخاں کے نام منسوب کرنے پر اصرار کیا؟

اس سلسلے میں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اس دور میں ملوک وسلاطین کی خواہش سے انکار کرنا بہت مشکل تھا۔ اس درجہ صاحب عظمت وجبروت بادشاہ کی بات نہ ماننا اور اس کے مقابلے میں ایک ماتحت وزیر کی دوستی کو ترجیح دینا دورِ ملوکیت میں بظاہر ایک عام انسان کی سمجھ میں آنے والی بات نہیں اور پھر بادشاہ بھی وہ جو صاحب فراست بھی ہو اور علما سے انتہائی تعلق خاطر بھی رکھتا ہو۔ لیکن اگر یہ بات صحیح ہے تو کہنا چاہیے کہ مولانا عالم بن علا بہت ہی دل گردے کے مالک تھے اور انھوں نے اپنے ذاتی معلومات کی بنا پر علیٰ وجہ البصیرت بادشاہ کے علم پر ایک وزیر کے علم وفضل اور دوستی کو ترجیح دی۔ اور واقعہ یہ ہے کہ علمائے حق کا ہمیشہ یہی کردار رہا ہے۔ وہ وہی فیصلہ کرتے ہیں جو ان کے علم کی رُو سے صحیح اور ان کے قلب وضمیر کے لیے باعث اطمینان ہو۔

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ امیر تاتارخاں نے تین عظیم شاہانِ ہند کا زمانہ پایا اور ان کے ساتھ تعلقات استوار کیے۔ وہ تھے۔ سلطان غیاث الدین تغلق، اس کا بیٹا سلطان محمد شاہ تغلق اور بھتیجا سلطان فیروز شاہ تغلق

تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ سلطان غیاث الدین تغلق بڑے رعب اور دبدبے کا مالک تھا اور ساتھ ہی عبادت گزار، نماز باجماعت کا پابند اور عابد وزاہد تھا۔ اس کے زمانے کے علما وفقہا عباد وزہاد اور مشائخ واولیا میں سے شیخ علاء الدین اجودھنی، بابا فرید الدین گنج شکر، شیخ شرف الدین بوعلی شاہ قلندر، شیخ نظام الدین اولیا، قاضی محی الدین کاشانی، مولانا فخر الدین رازی، شیخ زادہ حسام الدین، مولانا علم الدین بنیرہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے بعض کے ساتھ وہ انتہائی عقیدت

اور ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا

تاتار خاں، سلطان غیاث الدین تغلق کے بعد، اس کے لڑکے سلطان محمد شاہ تغلق سے منسلک ہوا۔ اس بادشاہ کے متعلق کئی قسم کی روایات مشہور ہیں۔ بہرحال اس کے دورِ حکومت کے، جن علما و فقہا کے نام مورخین نے ذکر کیے ہیں، ان میں مولانا ضیاء الدین بخشی، مولانا معین الدین عمرانی، شیخ ابوبکر بن خلال، شیخ عبدالعزیز اردبیلی، شیخ عثمان بن داؤد ملتانی، مولانا عضیف الدین کاشانی، مولانا عماد الدین غوری، قاضی فصیح الدین ہروی، شامل ہیں۔

تیسرا سلطان ہند، جس سے ملک تاتار خاں کو شرف انسلاک حاصل ہوا، فیروز شاہ تغلق تھا۔ اس کے عہد سلطنت کے علما و فقہا کا تذکرہ گزشتہ سطور میں آچکا ہے۔ ان میں بعض علمائے کرام، اولیائے عظام اور فقہائے عالی مقام وہ ہیں جنھوں نے ان تینوں بادشاہوں کا زمانہ پایا۔ آخر میں یہ عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فتاویٰ تاتارخانیہ چونکہ ہمارے سامنے نہیں ہے۔ اور ہماری دسترس سے باہر ہے، اس لیے افسوس ہے ہم اس کے مضامین و مندرجات کے اقتباسات اپنے قابلِ احترام قارئین کے مطالعہ میں نہیں لا سکتے۔

Marfat.com

(۵)

فتاویٰ حمادیہ

گجرات (کاٹھیاواڑ) کا ایک تاریخی فقہی مخطوطہ

فتاوی حمادیہ عربی زبان میں ایک فقہی مخطوطہ ہے جو فقہ احناف کے مسائل پر مشتمل ہے۔ یہ مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے شیرانی کلکشن میں موجود ہے اور اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔ اس کا نمبر ۳۹۰۹ ہے۔ سطور ۱۲ سے ۲۳ تک ہیں اور سائز ۲۶/۵ + ۱۶/۵ ہے۔ اوراق ۴۳۰ ہیں۔ مخطوطہ کے اکثر حصے اچھی حالت میں ہیں اور آسانی سے پڑھے جا سکتے ہیں۔ آخر کے بعض مقامات خاصے کرم خوردہ ہیں۔ ابتدا میں غلام علی رضوی کے نام کی مہر ہے۔

فہرست مضامین

مخطوطہ کے ابتدا میں اس کے مندرجات و مضامین کی فہرست دی گئی ہے جو یہ ہے۔

کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الطلاق، کتاب العتاق، کتاب الایمان، کتاب الحدود والسرقۃ، کتاب السیر، کتاب اللقیط واللقطۃ، کتاب الاباق، کتاب المفقود، کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف، کتاب البیوع، کتاب الکفالۃ، کتاب الحوالۃ، کتاب الدعوی، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربۃ، کتاب الودیعۃ، کتاب العاریۃ، کتاب الھبۃ، کتاب الاجارۃ، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر، کتاب الغصب، کتاب الشفعۃ، کتاب القسمۃ، کتاب المزارعۃ، کتاب الصید والذبائح، کتاب الاضحیۃ، کتاب الاستحسان، کتاب احیاء الموات والشرب، کتاب الرھن، کتاب الجنایات، کتاب الوصایا، کتاب الفرائض۔

Marfat.com

مقدمۂ کتاب

مخطوطہ کے آغاز میں مصنف کی طرف سے ایک طویل مقدمہ ہے، جس میں اس کی وجہ تالیف بیان کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس کی تالیف میں کن کن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے اور یہ مخطوطہ کس کی طرف منسوب ہے۔ مقدمہ کے الفاظ یہ ہیں:

وبہ نستعین، رب یسر وتمم بالخیر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی نور قلوب الموحدین بنور التوحید والایمان، وشرح صدور العلماء بقبول الاسلام والاحسان واحی فؤاد العارفین باعطاء المعرفۃ والایقان وخص من بینہم المجتہدین بزیادۃ اصابۃ الحق والاتقان ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ الذی انزل الاحکام وشرع الشرائع و بین الحلال والحرام (و) احل الحلال ان یکتبوہ، وحرم الحرام ان یجتنبوہ علم، واعلم، حکم واحکم، وعد واوعد، افتی واوجد امن اتباع احسن مانی السنن والکتاب، ومدح لہم بقولہ اولئک الذین ھدٰھم اللہ و اولئک ھم اولوا الالباب، شھادۃ ھی مصباح مشارق خلاصۃ الاعتقاد کلمۃ ھی مفتاح اغراض تتمۃ الارشاد، ونشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ الذی بلغ فی تقریر تھذیب المواعظ (و) غایۃ الاستغناء، وبلغ فی ما بلغ استقصاء ایضاح سنن وفرائض الایاء، صلی اللہ علیہ وآلہ وبارک وسلم، ما اضیف اصلاح منطق المبتلی الی الفتوی وانیض منتقی زلال حکم الصغری والکبری وسلم تسلیما کثیرا کثیرا،

امابعد! فقد قال العبد الراجی الی رحمۃ اللہ الرب، الباری، ابو الفتح رکن بن حسام المفتی الناکوری اصلحہ اللہ شانہ، واعلی بکرمہ برھانہ[1]

ترجمہ: سب تعریف اس اللہ کے لیے ہے، جس نے موحدین کے قلوب کو توحید اور ایمان کے

---

[1] اس سے آگے مقدمہ کی عربی عبارت حذف کر دی گئی ہے اور اس کا اردو ترجمہ دیا جا رہا ہے۔

Marfat.com

نور سے منور کیا۔ علما کے سینوں کو اسلام اور احسان کی قبولیت کے لیے کھول دیا۔ عارفوں کے دلوں کو معرفت و ایقان کی دولت سے زندگی بخشی۔ اور ان میں سے مجتہدین کو اصابت فکر و رائے کے ساتھ، حق و اتقان کی منزل تک پہنچنے کی خصوصیت عطا کی۔

ہم شہادت دیتے ہیں کہ بجز اس اللہ وحدہ لاشریک لہ کے کوئی لائق عبادت نہیں۔ جس نے احکام نازل فرمائے، شرائع مقرر کیے، حلال اور حرام کے حدود کی وضاحت کی، حلال کے استعمال کو حلال ٹھہرایا تاکہ لوگ اس کو عمل کرنے کے لیے ضبط تحریر میں لائیں اور حرام کو حرام قرار دیا کہ اس سے دامن کشاں رہیں۔ وہ اللہ جو خود بھی علیم ہے اور جس نے لوگوں کو بھی علم سکھایا۔ خود بھی حکیم ہے اور لوگوں کے ذہن و فکر کو بھی استواری بخشی۔ اس نے نیک اعمال کی جزا کا وعدہ کیا، اور بُرے اعمال پر وعید سنائی اور جن خوش بخت لوگوں نے کتاب و سنت کی بہترین طریق سے اتباع کی، ان کی اولٰئک الذین ھدٰھم اللہ واولٰئک ھم اولوا الالباب (یعنی یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی اور یہی عقل مند لوگ ہیں) کے الفاظ میں تعریف کی۔ اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، جنھوں نے مواعظ و نصائح کے باب میں عمدہ ترین انداز اختیار کیا۔ آپ استغنا اور دنیا سے بے نیازی کے معاملے میں نہایت اونچے درجے پر پہنچے۔ اور سنن و فرائض کو اس طرح واضح اور منقح فرمایا کہ آپ کی زبان مبارک سے فتویٰ کی راہیں صاف ہو گئیں اور کسی چھوٹے یا بڑے حکم شرعی میں لغزش کے مواقع باقی نہ رہے۔ اللھم صل علیہ وسلم کثیرا کثیرا۔

اما بعد۔ بندہ امیدوار رحمت پروردگار ابوالفتح رکن بن حسام مفتی ناگوری (اللہ اس کی حالت درست فرمائے اور اسے اپنے کرم و برہان کی نعمت سے سرفراز کرے) لکھتا ہے کہ جب میں شہر نہر والہ میں آیا (اللہ اس شہر کو تمام مصائب و آلام سے محفوظ رکھے) تو وہاں کے ارکان دولت، اعیان حکومت اور دیگر لوگوں میں ایک شخص کو سب سے بڑھ کر عالم، فاضل، مجتہد، حق و باطل کے درمیان حد فاصل پایا۔ وہ شخص لوگوں کے عادات و اطوار سے آگاہ اور شریعت کو اساس اور بنیاد ٹھہرا کر فیصلے کرتا ہے۔ وہ چونکہ انتہائی سمجھ دار اور بدرجۂ غایت معاملہ فہم ہے، اس لیے کوئی شخص اس کے سامنے خلافِ واقع بات کرنے کی

نہیں کر سکتا۔ اور وہ ذہنی پاکیزگی، معرفت وشعور، تجربہ اور مہارت کے اعتبار سے اس درجہ بڑھا ہوا ہے کہ اس کے متعلق نہ کوئی جھوٹی شہادت دے سکتا ہے اور نہ غلط بیانی کر سکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دس سال سے تنفیذ احکام اور محکمۂ قضا پر متمکن رہا اور اس نے دعاوی اور مقدمات کے وہ فیصلے کیے ہیں جو جمہور فقہا کے اقوال اور ان کے فتاوے سے عین مطابقت رکھتے ہیں۔

معلوم ہے وہ کون شخص ہے۔ وہ اعظم و معظم، اکرم و مکرم، صدر صدور العالم، اہل اسلام میں سے افضل ترین، اشرف بنی آدم، قاضی القضاۃ حماد جمال الملۃ والدین احمد ہے۔ ان کے والد امام، عالم، فاضل، استاذ الثقلین، بحر المعانی، نعمان الثانی، جامع الفروع والاصول، ناقل المعقول والمنقول اور قاضی القضاۃ مرحوم و مغفور اکرم ہیں، اللہ انھیں نعمائے جنت سے سرفراز کرے اور زمانے کی آفات و آلام سے مامون و مصون رکھے۔

انھوں (قاضی حماد بن اکرم) نے میرے اور میرے لڑکے جو ایک عالم شخص ہیں اور جن کا نام مولانا داؤد ہے (اللہ انھیں دین اور دنیا کی نعمتیں عطا فرمائے) یہ خدمت سپرد کی کہ ہم مختلف فتوے جمع کریں اور ایسی صحیح اور بہترین روایات اکٹھی کریں جن کی بنیاد پر فقہا نے فتوے جاری کیے ہوں اور جو قضا کے باب میں قابل اعتماد ہوں۔

چنانچہ میں نے اور میرے اس بیٹے نے، ایسی روایات کی تلاش شروع کی جو معتمد علیہ ہوں اور عقل و درایت کی میزان پر پوری اترتی ہوں۔ وہ (قاضی حماد بن اکرم) اللہ کے فضل و کرم سے اس ضمن میں اسی چیز کو پسند کرتے اور محبوب گردانتے تھے، جس پر جمہور فقہا کا اجماع ہو۔ انھوں نے (اس کتاب کی تکمیل کے لیے) ہمارے پاس بہت سا مواد (علمی) جمع کر دیا، جن میں الواقعات بھی شامل ہے۔ لیکن یہ سب مواد (فقہ کی) مختلف و متفرق روایات و اقوال پر مشتمل تھا، ہم نے اس پورے سلسلے کو یکجا کیا تاکہ اس پر اعتماد اور رسائی کا معاملہ سہل ہو جائے اور اس انداز سے مرتب کیا کہ علم و اطلاع میں آسانی ہو۔ ہم نے ہر بات کو اس کے اصل مقام اور ہر فصل کو اس کی اصل حالت پر رکھا۔ بعض ابواب میں ہم نے روایات کا تکرار بھی کیا تاکہ ہر باب سے موافقت و مناسبت کی صورت پیدا ہو جائے اور یہ تکرار مؤلفین کی عادت

اور مصنفین اساتذہ کی فطرت و اسلوب کے عین مطابق ہے۔ اس سے ان کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ طالب ہر جگہ اپنے مطلب و مقصد کی بات پائے اور مسئلہ کی تلاش و جستجو میں اسے کوئی دقت پیش نہ آئے۔ (اس کتاب کی ترتیب میں ہم نے جن کتابوں سے استخراج کیا اور مسائل مستنبط کیے ان میں یہ کتابیں شامل ہیں۔

(اس کے بعد ان کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے، جن سے مصنف شہیر نے اس فتاویٰ کی تالیف و ترتیب میں مدد لی۔ یہ دو سو سولہ کتابیں ہیں) جن میں ہدایہ، الکافی، الخوارزمی، شرح مجمع البحرین، شرح الوقایہ، تحفۃ الفقہاء، شرح طحاوی، النسفی، الخلاصہ، المحیط، فتاویٰ النا طفی، المبسوط، الذخیرہ، الواقعات للحسامی، فتاویٰ تاتارخانی، کشف الغوامض، جواہر الفتاویٰ فتاویٰ البرہانی، جامع الفتاویٰ، کشف المکتوم، فتاویٰ سمرقندی، فتاویٰ قراخانی، فتاویٰ النوازلی، فتاویٰ دلوالجی، خزانۃ الفقہ، فتاویٰ الصیرفی، تفسیر فخر الدین رازی، دستور القضاۃ، زاد الفقہاء، مشکوٰۃ المصابیح، معالم التنزیل، تفسیر الکشاف، الحاشیۃ البزدوی، فتاوی الابانہ، تفسیر شیخ شہاب الدین السہروردی وغیرہ کتابیں شامل ہیں۔ اگرچہ یہ کتاب (فتاویٰ حمادیہ) فقہ احناف سے متعلق مسائل کو محیط ہے، تاہم اس میں ان کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے، جو فقہ امام شافعی پر مشتمل ہیں۔)

ان کتابوں کا ذکر کرنے کے بعد مصنف رحمہ اللہ مقدمہ کے آخر میں فرماتے ہیں:

فلما فرغنا عن جمع ھذہ المسائل الشریفۃ، سمیناھا بکتاب الحمادی لتکون محمودۃ، مقبولۃ مشہورۃ، معمولۃ فان الاعتصام بنیل الکرام یورث المقاصد والمرام، جعلنا اللہ وایاکم من الذین رضی بفضلہ عنھم وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ اجمعین۔

یعنی جب ہم ان تمام مسائل کی جمع و ترتیب سے فارغ ہوئے تو اس کا نام کتاب الحمادی رکھا تاکہ یہ اچھے لوگوں میں مقبول و مشہور اور قابل عمل قرار پا جائے۔ اس سے اعتصام و تعلق انسان کو بنیادی مقاصد کا حامل بنا دے گا دعا ہے، اللہ تعالیٰ ہم کو، آپ کو اور ان سب لوگوں کو جن سے وہ اپنے فضل و کرم سے راضی ہوا، اس زمرہ میں شامل کرے۔ صلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ اجمعین۔

Marfat.com

مخطوطہ مختلف لائبریریوں میں

فتاویٰ حمادیہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے علاوہ دنیا کی مختلف لائبریریوں میں موجود ہے۔ مثلاً انڈیا آفس لائبریری لندن، مانچسٹر لائبریری، رام پور لائبریری، بانکی پور لائبریری، کتب خانہ خدیویہ مصر، اور کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن، وغیرہ میں اس کے نسخے موجود ہیں۔ ذیل میں ان نسخوں کا تعارف ملاحظہ فرمایئے۔

انڈیا آفس لائبریری کے نسخے

لندن کی انڈیا آفس لائبریری میں اس مخطوطہ کے تین نسخے ہیں، جن کے نمبر علی الترتیب ۱۶۸۹، ۱۶۹۰ اور ۱۶۹۱ ہیں۔ پہلا نسخہ خط نسخ میں ہے، جو اٹھارھویں صدی میں دہلی میں لکھا گیا۔ اس کے مختلف مقامات پر حواشی بھی ہیں۔ دوسرے نسخے کا سال کتابت ۱۸۲۲ء ہے۔ یہ خط نستعلیق میں ہے اور دہلی کا کتابت شدہ ہے۔ اس کے بعض مقامات پر حواشی ہیں اور کچھ صفحات ضائع ہو چکے ہیں۔ تیسرا نسخہ ۱۷۶۵ء کا مکتوبہ ہے۔ یہ بھی خط نستعلیق میں ہے اور اس کے بھی چند مقامات پر حواشی ہیں، جو مختلف ہاتھوں کے لکھے ہوئے ہیں اور بہت سے فقہی نکات پر مشتمل ہیں۔

نسخہ اول کے ذکر میں اس کا تعارف کراتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ یہ کتاب ابوالفتح رکن بن حسام الدین المفتی الناگوری کی نویں صدی ہجری کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب انھوں نے اپنے بیٹے داؤد کی مدد سے مکمل کی۔ اس کی تالیف کا محرک قاضی حماد الدین احمد تھے، جو گجرات کے شہر نہروالہ میں قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز تھے۔ کتاب کے مقدمہ میں ان بہت سی کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے، جن کی مدد سے یہ کتاب تالیف کی گئی۔ اس کے شروع میں کتاب الطہارت اور آخر میں کتاب الفرائض ہے۔[1]

کتب خانہ خدیویہ مصر

مصر کے کتب خانہ خدیویہ میں اس کے دو نسخے ہیں اور ان کی کیفیت یہ ہے:

یہ کتاب الشیخ ابوالفتح رکن بن حسام الناگوری کی تالیف ہے۔ اس کے آغاز میں

---

[1] کیٹلاگ آف انڈیا آفس لائبریری جلد ۲، جز ۳۔ فقہ ص ۲۷۲، ۲۷۳

Marfat.com

شیخ موصوف کہتے ہیں کہ قاضی [illegible] الملۃ والدین احمد بن قاضی اکرم نے مجھے اور میرے بیٹے علامہ داؤد کو عدالتی فتویٰ نویسی (اوفتاوی القضاء) کی خدمت سرانجام دینے پر مامور کیا اس لیے ہم نے معتمد علیہ کتابوں کی ورق گردانی کی اور ان سے وہ مسائل جمع کیے جو اس کتاب میں درج ہیں۔ کتب خانہ خدیویہ میں اس کے دو نسخے ہیں۔ ایک نسخہ خط نسخ میں ہے اور اس کا کاتب ابراہیم بن محمد ازنوطی ہے۔ اس نے اس کی کتابت جمعرات کے روز ۱۳ ربیع الاول ۱۲۷۲ھ کو مکمل کی۔[۱]

یہ کتاب ۱۲۸۱ھ میں ہندوستان میں طبع ہو چکی ہے۔[۲]

کیٹلاگ آف مانچسٹر لائبریری۔

مانچسٹر لائبریری کے کیٹلاگ میں جو عربی سے متعلق ہے اور جس میں فقہی مخطوطات کا ذکر ہے، اس مخطوطہ کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے،

الفتاویٰ الحمادیہ، فقہی مسائل کا مجموعہ ہے اور ابوالفتح رکن بن حسام الناگوری کی تالیف ہے، جو انھوں نے قاضی القضاۃ حماد جمال الدین احمد بن القاضی نعمان[۳] (متوفی اواخر سولھویں صدی عیسوی) کے حکم سے اپنے بیٹے مولانا داؤد کی معیت میں تالیف کیا۔ حماد کے حالات کا سوائے اس کے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ وہ ایک قاضی تھے۔ یہ کتاب چونکہ ان کے حکم سے معرض تصنیف میں لائی گئی، اس لیے انہی کے نام سے منسوب کی گئی، اور اس کا نام فتاویٰ حمادیہ رکھا گیا۔ یہ کتاب اگرچہ اس دور کی جدید تالیف ہے، مگر ایک مستند حیثیت کی حامل ہے۔ ہوز کی ڈکشنری آف اسلام کے صفحہ ۹۰ پر اس کا ذکر ملتا ہے۔[۴] اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے۔

۱۔ فہرست کتب خانہ خدیویہ مصر۔ ج ۳۔ ص ۸۸

۲۔ ایضاً اس کا مطبوعہ نسخہ ناپید ہے اور اب اس کی حیثیت مخطوطہ کی سی ہے۔

۳۔ مقدمہ کتاب سے ظاہر ہے کہ قاضی حماد کے والد کا نام قاضی اکرم ہے۔ مصنف نے اس کے فقہی مرتبہ کے اعتبار سے اسے "نعمان ثانی" لکھا ہے اس سے کیٹلاگ کے مرتب کو شبہ ہوا کہ اس کا نام ہی نعمان ہے، اور اس نے یہی لکھ [illegible]

۴۔ ہوز نے اسے جدید ترتیب شدہ اور مستند کتاب قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو ڈکشنری آف اسلام (ہوز) ص [illegible]

الحمد للہ الذی نور قلوب الموحدین بنور التوحید والایمان .... اما بعد
فقال العبد الراجی رحمۃ اللہ الرب الباری، ابو الفتح رکن بن حسام الناگوری .. انی
لما شرفت فی بلدۃ نہر والہ، صانہا اللہ عن الاہالۃ بشرف مجلس من اسمد اہل
زمانہ... اعنی قاضی القضاۃ القاضی حماد جمال الملۃ والدین احمد بن الامام
العامل .... نعمان .... وفوض الی والی ابنی العالم المسمی بمولانا داؤد .. فلما
فرغنا عن جمیع ہذہ المسائل الشریفۃ سمیناہا بکتاب الفتاوی الحمادی

اس کا کاتب اس کی کتابت سے بدھ کے روز بعد از اشراق ۲۵ صفر ۱۱۲۹ھ (۱۷۱۶ء) کو فارغ ہوا۔ اور اس نے اپنا نام اس طرح لکھا

"احقر العباد جعفر بن مرحوم قاضی غلام رسول"

اس مخطوطہ کے شروع اور آخر میں ایک مہر ہے، جس میں "۱۷۸۹ / ۱۲۰۴ھ ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد" اور "احمد بن محمد درویش" کے الفاظ کندہ ہیں۔ یہ کتاب ہندوستان کے بہترین خط نسخ میں لکھی ہوئی ہے۔ الفاظ صاف اور نمایاں ہیں اور نہایت آسانی سے پڑھے جاتے ہیں۔[1]

بانکی پور لائبریری

یہ کتاب بانکی پور لائبریری میں بھی موجود ہے اور اس کا نمبر ۱۷۲۳ ہے۔ بانکی پور لائبریری کے کیٹلاگ میں اس کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے:

یہ فقہ کے موضوع سے متعلق ایک مشہور کتاب ہے، جس میں دو سو سے زائد مستند کتابوں کا حوالہ دیا گیا ہے۔ ان کتابوں کے نام مقدمہ میں دیے گئے ہیں۔ یہ کتاب گجرات کے قاضی القضاۃ قاضی حماد الدین احمد بن قاضی اکرم کی ہدایت پر مرتب کی گئی۔

اس کے مؤلف ابو الفتح رکن بن حسام الدین المفتی الناگوری مقدمہ کتاب میں لکھتے ہیں کہ ان کا بیٹا اس کتاب کی ترتیب میں ان کا معاون اور شریک رہا۔ یہ کام حماد کے حکم سے تکمیل پذیر ہوا۔ تاریخ و رجال کی کتابیں مؤلف کے حالات کے بارے میں نقشی

---

[1] کیٹلاگ مانچسٹر لائبریری حصہ عربی فقہ۔ کالم نمبر ۳۲۴، ۳۲۶۔ کتاب نمبر ۲۰۴ ... ص ۱۲۷

خاموش ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ مولف جن کتابوں کے حوالے دیتا ہے وہ چوتھی صدی ہجری سے لے کر آٹھویں ہجری کے نصف اول تک کی تصنیفات ہیں۔ نویں صدی ہجری کی کسی مستند کتاب کا حوالہ نہیں دیا گیا۔ یہ چیز اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ اس کتاب کا مصنف یا تو آٹھویں صدی ہجری کے آخر میں یا نویں صدی ہجری کے شروع تک زندہ تھا۔ خزانۃ الروایات کا مصنف جو ۹۲۰ھ میں فوت ہوا، اپنی کتاب میں فتاویٰ حمادیہ کے حوالے دیتا ہے۔

یہ کتاب کلکتہ میں ۱۲۸۱ھ میں چھپ چکی ہے۔

بانکی پور کا مخطوطہ ناقص الآخر ہے۔ تاریخ کتابت درج نہیں۔ غالباً بارھویں صدی ہجری کا مکتوبہ ہے[۵۳]

رام پور لائبریری

فتاویٰ حمادیہ کے رام پور لائبریری میں دو نسخے ہیں۔ اس کی فہرست کتب میں بتایا گیا ہے کہ اس کے مصنف کا نام مفتی رکن الدین ابوالفتح بن حسام الدین ناگوری ہے۔ ایک نسخہ کا نمبر ۳۶۲ ہے۔ جو خط نسخ میں ہے اور کتاب الطہارت سے کتاب الوصایا تک ہے۔ یہ نسخہ ۵۹۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسرا نسخہ خط نستعلیق میں ہے اور کتاب الطہارت سے کتاب الفرائض تک ہے۔ اس کے صفحات ۱۰۷ ہیں اور نمبر ۳۶۳ ہے[۵۴]

کتب خانہ آصفیہ

حیدر آباد دکن کے کتب خانہ آصفیہ میں بھی فتاویٰ حمادیہ موجود ہے اور وہاں کی قلمی کتابوں کی فہرست میں اس کا ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔

فتاویٰ حمادیہ ابوالفتح رکن الدین ابن حسام الدین مفتی ناگوری کی تصنیف ہے اور فقہ امام اعظمؒ کے نقطہ نظر سے لکھی گئی ہے۔ کتاب کا آغاز الحمد للہ الذی نور قلوب الموحدین بنور التوحید والایمان الخ کے الفاظ سے ہوتا ہے۔ کتب خانہ آصفیہ میں اس کے چار نسخے ہیں، جن کے نمبر علی الترتیب ۱۸، ۱۹، ۱۰۵ اور ۱۰۶ ہیں۔ نسخہ

[۵۳] اعتبار ۔۔۔ آف بانکی پور لائبریری ج ۱۹ ۔ جز ۲ ۔ ص ۲۰

[۵۴] فہرست کتب عربی کتب خانہ رام پور ص ۳۳۲ ۔ مطبوعہ مئی ۱۹۰۲ء

Marfat.com

نمبر۱۸ بہت عمدہ خط نسخ میں ہے۔ سن تحریر اور نام کاتب مرقوم نہیں۔ البتہ ابتدائے کتاب میں اس کا سال خریداری ۱۲۵۹ھ لکھا ہے۔ یہ نسخہ غالباً بارھویں صدی ہجری کے شروع کا مکتوبہ ہے۔ کل ورق ۱۳۴ اور ہر صفحہ کی ۲۳ سطور ہیں۔

نسخہ نمبر۱۹ آدھا خط نسخ میں ہے اور آدھا خط نستعلیق میں۔ مگر بظاہر ایک ہی شخص کا کتابت شدہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ نسخہ ۱۰۸۴ھ کا مکتوبہ ہے۔ کاتب کا نام مرقوم نہیں۔ کل اوراق ۱۵۷ ہیں اور سطور فی صفحہ ۲۷

نسخہ نمبر۱۰۵ خط نستعلیق میں ہے۔ نام کاتب اور سال کتابت درج نہیں۔ جملہ اوراق ۲۴۴ ہیں اور سطور فی صفحہ ۲۵

نسخہ ۱۰۶ اچھی خط نستعلیق میں ہے۔ نام کاتب و سال تحریر مکتوب نہیں۔ البتہ "قاضی معین الدین" کے نام کی مہر کتاب کے وسط اور آخر میں ثبت ہے۔ ورق اول پر سال خرید ۱۲۰۷ھ مرقوم ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ نسخہ گیارھویں صدی ہجری کے وسط کا کتابت شدہ ہے۔ اس کے اوراق ۴۰۰ اور سطور فی صفحہ ۱۷ ہیں۔ یہ کتاب ہندوستان میں چھپ چکی ہے۔[1]

فتاویٰ حمادیہ کا ذکر ڈاکٹر زبید احمد نے بھی کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں، "الفتاویٰ الحمادیہ ناگور کے مفتی ابو الفتح رکن بن حسام الدین نے اپنے صاحبزادے کی مدد سے اس زمانے میں مرتب کیا، جب کہ وہ نہروالہ (گجرات) میں مقیم تھے۔ یہ قاضی حماد الدین بن قاضی اکرم کا دور تھا۔ یہ کتاب انہی کی فرمائش پر لکھی گئی اور انہی کے نام سے منسوب کی گئی۔ اس کے علاوہ مصنف اور سرپرست کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔

اس کتاب میں جن کتابوں کے حوالے دیے گئے ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب آٹھویں صدی ہجری کے آخر یا نویں صدی ہجری کے شروع میں معرض تصنیف میں لائی گئی۔ مصنف نے ان کتابوں کی بہت تفصیلی فہرست دی ہے، جن سے اس نے کتاب مرتب کرنے میں مدد لی ہے۔ کتاب قابل اعتماد ہے اور فتاویٰ عالمگیری میں اس کے بعض فقہی

[1] فہرست مشروح بعض کتب نفیسہ قلمیہ (حصہ دوم) مخزونہ کتب خانہ آصفیہ (حیدرآباد دکن) ج ۱ ص ۱۰۷

دیے گئے ہیں۔ اس کی ترتیب وہی ہے جو اس نوعیت کی دوسری کتابوں کی ہے۔[1]

فتاویٰ کا مصنف

فتاویٰ حمادیہ نویں صدی ہجری میں لکھا گیا۔ افسوس ہے اس کے مصنف مفتی رکن الدین ناگوری ان کے بیٹے اور معاون مفتی داؤد بن رکن الدین ناگوری، قاضی القضاۃ حماد الدین گجراتی (جن کی طرف یہ فتاویٰ منسوب ہے) اور ان کے والد قاضی محمد اکرم گجراتی کے حالات اس سے زیادہ نہیں معلوم ہو سکے کہ یہ نویں صدی ہجری۔ کے اعیان و علماء سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کا شمار ہندوستان کے طبقہ تاسعہ کے علماء و فقہاء میں ہوتا ہے۔ نزہتہ الخواطر میں ان کا ذکر اسی زمرہ میں کیا گیا ہے۔ پھر یہ ذکر تفصیلی نہیں ہے بلکہ وہی ہے جو فتاویٰ کے مقدمہ سے مستفاد ہے۔ چنانچہ مصنف فتاویٰ۔ کے بارے میں مرقوم ہے۔

"الشیخ عالم کبیر، علامہ مفتی رکن الدین بن حسام الدین حنفی ناگوری کا شمار اونچے درجہ کے فقہاء میں ہوتا ہے۔ فقہ و اصول میں ان کا مرتبہ بہت بلند تھا۔ یہ گجرات کے ایک شہر نہروالہ میں مفتی تھے۔ ان کی تصنیف فتاویٰ حمادیہ ہے، جو ایک ضخیم کتاب ہے۔ یہ کتاب انھوں نے قاضی حماد الدین بن محمد اکرم گجراتی کے حکم سے تصنیف کی اور اس سلسلے میں تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول کی دو سو چار کتابوں سے استفادہ کیا اور ان سے مسائل فقہی بیان کیے۔ اس کا آغاز الحمد للہ الذی نور قلوب الموحدین بنور التوحید والایمان الخ کے الفاظ سے ہوتا ہے۔"[2]

قاضی حماد الدین گجراتی

پہلے بتایا گیا ہے کہ یہ کتاب قاضی القضاۃ حماد الدین گجراتی کی طرف منسوب ہے ان کے بارے میں صاحب نزہتہ الخواطر فرماتے ہیں:

الشیخ عالم و فقیہ، قاضی حماد الدین بن محمد اکرم حنفی گجراتی اپنے دور کے مشہور فضلاء میں تھے۔ نہروالہ میں قاضی القضاۃ کے منصب جلیلہ پر متمکن تھے۔ مفتی رکن الدین ناگوری

---

[1] اعتبار سوشن آف انڈو پاکستان ٹو عربک لٹریچر ص ۱۰۷

[2] نزہتہ الخواطر جلد ۳ ص ۱۰۷

Marfat.com

ان کے حکم سے فتاویٰ حمادیہ تصنیف فرمایا۔ مصنف نے ابتداء نے کتاب میں اس کا ذکر کیا ہے اور ان کی علمی دسترس اور فضل و کمال کی بڑی تعریف کی ہے۔[1]

مصنف کے معاون

فتاویٰ حمادیہ کی تصنیف میں مصنف کے لڑکے مفتی داؤد بن رکن الدین ناگوری نے ان کی امداد کی اور جیسا کہ مقدمۂ کتاب سے ظاہر ہے ان کی معاونت سے یہ کتاب معرض تصنیف میں آئی۔ مفتی داؤد کے بارے میں مولانا عبدالحی حسنی صاحب نزہتہ الخواطر لکھتے ہیں:

الشیخ عالم کبیر مفتی داؤد بن رکن الدین بن حسام الدین حنفی ناگوری عظیم المرتبت عالم تھے اور فقہ و اصول میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ بلاد گجرات کے ایک شہر نہروالہ میں مسند افتاء پر فائز تھے۔ فتاویٰ حمادیہ کی تدوین و ترتیب میں، جیسا کہ آغاز کتاب میں ان کے والد نے صراحت کی ہے، انھوں نے اپنے والد مفتی رکن الدین ناگوری کی اعانت فرمائی۔[2]

قاضی محمد اکرم گجراتی

یہ قاضی حماد کے والد تھے۔ مولانا عبدالحی حسنی لکھنوی نے ان کا ذکر بھی کیا ہے۔ لکھتے ہیں: الشیخ عالم و فقیہ، قاضی محمد اکرم حنفی گجراتی بڑے علم و فضل کے حامل تھے اور ان علماء میں سے تھے جن کو فقہ و اصول میں خاص درک حاصل تھا۔ یہ شہر نہروالہ میں قاضی القضاۃ تھے۔ مفتی رکن الدین ناگوری نے اپنی تصنیف فتاویٰ حمادیہ کے دیباچے میں ان کی بہت تعریف کی ہے اور امام، عالم النعمان ثانی اور ناقد المعقول والمنقول وغیرہ بہترین القاب سے ان کا تذکرہ کیا ہے۔[3]

مشمولات و مضامین

فتاویٰ حمادیہ اسی قسم کے مضامین و مندرجات کو محیط ہے جو فقہ کی عام کتابوں کی زینت ہیں۔ اس فتاویٰ میں (جیسا کہ پہلے بتایا گیا) دو سو سے زائد کتابوں سے مسائل فقہی

---

[1] نزہتہ الخواطر جلد ۳ ص ۵۱ [2] ایضاً ص ۶۸ [3] ایضاً ص ۱۷

بیان کیے گئے ہیں۔ بعض مقامات پر بڑی تفصیل دی گئی ہے۔ بعض مسائل واحکام میں بہت اختصار سے کام لیا گیا ہے اور اس زمانے کے حالات کے مطابق مسئلہ زیر بحث سے تعرض کیا گیا ہے۔

کتاب حج

مثلاً کتاب الحج صرف ایک صفحے تک محدود ہے اور اس موضوع سے متعلق وقت کے تقاضے کی روشنی میں گفتگو کی گئی ہے۔ کتاب الحج کے آغاز میں بتایا گیا ہے کہ حج فرض ہے اور اللہ کے نزدیک حاجی کے لیے اجر و ثواب کا دائرہ بڑا وسیع ہے لیکن اگر راستہ مخدوش ہو اور خطرات میں گھر جانے کا اندیشہ ہو تو حج کی فرضیت ساقط ہو جاتی ہے۔ اس سلسلے میں مصنف کی عبارت ملاحظہ ہو۔

وسئل الکرخی عمن وجب علیہ الحج الا انہ لا یخرج لمکان القرامطۃ تدخل علی الخارج بالبادیۃ فقال ما سلمت البادیۃ علی احد یعنی لیس بعذر لان البادیۃ لا یخلوا عن الآفات وقلۃ الماء وشدۃ الحر وھیجان ریح السموم ویرا فتی بعض فقہائنا۔ وقال ابو القاسم الصفار لا اری فی سقوط الحج عن اھل البلد فی ھذا الزمان، وانما الشک فی السقوط عن الرجال، و عنہ لا ادری بالحج فرضا منذ عشرین سنۃ، منذ خرج القرامطۃ، قال والبادیۃ عندی دار من دار الحرب[1]

ترجمہ: کرخی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ اس دور میں جبکہ راستوں اور جنگلوں میں قرامطہ کا زور ہے، اور سفر میں مشکلات پیدا ہو گئی ہیں، حج کی ادائیگی کن لوگوں پر فرض ہے؟

فرمایا: حج اس وقت فرض ہے، جب کہ جنگل میں ہر شخص کو سفر کی سہولتیں حاصل ہوں۔ یعنی کسی کے لیے کوئی عذر نہ ہو۔ اب صورت حال یہ ہے کہ جنگل اور راستے آفات سے محفوظ نہیں رہے، پانی کی قلت پیدا ہو گئی ہے، گرمی میں شدت کے آثار ابھر آئے ہیں اور گرم ہواؤں نے زور باندھ رکھا ہے۔ ایسے دور میں ہمارے بعض فقہا کا فتویٰ یہی ہے

---

[1] ورق ۱۵۱

ابو القاسم صفار کا کہنا ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس زمانے میں عورتوں پر سے تو حج کی فرضیت ساقط ہو گئی ہے، البتہ مردوں کے بارے میں شبہ ہے کہ ان پر حج کی فرضیت باقی رہی ہے یا نہیں۔ وہی (ابو القاسم صفار) فرماتے ہیں میں نہیں سمجھتا کہ گزشتہ بیس سال سے جو ہو رہا ہے اس کو دیکھتے ہوئے حج کی فرضیت باقی رہی ہے۔ وہ مزید فرماتے ہیں۔ میرے نزدیک تحقیق یہ ہے کہ فرضیت ساقط ہو گئی ہے یا باقی نہیں۔

اس سے آگے دو تین سطروں میں مختلف فقہاء کے حوالے سے مصنف نے بتایا ہے کہ خروج اور لوٹ مار کے اس دور میں خراسان اور بغداد وغیرہ علاقوں کے باشندوں پر (جو فتنہ و فساد سے متاثر ہیں) حج کی فرضیت ساقط ہو گئی ہے۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مصنف روشن خیال ہیں اور حالات کی تبدیلی کو ماننے کے حق میں ہیں اور اس حقیقت کے قائل ہیں کہ حالات و ظروف کے حدود اس درجہ وسعت پذیر ہیں کہ فرائض و واجبات بھی اس کے دائرہ اثر سے باہر نہیں۔

کیا بنی ہاشم کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے؟

اہل علم کے نزدیک یہ متنازعہ فیہ مسئلہ ہے کہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ اور صدقہ کا مال دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ فتاوی حمادیہ کے مصنف نے کتاب الزکوٰۃ میں اس مسئلہ کو بھی موضوع بحث ٹھہرایا ہے، انھوں نے مختلف کتابوں کے حوالے سے ثابت کیا ہے کہ بنی ہاشم کو صدقہ بھی دیا جا سکتا ہے اور زکوٰۃ بھی، چنانچہ کتاب الخزانہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ لا بأس بالصدقات کلہا علی بنی ہاشم والحرمۃ کانت علی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم[1]

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ ہر قسم کے صدقات بنی ہاشم کو دیئے جائیں، حرمت کا تعلق صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک تک محدود تھا۔

اس سے آگے فرماتے ہیں:

[1] ورق ۱۷

روی ابو عصمۃ عن ابی حنیفۃ انہ یجوز دفع الزکوٰۃ الی بنی ہاشم وانما کان لا یجوز فی ذلک الوقت[1]

ترجمہ: ابو عصمہ امام ابو حنیفہ سے روایت کرتے ہیں کہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اس کا عدم جواز صرف اس زمانے تک محدود تھا جب آنحضرت بنفس نفیس اس دنیا میں تشریف فرما تھے۔ کرمینی کے حوالے سے مزید فرماتے ہیں۔

وقیل فی زماننا یجوز دفع الزکوٰۃ الیھم[2]

یعنی ہمارے زمانے میں ان (بنی ہاشم) کو زکوٰۃ ادا کرنا جائز ہے۔

بیت المال اور اغنیا

اسی سلسلے میں بیت المال کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ فتاویٰ غیاثیہ کے حوالے سے مصنف لکھتے ہیں بیت المال کے سرمایہ میں اغنیا کا کوئی حق نہیں۔ انھیں یہ مال نہ دیا جائے۔ الفاظ یہ ہیں:

لیس للاغنیاء فی بیت المال نصیب[3]

یعنی بیت المال میں اغنیا کا کوئی حصہ نہیں۔

ایک فقہی نکتہ

کتاب الحدود والسرقہ میں "قذف" پر بحث کرتے ہوئے مصنف نے ایک عجیب فقہی نکتہ پیدا کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ایک شخص کسی کو "حرام زادہ"، یا "ولد الحرام" یا "زانی" کہہ دیتا ہے اور درحقیقت وہ ایسا نہیں ہے، تو کیا اس قسم کے لفظ کہنے والے پر حدِ قذف عائد ہوگی اور اسے قابلِ تعزیر گردانا جائے گا؟ اس سلسلے میں بعض فقہا کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اس پر حدِ قذف نافذ ہوگی اور بعض کہتے ہیں نافذ نہیں ہوگی ان الفاظ کا قائل حدِ قذف سے محفوظ رہے گا۔ مختلف کتابوں سے دونوں نقطہ نظر کے حاملین کے اقوال درج کرنے کے بعد مصنف شرح طحاوی کے الفاظ نقل کرتے ہیں۔

حد القذف انما یجب علی القاذف اذا کان القذف مصرحا لا کنایۃ کما اذا قال یا زانی او یقول زنیت، او یقول انت زان[4]

---

[1] ورق ۱۷ [2] ایضاً [3] ایضاً ۱۸ [4] ورق ۹۱

یعنی قاذف (تہمت تراش) پر حد قذف اس صورت میں واجب ہوگی جب الفاظ قذف صریح اور واضح ہوں۔ اشارہ وکنایہ کے انداز کے الفاظ سے "مثلاً" اے زانی "کہنے سے یا "تم مرتکب زنا ہوئے" کہنے سے حد قذف واجب نہ ہوگی۔

مصنف کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اس نوع کے الفاظ زیادہ اہمیت نہیں رکھتے اور عام طور پر کوئی وقتی جذبہ یا فوری غصہ ان الفاظ کے استعمال کا محرک ہوتا ہے۔ عقیدت اور سنجیدگی سے انہیں کوئی خاص تعلق نہیں ہوتا۔ لہذا یہ الفاظ حد قذف کا موجب نہیں بن سکتے۔ اسی ضمن میں مصنف لکھتے ہیں۔

ولا یقام حد القذف الا بطلب المقذوف[1] کہ قاضی قاذف پر حد قذف، مقذوف (جس پر تہمت لگائی گئی ہو) کو عدالت میں طلب کیے بغیر نہیں لگا سکتا۔ مطلب یہ کہ سزا کے لیے عدالت میں استغاثہ دائر کرنا اور مدعی علیہ کو عدالت میں ثابت کرنا ضروری ہے۔

نقب زنی کے بارے میں

کتاب الحدود والسرقہ میں مصنف نے نقب زنی کے بارے میں بھی مختصر الفاظ میں اظہار خیال کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

فاذا نقب البیت، فتناوله آخر واخذ المتاع من یده من غیر ان یدخل الدار فانه لایقطع اتفاقاً[2]

یعنی چور اگر مکان کو نقب لگانے اور پکڑا جائے اور اس کے ہاتھ سے مال مسروقہ بھی برآمد ہو جائے لیکن یہ مال مکان سے باہر برآمد ہو تو اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اس صورت میں اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

یہاں مصنف رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ چور کو نقب زنی کے بعد اگر مکان کے اندر ہی پکڑ لیا جائے اور اس سے مال مسروقہ برآمد ہو جائے تو چوری بلاشبہ ثابت ہوگی اور اگر مکان سے باہر پکڑا جائے تو شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ جو مال اس سے برآمد ہوا ہے وہ اس نے کہاں سے لیا؟ فی الواقع چوری شدہ ہے یا کسی دوسری قسم سے تعلق رکھتا ہے؟ اس صورت میں

---

[1] ورق ۹۱ [2] ایضاً

Marfat.com

ملزم کو شبہ کا فائدہ پہنچنا چاہیے۔

بیت المال کی چوری

اسی ضمن میں اس سوال کا جواب بھی دیا گیا ہے کہ بیت المال، مال غنیمت اور خمس کی چوری کرنے والے کے ساتھ کیا سلوک روا رکھا جائے۔ کیا اس پر قطع ید کا حکم نافذ ہوگا؟ لکھا ہے۔

من سرق من بیت المال او الغنیمۃ او الخمس لم یقطع۔[1]

یعنی بیت المال، مال غنیمت اور خمس کا مال چوری کرنے والے کے لیے قطع ید نہیں۔

اس کے ساتھ ہی چور کے اقرار کے بارے میں مرقوم ہے، ویقطع بالاقرار مرۃ عن ابی یوسف کہ امام ابو یوسف کے نزدیک اگر چور ایک مرتبہ چوری کا اقرار کرے تو قطع ید واجب ہو جائے گا۔ اسی بحث میں لکھا ہے کہ اگر اقرار کے بعد انکار کر دے تو قطع ید نہیں ہوگا۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں۔ اگر وہ کہے۔ کہ "میں نے مال لیا، پھر کہے کہ مال چوری ہو گیا"، تو الفاظ کے اس اختلاف کی وجہ سے اس پر قطع ید کا نفاذ نہیں ہوگا۔[2] اس کی وجہ یہ ہے کہ اختلافِ بیان کی بنا پر معاملہ مشتبہ ہو گیا۔ ملزم کو اس سے فائدہ پہنچے گا۔

سزائے قتل

اس بحث میں سزائے قتل کے سلسلے میں بھی گفتگو کی گئی ہے۔ مصنف لکھتے ہیں اگر قافلہ جا رہا ہو اور راستے پر رہزن حملہ کر دیں اور قافلہ والے مقابلے میں رہزنوں میں سے کسی کو قتل کر دیں تو ان کو سزائے قتل نہیں دی جائے گی کیونکہ انھوں نے اپنی حفاظت کے لیے، جس کا انھیں پورا حق ہے، رہزنوں کو قتل کیا ہے۔ ساتھ ہی فرماتے ہیں۔

ولو کان فی قطاع الطریق صبی او مجنون سقط الحد عن الباقین۔[3]

یعنی اگر رہزنوں اور ڈاکوؤں میں بچے اور فاترالعقل لوگ شامل ہوں تو ان کی وجہ سے باقی لوگوں سے سزائے قتل ساقط ہو جائے گی۔

مصنف کی اس عبارت کا مفاد یہ ہے کہ فرض کرو ڈاکوؤں نے قافلہ پر حملہ بول دیا۔ اور بعض افراد کو قتل بھی کر دیا تو اگر ان کے ساتھ بچے اور مجنون شامل ہیں تو ان پر قتل کی

---

[1] ورق ۹۱ [2] ایضاً ۹۵ [3] ایضاً ۹۸

سزا کا حکم نافذ نہیں ہوگا کیونکہ بات مشتبہ ہوگئی ہے کہ اصل قاتل کون ہے؟ ہو سکتا ہے، کسی بچے یا مجنون ہی کے ہاتھ سے قتل کا ارتکاب ہوگیا ہو اور ان کو سزا دینا جائز نہیں، لہذا معاملہ شبہ میں پڑ گیا اور ملزم اس سے فائدہ اٹھا گیا۔

چور کے قاتل سے قصاص نہیں لیا جائے گا

کتاب الحدود والسرقہ میں، اس موضوع سے متعلق خاص تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ چور کو عین چوری کرتے وقت یا نقب لگاتے ہوئے قتل کر دیا جائے تو قتل کرنے والے سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ اس سلسلے میں مصنف کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

روی ابو یوسف عن ابی حنیفۃ رح اذا نقب علیك اللص، فاذا رایتہ وهو ینقب فاقتله ولا تحذره[۱]۔

ترجمہ: امام ابو یوسف رح امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ اگر تم چور کو مکان میں نقب لگاتے ہوئے دیکھو تو اسے قتل کر دو۔ نہ اس سے ڈرنے کی ضرورت ہے اور نہ اس کی حفاظت کی۔ ممکن ہے وہ قتل کی نیت سے آیا ہو۔ مصنف مزید لکھتے ہیں:

وان دخل سارق، فخفت ان یکون معه شیء فیرمیك او یضربك فارمه ولا تعزره[۲]۔

ترجمہ: اگر چور تمہارے گھر میں داخل ہو جائے اور تم خطرہ محسوس کرو کہ اس کے پاس اسلحہ وغیرہ ہوگا۔ اور وہ تمہیں مارے گا تو ایسی صورت میں تم بلا خوف و خطر اس کو مار سکتے ہو۔

اس سے پہلے بتایا گیا ہے

اللص اذا دخل دار رجل یرید اخذ متاع او اخذ المتاع واخرج فله ان یقتله ما دام المتاع معه، لقوله صلی اللہ علیہ وسلم قاتل دون مالك[۳]۔

ترجمہ: اگر چور کسی کے مکان میں گھس جائے اور وہ مال اٹھانے کا ارادہ کر رہا ہو یا اٹھا چکا ہو اور مکان سے باہر لے گیا ہو تو جب تک مال اس کے قبضے میں ہے، مالک اسے قتل کر سکتا ہے

۱۔ ورق ۱۴۴ ۲۔ ایضاً ۳۔ ورق ۱۰۳

Marfat.com

کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ کہ "اپنے مال کی حفاظت کے لیے جنگ کرو"
اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص چوری یا ڈاکہ زنی کی غرض سے کسی کے مکان میں گھس
جائے تو اُسے قتل کیا جا سکتا ہے اور ایسے موقع پر اپنی جان اور مال و متاع کا تحفظ ضروری
ہے اور اگر اس معاملے میں نوبت قتل و قتال تک بھی پہنچ جائے تو کوئی حرج نہیں۔

کمزور و ناتواں کو کس طرح سزا دی جائے

شریعت اسلامیہ میں بعض جرائم کی سزا بڑی سخت ہے۔ جیسا جرم ہوگا اسی کے مطابق سزا
دی جائے گی۔ لیکن احادیث میں ایسے واقعات بھی ہیں کہ سزا مجرم کی جسمانی حالت کے مطابق
دی گئی۔ فتاویٰ حمادیہ کے فاضل مصنف نے بھی اس رعایت کو ملحوظ رکھا ہے۔ فرماتے ہیں

رجل وجب علیہ الحد، وھو ضعیف الخلقۃ، فخیف علیہ الھلاک
اذا ضرب یجلد مقدار ما یحتمل[1]۔

یعنی ایک شخص پر حد واجب ہو گئی ہے اور وہ جسمانی لحاظ سے اس درجہ کمزور ہے کہ
خطرہ ہے کہ کوڑے لگائے گئے تو نتیجہ اس کی ہلاکت کی صورت میں نکلے گا۔ ایسے شخص کو اس
مقدار میں کوڑے لگائے جائیں گے جس کا وہ متحمل ہو۔

وہ لوگ جن سے قتل کا قصاص نہیں لیا جائے گا

مصنف نے حد و تعزیر کے دائرے کا ذکر کرتے ہوئے کچھ ایسے لوگوں کا تذکرہ کیا
ہے جو قصاص قتل سے محفوظ رہیں گے۔ اور وہ یہ ہیں۔

۱۔ وجد قتیل فی دار، قال صاحب الدار قتلتہ انا، لانہ اراد
اخذ مالی وعلی المقتول سیماء السراق ھو منھم، عن ابی حنیفۃ رضی اللہ
عنہ، انہ لا شیٔ علی صاحب الدار وفی موضع آخر علیہ الدیۃ
دون القصاص[2]۔

ترجمہ: ایک مکان میں ایک مقتول پایا گیا۔ مالک مکان کہتا ہے کہ اس کو میں نے قتل
کیا ہے کیونکہ یہ میرا مال و متاع لوٹنا چاہتا تھا۔ اور پھر مقتول میں ایسے آثار بھی پائے جاتے

---

[1] ورق ۱۰۴ [2] ایضاً

Marfat.com

ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ یہ چوروں کے گروہ سے تعلق رکھتا ہے امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک ایسی صورت میں مالک مکان کو کوئی سزا نہیں دی جائے گی۔ دوسری جگہ ہے کہ اس کو دیت دینا پڑے گی۔ قصاص نہیں۔!

۲۔ وکذا لو وجد رجلا ینقب منزلہ یرمیہ بحجر فیقتلہ[1]

ترجمہ: یہی حیثیت اس شخص کی ہے جو ایک شخص کو اپنے مکان میں نقب لگاتے ہوئے پاتا ہے اور اپنے مال کے تحفظ کی غرض سے، اس کو پتھر مارتا ہے جس کے نتیجے میں اس کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

۳۔ وکذا اذا وجد مع القرابۃ او مع الجاریۃ رجلا یرید ان یزنی بھا، وھی مکرھۃ، وان راٰہ مع امرأتہ، او مع محرمۃ لہ، وھی مطاوعۃ علی ذلک، قتل الرجل والمرأۃ جمیعا[2]۔

ترجمہ: یہی حکم اس شخص کے متعلق ہے جو اپنی قریبی عورت یا اپنی کنیز کے ساتھ کسی کو بدفعلی کا ارادہ کرتے ہوئے پاتا ہے اور وہ عورت اس فعل بد سے ناخوش ہے یا وہ اپنی بیوی یا کسی محرم عورت کے ساتھ فعلِ بد کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھتا ہے اور وہ عورت بھی اس فعل پر رضامند ہے۔ وہ شخص اس مرد اور عورت دونوں کو قتل کر دے: (یعنی تقاضائے غیرت اس کے تحفظ کی صورت پیدا کرتا ہے)

۴۔ رجل اراد ان یکرہ غلاما او امرأۃ علی الفاحشۃ فلہما ان یقتلا... ولا یجب بقتلہ شیٔ، ولکن ھذا اذا لم یستطع الدفع الا بالقتل[3]

ترجمہ: اس شخص کے بارے میں بھی یہی حکم ہے، جو کسی لڑکے یا عورت کو بےحیائی پر مجبور کرتا ہے ان دونوں کو چاہیے کہ اس کو جان سے مار ڈالیں... ایسی صورت میں اس کے قتل کا کچھ نہیں بنے گا۔ لیکن یہ اس وقت ہے جب معاملہ اس قدر آگے بڑھ جائے کہ قتل کے سوا اس سے حفاظت و دفاع کی کوئی صورت باقی نہ رہی ہو۔

---

[1] ورق ۱۴۴ [2] ایضاً [3] ایضاً

Marfat.com

۵۔ دخل بیتہ، فرأی فاجرا مع امرأتہ فیقتلہ، لا یجب القصاص وحل لہ قتلہ[۱]

(ایک شخص) اپنے مکان میں داخل ہوا اور دیکھا کہ ایک فاجر اس کی بیوی سے بدفعلی کر رہا ہے (اس نے شدتِ جذبات سے متاثر ہو کر اور عواطف حمیت و غیرت سے مغلوب ہو کر) اس کو قتل کر دیا (اس پر قصاص نہیں ہو گا اور اس کے لیے اس کا قتل حلال قرار پائے گا۔

جزیہ کن لوگوں سے نہ لیا جائے

یہ ایک فقہی سوال ہے کہ اسلامی حکومت میں جزیہ کن لوگوں سے لیا جائے گا اور کون لوگ اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔ اس ضمن میں فتاویٰ حمادیہ کے مصنف نے کتاب السیر میں مسئلہ جہاد کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک بھی بیان کیا ہے اور صاحبین (امام محمد اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ) کے نقطۂ نظر کی بھی وضاحت کی ہے مصنف نے بتایا ہے کہ صاحبین کے نزدیک دس قسم کے لوگوں سے جزیہ نہیں وصول کیا جائے گا۔ یعنی (۱) بچوں سے، (۲) رہبان سے، (۳) اندھوں سے (۴) پاگلوں سے، (۵) غلاموں سے، (۶) شیخ فانی سے، (۷) دائم المریض سے، (۸) ان لوگوں سے جن کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں، (۹) ان سے جو فقط عبادت گزار ہوں، اور (۱۰) معاشرہ کے نادار اور مفلس افراد سے۔ مزید برآں امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں مفلوج سے بھی جزیہ نہیں لیا جائے گا[۲]

اس سے آگے چل کر فقہا نے اور بھی رعایت دی ہے۔ سغنانی کے حوالے سے فتاویٰ حمادیہ کے مصنف لکھتے ہیں:

ولو مرض الذمی السنۃ کلھا، فلو یقدر ان یعمل، وھو موسر انہ لا یجب علیہ الجزیۃ[۳]

یعنی اگر (اسلامی مملکت میں) ذمی، کامل ایک سال کسی مرض میں مبتلا رہتا ہے اور مرض نے اسے کسی کام کے قابل نہیں رہنے دیا تو اگرچہ وہ آسودہ حال ہو، اس پر جزیہ

---

[۱] ورق ۱۰۴ [۲] ورق ۱۲۵ [۳] ایضاً

واجب نہیں۔

مطلب یہ کہ غیر مسلموں کے ساتھ فقہائے عظام نے زیادہ سے زیادہ نرمی اختیار کرنے کے اصول وضع کیے ہیں۔

غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کے بارے میں

اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کے بارے میں بھی مصنف فتاویٰ نے اسی الکتاب السیر میں بحث کی ہے[1]۔ انھوں نے اس ضمن میں اس سوال کا جواب دیا ہے کہ غیر مسلم اور ذمی خالص اسلامی مملکت میں اپنی عبادت گاہیں تعمیر کر سکتے ہیں یا نہیں؟ مصنف نے مختلف فقہا کے اقوال درج کیے ہیں جن کا مفاد یہ ہے۔

۱۔ وہ نئی عبادت گاہیں تعمیر نہیں کر سکتے۔ البتہ پرانی عبادت گاہیں منہدم ہو جائیں یا قابلِ مرمت ہوں تو ان کی دوبارہ تعمیر اور مرمت کرا سکتے ہیں۔

۲۔ نئی عبادت گاہیں تعمیر کرنا ضروری ہو تو اپنے رہائشی مکانوں میں تعمیر کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ اصلاً مکان ہی کے حصے میں شامل ہوتی ہیں اور اسی کے تابع قرار پاتی ہیں۔ یہ رعایت بھی شہروں تک محدود ہے۔ دیہات اور بستیوں میں اس کی اجازت نہیں۔ اس لیے کہ خطرہ ہے وہ دیہات میں اپنے مراکز قائم کر کے وہاں کے ناواقف اور سادہ مزاج لوگوں کو گمراہ کریں گے۔

۳۔ جن آبادیوں کے دیہات میں اہل ذمہ زیادہ تعداد میں آباد ہوں، وہاں کے دیہات کے رہائشی مکانوں میں بھی وہ عبادت گاہیں تعمیر کر سکتے ہیں[2]۔ ... لیکن جزیرۂ عرب کے دیہات و امصار (دونوں) میں تعمیر نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے "جزیرۂ عرب میں دو دین (اسلام اور غیر اسلام) جمع نہیں ہو سکتے"۔

۴۔ قدیم عبادت گاہیں کسی صورت میں منہدم نہیں کی جائیں گی۔

---

[1] دیکھیے ورق ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷

[2] یہاں مصنف نے کوفہ کے دیہات کی مثال دی ہے اور لکھا ہے کہ وہاں اہل ذمہ دوسرے علاقوں کے دیہات کی نسبت زیادہ تعداد میں تھے۔

Marfat.com

۵۔ اگر کوئی غیر مسلم علاقہ لڑائی سے فتح کیا جائے تو اس میں غیر مسلموں کی عبادت گاہیں اس صورت میں منہدم کی جا سکتی ہیں کہ خطرہ ہو کہ انھیں مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا مرکز بنا لیا جائے گا۔ اور اگر کوئی علاقہ صلح کے ساتھ قبضہ میں لیا جائے تو اس کی عبادت گاہوں کا انہدام نہ کیا جائے گا۔

معاوضہ اور تنخواہ کے مستحق لوگ

کتاب السیر میں مصنف نے بہت سے فقہی مسائل کو شائستۂ التفات ٹھہرایا ہے انھوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ معاوضہ اور تنخواہ کے مستحق کون لوگ ہیں۔ المحیط کے حوالے سے فتاویٰ حمادیہ کے مصنف تحریر فرماتے ہیں۔

واھل العطاء من یعمل لعامۃ المسلمین کالقاضی والمفتی والمدرس والغازی[1]۔

جو لوگ عامۂ مسلمین کی خدمت پر متعین ہیں اور ان کے نام رجسٹر میں درج ہیں۔ مثلاً قاضی، مفتی، مدرس اور غازی، انھیں باقاعدہ سالانہ یا جو طریقہ رائج ہو، اس کے مطابق، مسلمانوں کے بیت المال سے، اتنا معاوضہ ملنا چاہیے، جس سے ان کی ضروریات پوری ہو سکیں۔

وہ اس معاوضہ کے مستحق کیوں ہیں؟ مصنف فرماتے ہیں۔

وانما استحقوا ذلک لانھم فرغوا انفسھم لعمل المسلمین فیکون کفایتھم فی مال من بیت مال المسلمین[2]۔

ترجمہ: یعنی وہ اس معاوضہ کا استحقاق اس بنا پر رکھتے ہیں کہ انھوں نے اپنے آپ کو مسلمانوں کی خدمت کے لیے فارغ کر لیا ہے اور ان کی کفالت کی ذمہ داری مسلمانوں کے بیت المال پر عائد ہوتی ہے۔

اس مسئلے پر مصنف نے کتاب القضا میں بھی بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قاضی اور دیگر عمالِ حکومت معاوضہ لینے میں حق بجانب ہیں، کیونکہ ان کی مصروفیات ا...

---

[1] ورق ۱۲۶ [2] ایضاً

Marfat.com

نوعیت کی ہیں کہ وہ اور کوئی کام نہیں کر سکتے اسی میں مصروف رہتے ہیں۔ خلفائے راشدین۔ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم۔ بھی بیت المال سے معاوضہ لیتے تھے۔ اسی طرح علما و فقہا کا کہنا ہے کہ معلمین قرآن بھی معاوضہ لے سکتے ہیں۔[1]

بغاوت و خروج

مختلف فقہی کتابوں کے حوالے سے مصنف لکھتے ہیں۔ امام عادل کے خلاف ہرگز علم خروج و بغاوت بلند نہیں کرنا چاہیے۔ مصنف مزید لکھتے ہیں۔ فقہانے بغاوت و خروج کے بارے میں جو "امام عادل" کی قید لگائی ہے، اس کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ اگر امام عادل نہ ہو تو اس کی اعانت نہیں کرنی چاہیے۔ بلکہ اس کے خلاف خروج و بغاوت ضروری ہے۔ اس ضمن میں وہ آگے چل کر کہتے ہیں "امام حق وہ ہے، جس میں صحت امامت کی تمام شرائط جمع ہوں اور وہ شرائط یہ ہیں۔ مسلمان ہو، احکام شرع کا پابند ہو، عاقل و فہیم ہو، ذہن رسا کا مالک ہو، عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتا ہو، مسلمانوں کی اکثریت نے اُسے حاکم تسلیم کر لیا ہو اور وہ اس کی حکومت سے مطمئن ہوں، اس کے سامنے اصل مقصد اعلائے اسلام اور مسلمانوں کو تقویت پہنچانا ہو، مسلمانوں کا خون، ان کے اموال و اسباب اور ان کی عزت و آبرو اس سے محفوظ ہو اور وہ ان کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کرتا ہو۔ شریعت کے مطابق عشر، خراج اور جزیہ وصول کرتا ہو، مسلمانوں کے ساتھ اس طرح مشفقانہ اور عادلانہ برتاؤ کرتا ہو جس طرح کہ مہربان باپ بیٹے کے ساتھ اور شفیق بھائی اپنے بھائی سے کرتا ہے۔ رعایا کے لیے نرم مزاج، حلیم الطبع اور خوش اخلاق ہو۔ کم عقل نہ ہو، اسلامی حکومت کی سرحدوں کا محافظ ہو"[2] مصنف لکھتے ہیں۔

ومن لم یکن کذلک، فلیس ھو الامام الحق فلا یجب اعانتہ، بل یجب القتال معہ والخروج علیہ۔ حتی یستقیم۔[3]

ترجمہ: یعنی جو ان اوصاف کا حامل نہیں، وہ امامِ حق نہیں ہو سکتا۔ اس کی اعانت کرنا

---

[1] ورق ۲۱۶

[2] ورق ۱۲۷

ضروری نہیں، بلکہ اس کے ساتھ قتال واجب ہے اور اس کے خلاف خروج ضروری ہے حتیٰ کہ وہ راہِ راست پر آجائے۔

مسجد کا وقف

فتاویٰ حمادیہ میں کتاب الوقف کے تحت وقف کے سلسلے میں خاصی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ اس میں ایک مسئلہ یہ واضح کیا گیا ہے کہ ایک شخص مسجد کے لیے جگہ وقف کرتا ہے اور اس میں اپنے خرچ سے مسجد تعمیر کرتا ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے، کیا وہ اس مسجد میں اپنی مرضی سے مؤذن یا امام مقرر کر سکتا ہے؟

مصنفِ فتاویٰ، جواب دیتے ہیں۔ واقف اپنی پسند کے مؤذن اور امام کا تقرر نہیں کر سکتا، کیونکہ وقف کے بعد جب مسجد پر اس کا کوئی ذاتی حق نہیں رہا تو اس کی کسی چیز پر بھی جس میں مؤذن، امام اور خادم بھی شامل ہیں اس کا کوئی استحقاق نہیں رکھتا۔ وہ تنہا اس سلسلے میں فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں بلکہ اس نوع کے تمام معاملات مسجد کے نمازیوں اور محلہ یا گاؤں (جہاں مسجد تعمیر ہے) کے لوگوں کے مشورہ سے طے پائیں گے اور وہی کچھ ہوگا جو وہ کہیں گے کیونکہ مسجد اس کی ملکیت نہیں، وقف ہے اور وقف پر سب کے یکساں حقوق ہیں۔

اپیل کا حق

کتاب کا ایک اہم باب کتاب القضا ہے جس میں مصنف نے متعدد امور پر بحث کی ہے مثلاً قاضی ایک فیصلہ صادر کرتا ہے اور اس کا نفاذ بھی ہو جاتا ہے، لیکن فریقین میں سے ایک فریق اس فیصلہ سے مطمئن نہیں۔ کیا ایسی صورت میں کوئی ایک فریق، دوسری عدالت میں یا اس سے اعلیٰ عدالت میں اس قضیہ کو لے جا سکتا ہے؟ مصنف کہتے ہیں اس مسئلے بارے میں فقہا سے مختلف آرا منقول ہیں۔ بعض کے نزدیک وہی فیصلہ آخری سمجھا جائے اور نافذ ہوگا جو پہلی عدالت نے کیا ہے اور بعض کے نزدیک دوسری عدالت کے دروازے پر بھی دستک دی جا سکتی ہے۔ مصنف لکھتے ہیں، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس باب میں دو قول ہیں۔ دوسری عدالت میں جانے کا قول زیادہ صحیح ہے اور اگر دوسرا قاضی پہلے قاضی کی رائے کے خلاف فیصلہ کر دے تو وہی فیصلہ نافذ ہوگا۔

Marfat.com

ذلك على قول ابى حنيفة رضى الله عنه، لو قضى بخلاف رأيه ينفذ قضاؤه فى اصح الروايتين[1]

بالفاظ واضح اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر فریق مقدمہ کو دوسری عدالت میں مقدمہ لے جانے اور اپنے حقوق کے لیے اعلیٰ عدالت میں اپیل کرنے کا حق حاصل ہے۔

اجتہاد فی القضاء

عدل وانصاف کی مسند پر قاضی اجتہاد سے بھی کام لے سکتا ہے لیکن اس سلسلے میں اسے یہ بات بہرحال ملحوظ رکھنا پڑے گی کہ اجتہاد فی القضا سے نص اور اجماع امت کی مخالفت نہ ہوتی ہو۔ اگر اجتہادِ قاضی ان دونوں اصولوں کی مخالفت پر مبنی ہوگا تو باطل قرار پائے گا۔ کیونکہ نص اور اجماع کو اجتہاد پر فوقیت حاصل ہے اور اجتہاد نص اور اجماع کی روشنی میں کیا جاتا ہے، نہ کہ اس کو نظرانداز کر کے۔

غائب کے متعلق قضائے قاضی

کتاب القضا میں مصنف نے اس مسئلے کو بھی لائق اعتنا ٹھہرایا ہے کہ اگر مدعی علیہ غائب ہے اور عدالت کے سامنے اس کے موقف کی وضاحت کی کوئی صورت نہیں تو کیا قاضی، اس کی طرف سے وکیل کی خدمات حاصل کر سکتا ہے؟

مصنف کہتے ہیں نہیں کر سکتا۔ جب وکیل کو کسی معاملے کا علم ہی نہیں اور مدعی علیہ نے اس کو اپنی طرف سے وکالت کی اجازت ہی نہیں دی اور اپنا نقطہ نظر اس کے ذہن نشین ہی نہیں کرایا تو وکالت کس چیز کی؟

اس کے ساتھ ہی اس مسئلہ کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ اگر قاضی ایسے شخص کے خلاف جو عدالت سے غائب ہے، دلائل و ثبوت کی بنا پر فیصلہ دے دے تو یہ فیصلہ نافذ متصور ہوگا یا نہیں؟

مصنف لکھتے ہیں، اس سوال سے متعلق کتبِ فقہ میں دو روایتیں منقول ہیں شمس الائمہ سرخسی اور شیخ الاسلام ابوبکر سے جو روایت منقول ہے، وہ یہ ہے کہ یہ فیصلہ نافذ ہوگا۔ اور بعض دیگر

---

[1] ورق ۱۰۲ [2] ایضاً

Marfat.com

مشائخ فقہ کا قول ہے کہ نافذ نہیں ہوگا۔ کیونکہ قاضی براہِ راست فریقین کا نقطۂ نظر سنے اور سمجھے بغیر کوئی فیصلہ نافذ کرنے کا مجاز نہیں۔ البتہ اگر غائب کی طرف سے کسی شخص نے اس کی اجازت سے) وکالت کے فرائض انجام دیے ہوں تو قضائے قاضی نافذ ہوگا وعلیہ الفتویٰ۔[1] (فتویٰ اسی پر ہے)

آخری بیان کی اہمیت

فقہی اعتبار سے آخری بیان کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ مصنف لکھتے ہیں اگر ایک شخص عدالت میں کوئی بیان یا شہادت دے اور بعد میں غائب ہو جائے یا وفات پا جائے اور دوسری مرتبہ بیان دینے کا موقع نہ ملے تو آخری بیان صحیح سمجھا جائے اور قاضی اسی کی روشنی میں فیصلہ دے گا۔[2]

آدابِ قاضی

فقہا نے قاضی کے لیے کچھ آداب مقرر کیے ہیں اور کچھ حدود متعین کی ہیں، جن پر عمل کرنا ضروری ہے۔ مثلاً فتاویٰ تاتارخانیہ کے حوالے سے مصنف لکھتے ہیں۔ قاضی اگر مندرجہ ذیل دس حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں ہو تو اس کا فیصلہ نافذ نہیں ہوگا۔

(۱) غصے کی حالت میں ہو (۲) بھوک کی حالت میں ہو، (۳) پیاس کی حالت میں ہو، (۴) محصور ہو (۵) اس نے بول و براز کے تقاضوں کو روک رکھا ہو، (۶) سواری پہ سوار ہو، (۷) راستے میں چل رہا ہو، (۸) نیند سے مغلوب ہو، (۹) حالتِ مرض میں ہو، (۱۰) کسی نوع کے درد میں مبتلا ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان حالتوں میں سے کسی حالت میں نہ تو پوری طرح عقل و خرد کا توازن قائم رہتا ہے اور نہ مسئلہ زیرِ سماعت کے متعلق قاضی کو اچھی طرح سوچنے کا موقع ملتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی مصنف سغنانی کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ قاضی کو عمدہ لباس زیب تن کر کے عدالت میں آنا چاہیے اور گفتگو اور حرکات و سکنات میں انتہائی سنجیدگی کا ثبوت بہم پہنچانا چاہیے۔ علاوہ ازیں اسے مدعی اور مدعیٰ علیہ کے سامنے نہ زبان سے کچھ کہنا چاہیے اور نہ عمل و حرکت سے یہ احساس کرانا چاہیے کہ وہ طولِ جلسہ کی وجہ سے تھک گیا

---

[1] ورق ۲۰۲ [2] ایضاً

ہے۔ اسے عدالت کی کرسی پر بار بار پہلو نہیں بدلنا چاہیے اور نہ انگڑائی لینا چاہیے بلکہ پورے وقار سے اپنی مسند پر بیٹھنا چاہیے۔ مقدمہ کے کسی فریق سے مزاح نہیں کرنا چاہیے۔ نہ کسی کو نشانۂ استہزا بنانا چاہیے اور نہ ان کے سامنے ہنسنا چاہیے۔ نہ کسی کو کسی قسم کا اشارہ کرنا چاہیے، نہ ہو سست اور تنک مزاجی کا اظہار کرنا چاہیے، نہ انھیں ڈرانا دھمکانا چاہیے، نہ کسی طرح متاثر کرنا چاہیے اور نہ انھیں یہ کہنا چاہیے کہ وہ جلدی کریں۔ فریقین کے بیانات سننے اور فیصلہ کرنے میں عجلت نہیں کرنی چاہیے۔ قاضی کو عین وقت پر عدالت کی مسند پر بیٹھ جانا چاہیے اور سامنے ایک ایسا آدمی کھڑا کرنا چاہیے جو نہ کسی کو اس کے بالکل قریب آنے دے اور نہ بلا اجازت کوئی بات کرنے دے۔ اس آدمی کے فرائض میں یہ بھی داخل ہے کہ کمرۂ عدالت میں سب حاضرین کو خاص ترتیب اور قرینہ سے بٹھائے اور شور نہ کرنے دے تاکہ قاضی کے اطمینان میں خلل نہ پڑے اور اس کا ذہن دوسری طرف منتقل نہ ہو اور وہ کامل سکون اور توجہ سے اپنے مفوضہ فرائض انجام دے سکے۔ قاضی کسی فریق پر یہ تاثر نہ پیدا ہونے دے کہ اس کی کسی بات یا کسی اشارے سے، دوسرے فریق کی حمایت کا پہلو نکلتا ہے۔ وہ مدعی اور مدعیٰ علیہ کی باتیں باقاعدہ لکھتا جائے۔ آداب قاضی میں یہ بھی شامل ہے کہ اس کے پاس ایک رجسٹر ہو، جس میں مقدمہ کی تمام کارروائی، شہادتیں اور فریقین کے بیانات درج کیے جائیں۔[۱]

آگے چل کر آداب قاضی کے ضمن میں فتاویٰ خانیہ کے حوالے سے مرقوم ہے کہ جس طرح قاضی رشوت نہیں لے سکتا، اسی طرح اس اجنبی سے کوئی تحفہ بھی قبول نہیں کر سکتا، جس سے نہ پہلے سے اس کے ذاتی مراسم ہیں اور نہ اس نے اس سے قبل کبھی اس کو کوئی تحفہ پیش کیا۔ نہ وہ کسی سے قرض لے سکتا ہے اور نہ مالی امداد طلب کر سکتا ہے۔ اس لیے کہ لوگ اس کے عہدہ و منصب سے ناجائز مراعات اور غلط مفادات نہ حاصل کر سکیں۔[۲]

قرض کی وصولی

الحاوی کے حوالے سے فتاویٰ حمادیہ کے مصنف رقم طراز ہیں کہ اگر قرض خواہ

---

[۱] ورق ۲۰۹، ۲۱۰ [۲] ورق ۲۱۷

کسی پہ دعویٰ کرے کہ یہ میرا مقروض ہے اور قرض ادا نہیں کرتا اور تفصیلات سننے کے بعد قاضی اس نتیجہ پہ پہنچ جائے کہ مدعی حق بجانب ہے مگر مقروض، بصورت نقد قرض ادا کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اور اس کے پاس رہائشی مکان کے علاوہ اور کچھ نہیں تو قاضی اس کا مکان فروخت کر کے قرض خواہ کا قرض ادا کرنے کا مجاز ہے۔[1]

سئل ابوبکر رحمہ اللہ عن مدیون لیس لہ الا دار یسکنہا، قال یبیعہا القاضی، فیقضی دینہ۔[2]

امام محمد اور امام ابو یوسف کے نزدیک قاضی، مقروض کا مال و متاع بھی فروخت کر کے اس کی رقم قرض خواہ کو دے سکتا ہے۔[3]

اشتہار و منادی کے ذریعے ملزم کی تلاش

مدعی بار بار مدعی علیہ کے مکان پہ جاتا ہے اور عدالت بھی اپنے ذرائع سے اس کو طلب کرتی ہے مگر نہ وہ گھر پہ ملتا ہے اور نہ عدالت میں حاضر ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں عدالت اس کے مکان پہ اپنا ایک وکیل (نمائندہ) بھیجے، جس کے ساتھ عدالت کی طرف سے دو گواہ بھی ہوں۔ وہ نمائندہ مسلسل تین روز دن میں تین تین بار اس کے مکان پہ جائے اور دو گواہوں کی موجودگی میں اس کے دروازے پر کھڑا ہو کر یہ اعلان کرے۔ "فلاں بن فلاں کو متنبہ کیا جاتا ہے کہ فلاں تاریخ کو فلاں وقت، قاضی کی عدالت میں حاضر ہو اور فلاں الزام کے بارے میں جو فلاں شخص کی طرف سے اس پہ عائد کیا گیا ہے اپنی پوزیشن واضح کرے اگر وہ تاریخ مقررہ اور وقتِ مقررہ پہ عدالت میں حاضر نہ ہوگا اور نہ اپنا وکیل بھیجے گا اور نہ کوئی اطلاع دے گا تو قاضی اس کی طرف سے ایک وکیل مقرر کر کے عائد شدہ الزام کے بارے میں شہادتیں لے گا۔ اور شہادتوں کی روشنی میں کسی واضح نتیجے پر پہنچنے کے بعد فیصلہ صادر کر دے گا۔"

اس سے ثابت ہوا کہ عدالت میں حاضر کرنے کے لیے مدعی علیہ کی تلاش کی کوشش قاضی کے فرائض میں داخل ہے اور اس سلسلے میں اسے ہر وہ طریقہ اختیار کرنا چاہیے جو

۱؎ ورق ۲۱۱ ۲؎ ایضاً ۳؎ ورق ۲۱۲

Marfat.com

زمانے میں مروج ہو اور جس سے مدعی علیہ کی تلاش میں مدد مل سکے۔ ورنہ اسے یکطرفہ فیصلہ صادر کرنے کا حق حاصل ہے۔

مقروض کا بیان قابل اعتماد ہوگا یا قرض خواہ کا؟

قاضی کی عدالت میں قرض خواہ کہتا ہے کہ مقروض کی مالی حالت بہتر ہے اور وہ قرض ادا کر سکتا ہے۔ اور مقروض بیان دیتا ہے کہ میں مالی اعتبار سے کمزور ہوں اور قرض ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا۔ اس صورت میں بعض ائمہ فقہ کے نزدیک مقروض کا بیان قابل اعتماد ہوگا۔ اور بعض کہتے ہیں قاضی کو اس معاملہ میں لوگوں کی شہادتیں لینی چاہییں اور شہادتوں کی روشنی میں فیصلہ کرنا چاہیے[1]

اگر محبوس جیل میں بیمار پڑ جائے

ایک شخص کسی سلسلے میں قید خانے میں محبوس ہے اور بیمار پڑ جاتا ہے، تو قاضی کا فرض ہے کہ قید خانے کے عملے کو اس کے علاج معالجہ کا حکم دے اور اس کے لیے ایک خادم بھی مہیا کرے۔ اور اگر علاج و خدمت کے باوجود بیماری شدت اختیار کر گئی ہے اور قید خانہ میں علاج کی کوئی مؤثر صورت نہیں ہے تو قاضی کو چاہیے کہ اس کی رہائی کے احکام جاری کر دے، کیونکہ حبس سے اصل مقصد اس کو سزا دینا ہے نہ کہ ہلاک کرنا[2]

وثیقہ نویسی وغیرہ کی اجرت

پہلے زمانے میں، موجودہ زمانے کی نسبت عدالت کا عملہ بہت محدود تھا اور بہت سے کام قاضی کو خود ہی کرنا پڑتے تھے۔ مثلاً نقل نویسی، وثیقہ نویسی، توقیعات (مقدمے کے کاغذات پر مہریں لگانا) اور عدالت کی کارروائی کا رجسٹر میں اندراج وغیرہ۔

سوال پیدا ہوتا ہے کیا قاضی ان چیزوں کی اجرت لے سکتا ہے؟

مصنف فتاوی معتمد فقہا کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں، لے سکتا ہے۔ عربی الفاظ یہ ہیں

القاضی یأخذ الاجرة لکتابة السجلات والوثائق والتوقیعات[3]۔

مصنف مزید لکھتے ہیں۔

---

[1] ورق ۲۱۴ [2] ورق ۲۱۵ [3] ورق ۲۱۷

Marfat.com

لیکن قاضی کو اس ضمن میں یہ احتیاط برتنا پڑے گی کہ اگر احاطۂ عدالت میں اس قسم کا کام اور لوگ بھی کرتے ہوں تو اُن لوگوں کی اجرت سے نسبتاً کم اجرت لے۔ اس لیے کہ اسے منصبِ قضا کی تنخواہ بیت المال (حکومت کے خزانے) سے بھی تو ملتی ہے۔[1]

اُس سے معلوم ہوا کہ مقدمہ کے کاغذات بہتر طور سے تیار کرنا، تصدیقی مہریں لگانا، کاغذات پر عدالتی ٹکٹیں چسپاں کرنا، وثائق نویسی اور مقدمہ کی کارروائی کی نقول مہیا کرنا وغیرہ امور ضروری ہیں اور قاضی کو ان کا بہتر انتظام کرنا چاہیے اور اس تمام معاملے کو اس اسلوب سے چلانا چاہیے کہ ہر چیز اپنی جگہ باقاعدہ اور موزوں ہو۔ نیز ان کو مکمل کرنے اور سلیقے سے چلانے کے لیے اجرت بھی لی اور دی جا سکتی ہے۔ اگر خود قاضی کو یہ زائد کام کرنا پڑے تو وہ بھی اس پر اُجرت لے سکتا ہے۔

فتاویٰ حمادیہ کے اہم مضامین میں سے ایک حصہ "کتاب الشہادات" کے عنوان سے شہادت اور گواہی کے متعلق ہے، جو ۲۸ اوراق پر مشتمل ہے۔ ورق ۲۱۸ سے شروع ہو کر ۵۴۲ تک چلا گیا ہے۔ اس میں اس موضوع کے بارے میں بہت سی تفصیلات بیان کی گئی ہیں اور اس کے مختلف پہلوؤں کو واضح کیا گیا ہے۔

اختلافِ شہادت

کتاب الشہادات میں اس بات پر بھی بحث کی گئی ہے کہ کسی معاملہ میں دو گواہوں کے درمیان اختلاف پیدا ہو جائے تو اُن کی شہادت قابلِ قبول اور لائقِ اعتبار سمجھی جائے گی یا نہیں؟

مصنف لکھتے ہیں۔ اگر بیع، شرا، طلاق، عتاق، وکالت، وصیت، رہن، قرض اور کفالت کے متعلق دو گواہ عدالت میں گواہی دینے آئیں اور دونوں گواہ وقت اور جگہ کے بارے میں مختلف بیان دیں (مثلاً ایک گواہ کہتا ہے، یہ بیع شام کے وقت ہوئی اور فلاں جگہ ہوئی، دوسرا کہتا ہے، دوپہر کو ہوئی اور فلاں جگہ ہوئی) تو شہادت قبول کی جائے گی اور اس اختلاف سے شہادت متاثر نہ ہوگی۔ لیکن اگر شہادت کا تعلق جنایت، غصب، قتل، اور نکاح کے معاملات سے ہو تو گواہوں کا

---

[1] ورق ۲۱۷

Marfat.com

اختلاف، شہادت پر اثر انداز ہو گا اور شہادت قابلِ قبول نہ ہوگی۔

مصنف مزید لکھتے ہیں۔ اگر مشہود بہ (جس چیز کے متعلق گواہی دی گئی) کا تعلق قول سے ہے مثلاً بیع و شرا وغیرہ سے تو اس میں زمان و مکان کے بارے میں دو گواہوں کا اختلاف، شہادت کی قبولیت میں رکاوٹ نہیں پیدا کرتا اور اگر مشہود بہ کا تعلق عمل و فعل (یعنی اقدام) مثلاً غصب و قتل وغیرہ سے ہے تو اس میں گواہوں کے درمیان زمان و مکان کا اختلاف شہادت پر اثر ڈالے گا اور اسے قابلِ قبول نہیں رہنے دے گا۔

مصنف اس مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ نکاح ایسی چیز ہے، جس کا تعلق قول سے بھی ہے اور عمل و فعل سے بھی۔ اس میں اگر گواہ وقت اور جگہ کے تعین میں مختلف بیان دیں گے تو ان کی شہادت مسترد کر دی جائے گی۔

فتاویٰ خانیہ کے حوالے سے مصنف رقم طراز ہیں اگر بیع، صدقہ اور رہن کے مال پر قبضہ کرنے کے سلسلے میں گواہ مختلف بیان دیں اور تاریخ اور شہر کے تعین میں متفق اللسان نہ ہوں تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان کی شہادت قبول کی جائے گی۔ لیکن امام محمدؒ اور امام زفرؒ فرماتے ہیں۔ یہ شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ مصنف کہتے ہیں قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ شہادت قبول نہ کی جائے[1]۔

بات اصل میں یہ ہے کہ بیع و شرا اور رہن و ہبہ کا معاملہ، فوجداری مقدمات، یعنی قتل و رہزنی اور غصب و نہب سے جداگانہ نوعیت کا ہے۔ بیع و شرا اور رہن و ہبہ وغیرہ یعنی دیوانی معاملات کا سلسلہ عام طور پر جاری رہتا ہے اور بعض دفعہ ایک ہی شخص کو اس قسم کے کئی معاملات میں گواہ بنا لیا جاتا ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تاریخ، وقت اور مقام کے بارے میں تھوڑے بہت سہو و نسیان کے امکانات گواہ کے لیے بہر حال باقی رہتے ہیں۔ لیکن قتل و غارت، لوٹ مار اور نکاح کے سلسلے روز روز پیش نہیں آتے۔ لہٰذا اس ضمن میں گواہ کو بہت ہی محتاط رہنے اور معاملہ کے تمام پہلوؤں کو ذہن میں محفوظ رکھنے کی ضرورت ہے۔ اس میں گواہ کو نہ کسی لغزش کا ارتکاب کرنا چاہیے اور نہ سہو و نسیان کا

---

[1] ورق ۲۱۸

شکار ہونا چاہیے۔ اس نوعیت کے مقدمات انتہائی اہمیت اور نزاکت کے حامل ہوتے ہیں۔ اگر گواہ ان میں احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیں گے اور صحیح مقام سے کھسک جائیں گے تو مقدمے کا رُخ پلٹ جائے گا۔ شکوک و شبہات کے دروازے کھل جائیں گے اور اس کا فائدہ ملزم کو پہنچے گا۔

غلط کردار شخص کی شہادت

شہادت کے باب میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فاسق و فاجر اور غلط کردار اور مشکوک چال چلن کے شخص کی شہادت قابلِ اعتماد ہو گی یا نہیں؟ اور اگر وہ تائب ہو جائے اور غلط و ناروا افعال و عادات کا ارتکاب ترک کر دے تو اس کی شہادت کی کیا حیثیت ہو گی؟

فتاویٰ خانیہ کے حوالے سے اس ضمن میں مصنف لکھتے ہیں۔ غلط اور مشکوک کردار کے آدمی کی شہادت قابلِ وقعت نہ ہو گی اور اس کا فسق و فجور اس کی بات کو قابلِ اعتماد نہ رہنے دے گا۔ اور اگر وہ توبہ کر لے، جب بھی صرف "توبہ" کا لفظ زبان سے ادا کر دینا کافی نہیں۔ محض یہ لفظ اس کی شہادت کو قابلِ اعتبار نہیں ٹھہراتا، جب تک کہ اس کا عملی ثبوت مہیا نہ ہو جائے اور وہ روزمرہ کی زندگی کو اس سانچے میں نہ ڈھال لے کہ معاشرہ میں اس کا اعتماد بحال ہو جائے، فسق و فجور کے تمام دھبے اس کے دامن سے دُھل جائیں اور وہ معاشرہ کے باوقار اور معزز فرد کی حیثیت سے متعارف ہو جائے۔ بعض فقہا نے اس کی مدت کم از کم چھ ماہ رکھی ہے۔ ان کا کہنا ہے اگر وہ چھ ماہ کی مدت میں کذب و افترا اور فسق و فجور کو ترک کر کے بہتر اور صاف ستھری زندگی بسر کرنا شروع کر دیتا ہے تو اس کی شہادت قابلِ قبول ہو گی ورنہ نہیں۔ بعض کہتے ہیں اس کا فیصلہ خود قاضی کرے گا کہ اس کی شہادت قبول کی جائے یا نہ کی جائے۔ جب وہ قاضی کی عدالت میں شہادت کے لیے پیش ہو تو اس کے بارے میں قاضی کو تمام حقائق سے باخبر کر دینا چاہیے تاکہ قاضی کو اس کے ذاتی کردار کے متعلق فیصلہ کرنے اور شہادت کو قابلِ اعتبار ماننے یا نہ ماننے کے بارے میں واضح نتیجہ تک پہنچنے میں آسانی رہے۔

بعض کہتے ہیں، اس کی شہادت ہمیشہ کے لیے ساقط الاعتبار ہے۔ کیونکہ اس کی

مسلسل کذب بیانیوں، غلط کرداریوں اور فسق وفجور نے اس کا مستقبل ناقابل اعتبار بنا دیا ہے۔ امام ابو یوسف فرماتے ہیں، جب تک وہ توبہ نہ کرے اور توبہ کے نتائج وآثار اس کے عمل وحرکت سے ظاہر نہ ہو جائیں یعنی وہ اپنی زندگی کی گاڑی کو صحیح سمت پر نہ ڈال دے، اس کی شہادت ہرگز قبول نہ کی جائے گی۔ فقیہ ابو جعفر کا فرمان ہے، توبہ کے بعد شہادت قابل اعتبار ہو گی۔[1]

اس مسئلہ پر مزید بحث کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں، کبائر کا ارتکاب انسان کی عدالت کو زائل کر دیتا ہے اور شہادت کو ناقابل قبول بنا دیتا ہے، لیکن صغائر میں یہ بات نہیں۔ صغائر کے مرتکب کی شہادت قابل قبول ہو گی۔[2]

اچھائیوں کا پلڑا برائیوں سے بھاری ہونا چاہیے

مصنف اس سلسلے میں آگے چل کر فتاویٰ خانیہ کے حوالے سے کہتے ہیں، اگر کسی شخص کی اچھائیوں کا پلڑا، برائیوں سے بھاری ہو اور لوگوں کے ساتھ اس کی معاشرت اور میل جول کا انداز بہتر ہو اور اس کی بعض کمزوریوں کے باوجود لوگ مجلسی طور پر اس کی عزت کرتے ہوں، دیکھنے میں وجاہت وحشمت کا مالک ہو اور روزمرہ کے معاملات میں لوگ اس کی طرف رجوع کرتے اور اس کی بات کو وزن دیتے ہوں، اس کی شہادت قابل قبول ہو گی۔ کیونکہ کسی شخص کا دامن بھی گناہوں سے پاک نہیں اور کوئی بھی معصوم عن الخطا نہیں۔[3]

مصنف کہنا یہ چاہتے ہیں کہ معمولی لغزشوں سے شہادت کا دروازہ بند نہیں ہو جاتا۔ بہت لوگ غلطیاں کرتے ہیں۔ اگر غلطی کا وزن نیکی سے کم ہو تو شہادت مجروح نہیں ہو گی اور عدالت میں اس کی بات مانی جائے گی۔ المحیط کے حوالے سے مصنف، مشہور محدث وفقیہ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا اس باب میں قول نقل کرتے ہیں، جس کے الفاظ یہ ہیں۔

من غلب حسناته علی سیئاته، قبلت شهادته[4]

جس کی نیکیاں اس کی برائیوں پر غالب ہوں، اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔

---

[1] ورق ۲۲۲ [2] ایضاً [3] ورق ۲۲۵ [4] ایضاً

گواہ کے اوصاف

فقہا نے شہادت کے سلسلے میں اس امر کو بھی ہدف بحث ٹھہرایا ہے کہ گواہ کو کن اوصاف کا حامل ہونا چاہیے۔ اگر شہادت کا تعلق کسی خاص شرعی مسئلہ سے ہو تو گواہ ایسا ہونا چاہیے جو بہترین اوصاف کا مالک ہو۔ مثلاً سود خواری سے مطعون نہ ہو اور مال مغصوبہ پر قابض نہ ہو۔ اسی طرح ضروری ہے کہ اس کا دامن فحش و بدکاری سے منزہ ہو اور اس کی زندگی بے داغ ہو۔ اس سلسلے میں فقہا نے امام ابراہیم نخعی کا ایک قول نقل کیا ہے، جس میں انھوں نے بتایا ہے کہ صادق اور عادل گواہ وہ ہے جو ان اوصاف سے متصف ہو۔ فرماتے ہیں۔

الشاھد من المسلمین من لم یطعن علیہ فی بطن او فرج[1]

اس مختصر قول نے گواہ کے اخلاق و عادات کے تمام اوصاف کو گھیر لیا ہے۔ اس قول کا مفاد یہ ہے کہ اصل مسلمان گواہ وہ ہے جس پر نہ بدکاری کا طعن ہو اور نہ اکل حرام و سود خواری وغیرہ کا الزام۔ شعبی کہتے ہیں۔

العدل من لا یعلم فیہ جریمۃ فی دینہ[2]

یعنی عادل اور صحیح گواہ وہ ہے، جس کے دین میں کوئی جھول نہ ہو۔

اس کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ وہ دینی اور شرعی اعتبار سے صاف ستھرے خیالات کا حامل ہو اور کبائر سے اجتناب کرتا ہو۔

درحقیقت فقہا کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ کسی معاملہ میں شہادت دینا کوئی معمولی بات نہیں۔ بہت ہی اہم بات ہے، اور گواہ جب گواہی کے لیے عدالت میں پیش ہوتا ہے تو اس پر بڑی اخلاقی ذمہ داریاں آپڑتی ہیں، جن کو نباہنا ضروری ہے۔ اس نازک موقع پر گواہ کی اپنی زندگی، اس کی معاشرتی سرگرمیاں اور رسول اللہ اور اس کے رسول سے اس کے تعلق کی نوعیت لازماً سامنے آنی چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ گواہ کن اوصاف کا حامل ہے۔ اس ضمن میں اس کے نماز روزہ کا مسئلہ بھی سامنے آئے گا۔ چنانچہ مصنف فتاویٰ فتاویٰ خانیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ تارک صلوٰۃ کی شہادت قابل قبول نہ ہو

---

[1] ورق ۲۲۵ [2] ایضاً

فتاویٰ خانیہ میں بتایا گیا ہے کہ جو شخص فرائض کی ادائیگی میں بلاوجہ تاخیر کر دیتا ہے، یا صوم وصلوٰۃ کا تارک ہے یا اس میں سستی اور کاہلی برتتا ہے، اس کی شہادت مسترد کر دی جائے گی اور اس کی عدالت کا معاملہ باطل قرار پائے گا۔

فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ میں اس سے اختلاف کیا گیا ہے چنانچہ فتاویٰ حمادیہ کے مصنف ہدایہ کے حوالے سے لکھتے ہیں، قاضی کو اس قسم کے شخص کی شہادت قبول نہیں کرنی چاہیے، لیکن اگر قبول کرے گا تو شہادت جائز قرار پائے گی۔ الفاظ یہ ہیں۔

لاینبغی ان یقبل القاضی شہادتہ، ولو قبل جاز عندنا[1]

یعنی قاضی اس قسم کے شخص کی شہادت قبول نہ کرے۔ اور اگر قبول کرے تو ہمارے نزدیک یہ شہادت جائز ہوگی۔

اس مسئلے پر الکافی میں بھی بحث کی گئی ہے۔ مصنف اس کے حوالے سے رقم طراز ہیں کہ بہتر یہ ہے، قاضی فاسق کی شہادت کی بنا پر فیصلہ نہ کرے اور اگر کر دے تو فیصلہ نافذ ہو جائے گا۔ الکافی کے الفاظ جو فتاویٰ حمادیہ میں مرقوم ہیں، یہ ہیں۔

الاولیٰ ان لایقضی القاضی بشہادۃ الفاسق، ولو قضی نفذ قضاءہ[2]

شہادت کے بارے میں تفصیلات بیان کرتے ہوئے مصنف لکھتے ہیں، اگر فاسق گواہ، وہی شہادت دے جو اس سے پہلے گواہ نے دی تو شہادت قبول کی جائے گی۔ وعلیہ الفتویٰ (فتویٰ اسی پر ہے۔)

فتاویٰ حمادیہ میں اس ضمن میں بتایا گیا ہے کہ جو شخص عمداً اور بلاوجہ اور بلاعذر جمعہ ترک کر دے، اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔

اہل بدعت کی شہادت

شہادت اور گواہی کے سلسلے میں مصنف نے بڑی تفصیلات بیان کی ہیں۔ فرماتے ہیں۔

---

[1] ورق ۲۲۶ [2] ایضاً

ایک شخص نے اسلام تو قبول کر لیا ہے مگر قرآن مجید نہیں پڑھ سکتا، اس کی شہادت جائز اور قابلِ اعتماد ہوگی۔ مصنف مزید لکھتے ہیں۔ اہلِ ہویٰ اور اہلِ بدعت کی شہادت قبول کی جائے گی۔[۱]

دشمن کی شہادت دشمن کے خلاف

اس سلسلے میں مصنف نے اس بات کو بھی موضوعِ بحث ٹھہرایا ہے کہ ایک شخص اگر کسی کا مخالف ہو تو اس کی شہادت مخالف کے خلاف کوئی وزن رکھتی ہے یا نہیں؟ مصنف لکھتے ہیں:

ولا یجوز شہادۃ الرجل علی الرجل، اذا کان بینہما عداوۃ، یدنی العداوۃ من امور الدنیا۔ اما اذا کان فی شیئ من امور الدین تقبل۔[۲]

یعنی جو شخص دنیوی معاملات میں کسی سے عداوت رکھتا ہو، اس کے خلاف اس کی شہادت جائز متصور نہ ہوگی۔ لیکن اگر دونوں کے درمیان مخالفت یا عداوت کا تعلق امورِ دین سے ہو تو شہادت قبول کی جائے گی۔

اس مسئلے سے متعلق مصنف نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی نقل کیا ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔

لا تقبل شہادۃ العدو علی العدو لانہ متہم۔[۳]

دشمن کی شہادت دشمن کے خلاف قبول نہ کی جائے گی، اس لیے کہ وہ دشمنی کے اتہام سے متہم ہے۔

یہاں مصنف نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی نقل کیا ہے، فرماتے ہیں۔

قال ابو حنیفۃ تقبل اذا کان عدلا۔

گواہ عادل و صادق ہو تو شہادت قبول کی جائے گی

مصنف نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کی تائید کی ہے۔ لکھتے ہیں۔

قال استاذنا رضی اللہ عنہ، وھو الصحیح وعلیہ الاعتماد، وان کان

۱۔ ورق ۲۲۶ ۲۔ ورق ۲۲۹ ۳۔ ایضاً

بینہما عداوۃ بسبب الدنیا۔

ہمارے استاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ یہی (امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا) قول صحیح ہے اور یہی لائق اعتماد ہے۔ اگر گواہ عادل ہے، شہادت قبول کی جائے گی اگرچہ دونوں کے درمیان عداوت کا باعث دنیوی معاملات ہی ہوں۔

دروغ گو اور جھگڑالو گواہ

مصنف نے شہادت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے۔ انھوں نے اس بات کی بھی وضاحت کی ہے کہ جو کذب بیانی اور دروغ گوئی میں مشہور ہو، اس کی شہادت قابل قبول نہ ہوگی[1] ساتھ ہی لکھتے ہیں زیادہ جھگڑالو کی شہادت بھی مسترد کر دی جائے گی[2]

اگر پہلے مخالفانہ شہادت دے چکا ہو

جو شخص کسی مقدمہ میں کسی کے خلاف شہادت دے چکا ہو، وہ دوسری مرتبہ اس کے خلاف شہادت دے گا تو یہ شہادت ناقابل اعتنا ہوگی، کیونکہ وہ پہلے سے اس کی مخالفت کے اتہام سے متہم ہے[3]

خادم، اجیر، قانع اور ملازم کی شہادت

شرح ہدایہ کے حوالے سے مصنف رقم طراز ہیں۔

لا شہادۃ للقانع۔

یعنی جو شخص کسی پر کلیتہً انحصار رکھتا ہو، اس کے حق میں اس کی شہادت کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔

مصنف اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں، "قانع" سے مراد وہ شخص ہے، جو کسی خاص شخص یا قبیلے یا قوم کے ساتھ خادم یا کامل وفا شعار یا اجیر و ملازم کی حیثیت سے وابستہ ہو۔ کیونکہ اس کی حیثیت اس کے سائل کی سی ہے اور ظاہر ہے، سائل کا کردار مشکوک ہوگا۔ علاوہ ازیں اس شخص کی شہادت بھی ناقابل اہمیت ہے جس کی ضروریات کا

---

[1] ورق ۲۳ [2] ایضاً [3] ایضاً

Marfat.com

انحصار اسی کے گھر پر ہو اور وہی اس کے اخراجات کا کفیل ہو۔ لفظ یہ ہیں۔

لا شہادۃ للقانع باھل البیت[۱]۔

شہادت اور شخصیت

شہادت سے متعلق فقہا نے اس چیز کو بھی مدار بحث ٹھہرایا ہے کہ اس باب میں گواہ کی اپنی شخصیت، اس کی ظاہری وجاہت اور لوگوں سے معاشرتی تعلقات بھی اپنے اندر خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ فرض کیجیے ایک بھاری بھرکم اور وجیہہ و بارعب شخص کبھی کبھار شغل مے کر لیتا ہے اور اس کے بعد نادم بھی ہوتا ہے، تو اس کی شہادت قابل قبول ہو گی، کیونکہ کسی اونچی اور ایک خاص حلقہ میں مجموعی اعتبار سے اچھی شہرت کی شخصیت سے غلط بیانی کی توقع نہیں کی جا سکتی[۲]۔

مختار نامہ

مصنف فتاویٰ نے کتاب الوکالہ میں اس امر پر روشنی ڈالی ہے کہ کوئی شخص کسی کو اپنا وکیل یا مختار مقرر کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر مقرر کر سکتا ہے تو اس کے کیا اختیارات ہوں گے؟

مصنف لکھتے ہیں مختار یا وکیل کا اصل کام حفاظت ہے۔ اس کو جس چیز کا مختار نامہ دیا جائے گا وہ اس کے تحفظ کا ذمہ دار ہوگا۔ اگر کوئی شخص کسی شخص کے بارے میں یہ کہے کہ یہ شخص ہر معاملہ میں میرا مختار ہے، تو وہ فی الواقع وکیل یا مختار ہوگا، لیکن اس کے اختیارات مالی معاملات تک محدود ہوں گے۔ وہ اس کے اموال و اسباب کی حفاظت کا ذمہ دار ہوگا اور بیع و شراء، قرض کی ادائیگی، ہبہ، صدقہ جیسے معاملات انجام دینے میں مختار ہوگا اور ان میں تصرف کا حق دار ہوگا۔

لانہ فوض التصرف الیہ عاما[۳]۔

اس لیے کہ اس نے عام امور میں تصرف کے اختیارات اس کو تفویض کر دیے ہیں۔ بعض فقہا کے نزدیک اس تعمیم کے حدود اتنے وسیع ہیں کہ نکاح، طلاق، اعتاق

---

[۱] ورق ۲۳۰ [۲] ورق ۲۴۵ [۳] ورق ۲۴۶

Marfat.com

وقف اور عقد بھی اس میں شامل ہیں۔ بعض کہتے ہیں، نہیں، اس سے مراد فقط تصرف مالی ہے۔ اس سے آگے مختار عام کسی صورت میں قدم نہیں بڑھا سکتا۔ اور یہی نقطہ نظر زیادہ صحیح اور قرین عقل ہے۔

مختار نامہ کے بارے میں مصنف نے خاصی بحث کی ہے۔ وہ کہتے ہیں مختار نامہ واضح الفاظ پر مشتمل ہونا چاہیے اور جس کو مختار مقرر کیا جائے گا، وہ انہی اختیارات کا حامل ہوگا، جو مختار نامہ میں مذکور ہوں گے۔ مصنف نے کتاب الوکالہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ مختار نامہ منسوخ بھی کیا جا سکتا ہے اور اس کی تنسیخ کا اعلان جب کوئی فریق چاہے کر سکتا ہے۔

وکالت

کتاب الوکالہ میں مصنف نے اس امر کی بھی وضاحت کی ہے کہ کوئی شخص قاضی کی عدالت میں بہتر طور سے اپنا مقدمہ دعا کسی وجہ سے پیش نہ کر سکتا ہو تو وہ کسی ایسے شخص کو وکیل مقرر کر سکتا ہے جو عمدہ اسلوب سے قاضی کے سامنے اس کا مدعا بیان کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور مقدمہ کے ضروری اور بنیادی نکات وضاحت اور صراحت سے قاضی کے ذہن نشین کرانے کی قابلیت سے بہرہ ور ہو۔

مصنف مزید لکھتے ہیں، موکل کو چاہیے کہ قاضی کو اس بات سے باخبر کرے کہ فلاں مقدمہ میں فلاں شخص میرا وکیل ہے اور میں اس پر اس مقدمہ کے باب میں اعتماد کرتا ہوں۔ مصنف کہتے ہیں، موکل اگر چاہے تو وکیل کو اپنے مقدمہ میں وکالت کے فرائض انجام دینے سے سبکدوش بھی کر سکتا ہے۔

وکیل کا فرض ہے کہ کامل دیانت اور محنت سے کام کرے اور قاضی کو اس نہج سے بات سمجھانے کی سعی کرے، جس کو موکل بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہو۔ وکیل کی ذمہ داری نہایت اہم ہے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنا وکیل کا فرض ہے۔[1]

وکالت کے سلسلے میں مصنف لکھتے ہیں، وکیل اور موکل کی باہمی رضامندی

---

[1] ورق ۲۴۶

Marfat.com

بنیادی شے ہے۔ وکالت وہی شخص کر سکتا ہے، جس پر اس کا موکل خوش ہو۔ موکل کے اختیار رو رضا کے سوا، وکیل، اس کی طرف سے وکالت کے فرائض ادا کرنے کا مجاز نہیں ساتھ ہی لکھتے ہیں، موکل جس شخص کو وکیل مقرر کرے، قاضی کو چاہیے کہ اس کی وکالت تسلیم کرے اور اسے نمائندگی اور وکالت کی اجازت دے۔ اور مقدمے کے سلسلے میں اس سے تعاون کرے۔[1]

بہر حال فتاویٰ حمادیہ، فقہ کے ان تمام مسائل کو محیط ہے، جو انسان کو زندگی میں پیش آتے ہیں۔ یہ فتاویٰ اپنے وقت کی بہترین فقہی تصنیف ہے اور اس کے مضامین و مشمولات لائق مطالعہ ہیں۔

---

[1] ورق ۲۴۰

Marfat.com

(۶)

فتاوٰی ابراہیم شاہی

حصۂ فارسی

مصنف: احمد بن حمید الملقب بنظام

انتساب: بطرف سلطان ابراہیم شاہ شرقی

اوراق: ۱۵۸؛ سائز ۷½" × ۳½"؛ نمبر: ۱۲۸۹۹ / ۴۷۶؛ سطور فی صفحہ ۲۰۔

مکتوبہ: وقتِ چاشت۔ روز دوشنبہ۔ ۱۲۶۹ھ۔ نام کاتب درج نہیں خط نسخ نستعلیق

فتاوی ابراہیم شاہی کا یہ مخطوطہ، جو اس وقت ہمارے پیش نگاہ ہے، پنجاب یونیورسٹی کا مملوکہ ہے۔ یہ مخطوطہ فارسی زبان میں ہے۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں "فتاوی ابراہیم شاہی" نام کے دو مخطوطے ہیں۔ ایک فارسی زبان میں ہے اور ایک عربی زبان میں! ہم نے دونوں کا تقابل کیا تو معلوم ہوا کہ اگرچہ مصنف نے واضح الفاظ میں کتاب کو دو حصوں میں تقسیم نہیں کیا، لیکن یہ درحقیقت ایک ہی کتاب کے دو حصے ہیں۔ حصہ اول فارسی میں ہے اور عبادات پر مشتمل ہے۔ اس کی الگ فہرست مضامین نہیں دی گئی۔ جس سے اول نظر ہی میں یہ اندازہ ہو سکے کہ کتاب کس عنوان سے شروع ہو کر کس عنوان پر اختتام پذیر ہوتی ہے اور کتنے ابواب و فصول پر مشتمل اور کن کن مسائل و مشتملات کو محتوی ہے۔

فہرست مضامین متن کتاب کے ساتھ ساتھ چلتی ہے جو یہ ہے:

کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوۃ، کتاب صلوۃ الجمعۃ، کتاب صلوۃ العیدین، کتاب صلوۃ الکسوف، کتاب صلوۃ الخسوف، کتاب صلوۃ الخوف، باب صلوۃ المریض، کتاب الصوم، کتاب الزکوۃ اور کتاب الحج۔

Marfat.com

اس کی کتابت نہایت عمدہ ہے، مگر تمام صفحات کرم خوردہ ہیں جس کی وجہ سے متعدد مقامات سے الفاظ کا سمجھنا اور پڑھنا ناممکن ہو گیا ہے۔ جلد پشاوری ہے جو اگرچہ اکھڑی ہوئی ہے مگر اس فن کا عمدہ نمونہ ہے اور اس کے دونوں طرف چار دل کونوں پر نہایت خوبصورتی سے "عمل بہاءالدین پشاوری" مرقوم ہے۔ کتاب کا یہ حصہ جو فارسی زبان میں ہے بڑا مفصل ہے (اور یہی حال عربی حصے کا ہے) اس میں ان آیات قرانی اوراد عیہ ماثورہ کے معانی ومطالب بھی خاصی تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں جو نماز میں پڑھی جاتی ہیں۔ عنوان اور کتب حوالہ کے نام سرخ روشنائی سے لکھے گئے ہیں بطور حوالہ کے متعدد کتابوں کا ذکر کیا گیا ہے جن میں فتاویٰ قراخانی بھی شامل ہے۔ فارسی حصے کا آغاز اس مقدمے سے ہوتا ہے۔

یا فتاح، رب یسر وتمم بالخیر، بسم اللہ الرحمن الرحیم

حمد بے حد وثنائے بے عد کہ از قیاس انفاس افزون است واز مساس احساس بیرون، بر خداوند کریم کہ اعلام علم بر سر علمائے دیں افراشتہ۔ او ودر قسم فقہ بر فرق مسلمانان نہادہ، ادراج ہدایت در زمرہ مومناں دادہ، وصلوات نامیہ وتحیات زاکیہ بر سید المرسلین وخاتم النبیین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کہ فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد فرمودہ واذا اراد اللہ بعبد خیرا یفقہہ فی الدین باز نمودہ، وتسلیمات کثیرہ، وتکویبات وغیرہ بر خلفاء راشدین وائمہ مہدیین وسائر صحابہ کرام، وعلماء عظام کہ ہر یک اسامی منوع الاثار ومقتدر مرفوع الاقتدار۔

اما بعد! میگوید بندۂ امیدوار رحمت پروردگار احمد بن حمید الملقب بنظام اصلح اللہ شانہ وصانہ عما شانہ کہ بر حکم دیندار خسرو شریع شعار ماحی آثار شریعت، ماحی رسوم بدعت قامع تلاع الکفرۃ، ضابط مآثر صحائف العدل والاحسان، ناسخ آیات الکفر والعصیان، الاعظم المعظم، المؤید بتائید الرحمن، شمس الدنیا والدین، ابو المظفر ابراہیم شاہ، السلطان خلد اللہ سلطنتہ ابدا دائما

Marfat.com

داعی درگاہ جہاں شاہ مخصوص بادشاہ نسبت، برائے اتحاف آنجناب کہ قبلۂ اقبال و کعبہ مآل است، کتابی در بیان مسائل فقہ از کتب مشہورہ و معتبرہ و تصانیف مختصر العبارت پارسی جمع کردہ بروایات واضحہ و در آیات لائحہ موکد و مرتب گردانید و علیا رسیدہ و آن را فقہ ابراہیم شاہی نام کرد، رضاء واثق واہل را سخ کتاب شریف و مجموع لطیف، وصول حضرت علیا در آید و محل قبول افتد، و اسال اللہ ان یجعل الکتب، بدری حسن الثواب، واللہ اعلم بالصواب،

مقدمۂ کتاب کے بعض الفاظ کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے پڑھے نہیں جاسکے، معلوم ہوتا ہے کچھ الفاظ خود کتاب کا کاتب بھی نہیں پڑھ سکا۔

فتاویٰ کے نسخے

فتاوی ابراہیم شاہی کے مختلف نسخوں کے متعلق جو معلومات حاصل ہوسکے ہیں، ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ اس کے دو نسخے رام پور لائبریری میں ہیں۔ ایک نسخہ کتاب الطہارت سے کتاب الفرائض تک ہے اور ۹۹۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کا نمبر ۱۵۰۳ ہے۔ دوسرے نسخہ کا جو ناقص الطرفین ہے اور ۸۰۴ صفحات کو محیط ہے، ۱۵۰۲ نمبر ہے[1]۔

۲۔ اس کتاب کا ایک نسخہ کتب خانہ آصفیہ (حیدر آباد دکن) میں ہے۔ اس نسخے کا نمبر ۱۱۷ ہے اور ۱۰۴۸ھ کا مکتوبہ ہے۔ صفحات ۳۱۰ اور سطور فی صفحہ ۱۲ ہیں[2]۔

کتب خانہ آصفیہ کی فہرست کتب کے مرتب نے لکھا ہے کہ اس کتاب کا ذکر حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں نہیں کیا غالباً بلاد روم و عرب میں یہ کتاب نہیں پہنچی۔

"حاجی خلیفہ در کشف الظنون ذکر آں ننمودہ، غالباً کتاب مذکور در بلاد روم و عرب نرسیدہ[3]"

معلوم نہیں، مرتب فہرست نے یہ الفاظ کس بنا پر لکھ دیے، حالانکہ جیسا کہ آئندہ

---

[1] فہرست کتب عربی۔ کتب خانہ ریاست رام پور۔ ص ۲۲۴، ۱۲۳، مطبع احمدی ریاست رام پور، مطبوعہ ۱۹۰۲ء

[2] فہرست مشروح بعض کتب نفیسہ قلمیہ مخزونہ کتب خانہ آصفیہ سرکار عالی (حصہ دوم) ص ۱۳۲۹، مطبوعہ ۱۳۵۷ھ

[3] ایضاً۔

Marfat.com

سطور میں واضح کیا جا رہا ہے اس کا ذکر کشف الظنون میں موجود ہے۔

۳۔ فتاویٰ ابراہیم شاہی کا تذکرہ حاجی خلیفہ نے بھی کشف الظنون میں لیا ہے۔

حاجی خلیفہ نے لکھا ہے۔

"ابراہیم شاہیہ فی فتاویٰ الحنفیہ: شہاب الدین[1] احمد بن محمد الملقب بنظام الکیکانی الحنفی کی تصنیف ہے اور قاضی خاں کی طرح مبسوط و مفصل کتاب ہے، کتاب کبیر من فخر الکتب، مصنف نے ایک سو ساٹھ کتابوں کی مدد سے سلطان ابراہیم شاہ کے لیے اس کی جمع و تدوین کی۔ اس کا آغاز "الحمد للہ الذی رفع منار العلم و اعلیٰ مقدارہ" کے الفاظ سے کیا گیا ہے[3]۔

کشف الظنون کی دوسری جلد میں بھی اس کا ذکر موجود ہے[4]

فتاویٰ کی علمی اہمیت

اصحاب علم نے فتاویٰ ابراہیم شاہی کا بڑے اچھے الفاظ میں ذکر کیا ہے اور مختلف فہارس کتب کے مرتبین اور عام مؤرخین نے اس کتاب اور اس کے مصنف کے بارے میں بہتر رائے ظاہر کی ہے، لیکن فتاویٰ عالمگیری کے مقدمہ میں نہ صرف یہ کہ اس کو کوئی خاص علمی اہمیت نہیں دی گئی بلکہ اس کو ناقابل اعتنا گردانا گیا ہے اور لکھا ہے۔

"منجملہ کتب غیر معتبرہ کے فتاویٰ ابراہیم شاہی ہے اور شیخ عبد القادر بدایونی نے اپنے استاذ علامہ شیخ حاتم سنبھلی سے نقل کیا ہے۔ یہ فتاویٰ قاضی شہاب الدین دولت آبادی کا جمع کیا ہوا مشہور مگر قابل اعتبار نہیں[6]"

---

[1] مصنف فتاویٰ نے مقدمہ کتاب میں اپنے نام کے ساتھ "شہاب الدین" کا لفظ نہیں لکھا، صرف "احمد بن محمد حمید الملقب بنظام" لکھا ہے۔ [2] ہمارے سامنے کتاب کے دونوں حصے ہیں۔ فارسی (پہلا حصہ بھی) اور عربی (دوسرا حصہ بھی) دونوں کے آغاز میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ [3] کشف الظنون جلد اول، کالم ۳۔ [4] ملاحظہ ہو کالم ۱۲۸۳۔ [5] یہ فتاویٰ قاضی شہاب الدین دولت آبادی کا نہیں بلکہ قاضی نظام الدین جونپوری کا ہے جنہیں احمد بن محمد کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے اور جو قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے معاصر ہیں۔

[6] مقدمہ فتاویٰ عالمگیری۔ اردو ترجمہ صفحہ ۳۸، ۳۷ (مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۹۳۲ء)

مصنف

اس فتاویٰ کے مصنف قاضی احمد بن محمد جونپوری، سلطان ابراہیم شرقی والی جونپور کے دور کے علما میں سے ہیں۔ یہ جون پور کے قاضی تھے اور اپنے علم وفضل کی وجہ سے ہر طبقے میں عزت واحترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ مولانا عبدالحی حسنی لکھنوی نے نزہۃ الخواطر[1] میں ان کا شمار کبار فقہائے حنفیہ میں کیا ہے وہ لکھتے ہیں:

الشیخ العالم الکبیر العلامة احمد بن محمد الحنفی الگیلانی، القاضی نظام الدین الجونپوری، کان من کبار الفقهاء الحنفیة. قدم احد اسلافه من العرب، وسکن بگجرات، وولد بها القاضی نظام الدین ونشأ وقرأ العلم علی اساتذة عصره، فبرز فی الفقه والاصول، وصار من اکابر العلماء ثم قدم جونپور، فولاه ابراهیم الشرقی، صاحب جونپور القضاء وخصه بانظار العنایة والقبول۔

له مصنفات عدیدة، اشهرها الفتاوی ابراهیم شاهیة، فی فتاوی الحنفیه۔

قال الفاضل الجلبی، فی کشف الظنون، هو کتاب کبیر من اخص الکتب کقاضی خان، جمعه من مائة وستین کتابا، للسلطان ابراهیم شاه، اوله الحمد لله الذی رفع منار العلم، واعلی مقداره۔ (انتهی)

مات سنة اربع وسبعین وقیل خمس وسبعین وثمان مائة، وقبره فی لچاچک پور من اعمال جونپور، کما فی تجلی نور)

یعنی شیخ عالم اجل علامہ احمد بن محمد حنفی گیلانی قاضی نظام الدین جونپوری، کبار فقہائے حنفیہ میں سے تھے۔ ان کے اسلاف میں سے ایک بزرگ عرب سے آکر گجرات میں سکونت پذیر ہوگئے تھے۔ وہیں قاضی نظام الدین پیدا ہوئے اور پلے بڑھے، اور اپنے زمانے کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ انھوں نے فقہ اور اصول میں بڑا نام پیدا کیا اور اکابر علما میں سے

[1] نزہۃ الخواطر۔ جلد ثالث۔ ص ۲۱، ۲۲

Marfat.com

گردانے گئے۔ پھر جونپور تشریف لے گئے، وہاں سلطان ابراہیم شرقی والی جونپور نے ان کو عہدۂ قضا پر متمکن کر لیا، اور اپنی عنایت و قبولیت کے لیے خاص کر لیا ان کی متعدد تصانیف ہیں جن میں سے

الفتاویٰ ابراهیم شاهیه فی فتاوی الحنفیة خاص شہرت کا حامل ہے۔

فاضل چلپی کشف الظنون میں اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ ایک عظیم اور مبسوط کتاب ہے اور فتاویٰ قاضی خاں کی طرح قابل فخر کتابوں میں سے ہے، جو مصنف نے ایک سو ساٹھ کتابوں کی مدد سے سلطان ابراہیم شاہ کے لیے مرتب کی۔ اس کا آغاز:-

الحمد للہ الذی رفع منار العلم و اعلی مقدار ہ[1] کے الفاظ سے ہوتا ہے۔

انھوں نے ۸۰۴ھ یا ایک روایت کے مطابق ۸۰۵ھ میں وفات پائی۔ قبر چاچک پور میں ہے جو مضافات جونپور میں واقع ہے۔

"تاریخ شیراز ہند جونپور" میں بھی قاضی نظام الدین کے حالات مرقوم ہیں۔ ان کے علم و فضل کی وسعت پذیریوں کے بارے میں لکھا ہے:

"کہتے ہیں کہ قاضی نظام الدین علوم دینیات میں اس قدر بلند پایہ تھے کہ ملک العلما قاضی شہاب الدین استفتا پر اس وقت تک مہر ثبت نہ کرتے تھے، جب تک حضرت قاضی نظام الدین دستخط نہ کر دیتے تھے۔ دیگر علما کے دستخط کا اعتبار نہ فرماتے تھے۔"

اس سے چند سطریں آگے لکھا ہے:

"وفات آپ کی ۸۰۵ھ میں ہوئی۔ مزار محلہ چاچک پور شہر جونپور میں ہے اور قریب جامع مسجد جونپور جس جگہ قاضی خانہ ہے، مکان سکونتی تعمیر کیا اور وہ محلہ قاضی نظام مشہور قاضی نظام الدین جونپوری رحمۃ اللہ علیہ وہ خوش بخت عالم دین ہیں کہ جن کے بعد ان کی اولاد و احفاد میں بھی علم کی شمع جلتی رہی اور لوگ اس سے برابر مستفید ہوتے رہے[2] ان جلیل القدر حضرات میں سے ایک بزرگ قاضی صلاح الدین جونپوری تھے، جن کا ذکر علامہ عبدالحی لکھنوی "تجلی نور" کے حوالے سے ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

---

[1] اس کتاب کا آغاز کن الفاظ سے ہوتا ہے، اس سلسلے میں آیندہ اوراق میں گفتگو کی جائے گی۔

[2] تاریخ شیراز ہند جونپور، ص ۲۰۹۔ مصنفہ سید اقبال احمد (مطبوعہ ۱۹۶۳ء) ناشر شیراز ہند پبلشنگ ہاؤس جونپور

قاضی صلاح الدین جونپوری، انہی قاضی نظام الدین مصنف "الفتاویٰ ابراہیم الشاہیہ" کے پوتے تھے۔ انھوں نے اپنے اس عظیم الشان دادا کی مہد تربیت میں نشو ونما پائی اور انہی سے تحصیل علم کی منزلیں طے کیں۔ ان کے انتقال کے بعد قاضی مقرر ہوئے اور پورے بیس سال منصب قضا پر فائز رہے۔ وہ بلند اخلاق، شیریں بیان اور فصیح اللسان شخص تھے۔ اتنے زبردست عالم تھے کہ اکثر علوم کے مسائل کی جزئیات میں کامل مہارت و استحضار رکھتے تھے اور اس سلسلے میں ان کی انفرادیت اس حد تک مسلّمہ تھی کہ ان کی طرف انگلیوں سے اشارہ کیا جاتا تھا۔ صحیح بخاری کے شارح سید عبدالاول بن علاء الحسینی جونپوری اور دیگر حضرات نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے[1]۔

سلطان ابراہیم شرقی

مناسب ہوگا کہ مختصر الفاظ میں یہاں سلطان ابراہیم شرقی کا ذکر بھی کر دیا جائے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ جس شخصیت کی طرف اس فتاویٰ کا انتساب کیا گیا ہے وہ کس مرتبہ و مقام اور عز و شرف کی حامل ہے۔ اس ضمن میں مولانا سید عبدالحی حسنی لکھنوی فرماتے ہیں۔

السلطان العادل الكريم ابراهيم بن خواجه جهان الجونپوري، سلطان الشرق، قام بالملك بعد صنوه مبارك شاه، سنة اربع وثمان مائة، فافتتح امره بالعدل والاحسان، وولى الناس، واحسن السيرة فيهم، وساس امورهم سياسة حسنة، لما جمع الله سبحانه فيه من الدين والعقل والمروءة، وخلال الخير بغاية من الكمال، فصار المرجع والمقصد، واجتمع لديه خلق كثير من ارباب الفضل والكمال، كالقاضي شهاب الدين الدولة آبادي، والقاضي نظام الدين الكيلاني والشيخ ابي الفتح بن عبد الحي بن عبد المقتدر الشريحي الكندي وامثالهم

وكان حسن الاخلاق، عظيم الهمة، كريم السجية، شريف النفس مطلعا على ما تمس اليه الحاجة من امور الدنيا والدين۔

ومن اخباره ان القاضي شهاب الدين المذكور ابتلى بمرض وطال مرضه

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۶۱۔

Marfat.com

فاتاہ السلطان یعودہ، وطلب الماء، ثم طوف علی راس القاضی سبع مرات وقال

"اللهم ان قدرت له الموت، فاصرفه عنه الی"۔

ومن مآثره المدارس والجامع بمدینة جونپور،

توفی سنة اربعین، وقیل اربع واربعین وثمان مائة، وکان موته

داهیة عظیمة علی اهل بلاده، کما فی تاریخ فرشته۔[1]

"یعنی انصاف پرور اور کریم النفس سلطان ابراہیم بن خواجہ جہان جونپوری، سلطان الشرق نے اپنے بھائی مبارک شاہ کے بعد ۸۰۴ھ میں ملک کی عنان حکومت ہاتھ میں لی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی ذات میں دین و دیانت، عقل و مروت اور عوام میں خیر و برکت پھیلانے کی جو بدرجہ کمال صلاحیتیں جمع کر دی تھیں، اُس کی وجہ سے اس نے کاروبار سلطنت عدل و احسان کے ساتھ شروع کیا۔ لوگوں کی بہتر طور سے سرپرستی کرنے اور انھیں حسن سیرت کی نعمت سے آراستہ کرنے کے لیے تمام کوششیں وقف کر دیں۔ اور ان کے عام نظم و نسق اور پیش آمدہ امور کی خوب دیکھ بھال کی۔ اسی بنا پر اسے مرجع عوام اور لوگوں کا مقصد و ماویٰ گردانا گیا۔ قاضی شہاب الدین دولت آبادی، قاضی نظام الدین گیلانی، شیخ ابوالفتح بن عبد الحی بن عبد المقتدر شریحی الکندی اور ان جیسے بے شمار ارباب فضل و کمال اس کے گرد جمع ہو گئے تھے۔

وہ حسن اخلاق کا نمونہ، بلند ہمت، فیاض طبیعت اور شریف النفس تھا اور دینی و دنیوی سلسلے میں اسے جو مسائل پیش آتے، ان سے پوری طرح باخبر تھا۔

سلطان ابراہیم شرقی کے حسن اخلاق اور تکریم علما کا اندازہ اس سے کیجیے کہ قاضی شہاب الدین ایک مرتبہ کسی مرض میں مبتلا ہو گئے اور مرض طول پکڑ گیا تو یہ ان کی عیادت کے لیے آیا اور پانی منگوایا۔ پھر اس کو سات مرتبہ ان کے سر پر گھمایا اور کہا "اے اللہ! اگر تو نے اس شخص کے لیے موت مقدر کر دی ہے تو اس سے ہٹا کر اس کا رخ میری طرف موڑ دے"۔

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۲۱۱

جونپور شہر میں اس نے جو امورِ خیر انجام دیے، ان میں دینی مدارس اور جامع مسجد خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

سلطان نے ۸۴۰ھ میں ایک روایت کے مطابق ۸۴۴ھ میں وفات پائی۔ تاریخ فرشتہ کے بیان کے مطابق اس کی موت، اس کے باشندگانِ مملکت کے لیے ایک عظیم سانحہ کی حیثیت رکھتی تھی۔

سلطان ابراہیم شرقی، علمائے دین سے اس درجہ محبت و مودت سے پیش آتا تھا کہ علما کی بہت بڑی جماعت دور دراز مقامات سے کھنچ کر اس کے حلقہ مملکت میں داخل ہو گئی تھی۔ ان علمائے عظام کی فہرست میں قاضی نظام الدین بن قاضی صدر الدین غزنوی کا اسمِ گرامی بھی شامل ہے۔ قاضی صدر الدین غزنہ کے مشہور علما میں سے تھے۔ اور وہاں قاضی القضاۃ تھے یہ ۸۱۰ھ میں فوت ہوئے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے فرزندِ گرامی قدر شیخ نظام الدین غزنوی، غزنہ سے ترکِ وطن کر کے ہندوستان تشریف لے آئے اور جونپور جا پہنچے۔ وہاں قاضی شہاب الدین دولت آبادی سے ملاقات ہوئی تو وہ انھیں سلطان ابراہیم شرقی کے دربار میں لے گئے۔ سلطان، جو علما کا بہت بڑا قدردان تھا، ان کی علمی صلاحیتوں سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے انھیں مچھلی شہر کا قاضی مقرر کر دیا۔[۱]

علاوہ ازیں قاضی احمد بن عمر دولت آبادی اور مولانا عادل الملک بن عبد الملک عراقی جونپوری بھی اسی عہد کے علما و فقہا میں سے تھے اور سلطان ابراہیم شرقی کے متعلقینِ خاص میں سے تھے۔

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ فتاویٰ ابراہیم شاہی کا حصہ فارسی درحقیقت حصہ اول ہے، عبادات پر مشتمل ہے اور اس حصے میں تقریباً وہی مسائل بیان کیے گئے ہیں، جو دیگر کتبِ فقہ میں درج ہیں۔ مندرجہ ذیل سطور میں ہم اختصار کے ساتھ اس کے مندرجات میں سے چند باتیں بیان کرتے ہیں۔

---

[۱] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، نزہۃ الخواطر ج ۳ ص ۱۲۶، ۱۲۷

سواری پر حج کو جانا افضل ہے

مصنفِ فتاویٰ نے جس اسلوب سے مختلف مسائل کو ہدفِ بحث بنایا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ انسانی نفسیات کو خوب سمجھنے اور حالات کی رعایت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں اور انسان کو عبادات کے باب میں مشقت میں ڈالنے سے احتراز کرتے ہیں۔ اس کی ایک مثال یہ ہے کہ وہ دیارِ حرم میں پیدل جانے کی نسبت سواری پر جانے کو افضل گردانتے ہیں اور سراجیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

"فی السراجیۃ در حج سوار رفتن افضل است وعلیہ الفتویٰ"[۱]۔

"یعنی سراجیہ میں ہے کہ حج کے لیے سواری پر جانا افضل ہے اور یہی مفتیٰ بہ ہے۔"

حج ثانی کے بجائے صدقہ

اسی طرح مصنف شہیر نے اس مسئلے کو بھی لائق التفات قرار دیا ہے کہ اگر کوئی شخص ایک مرتبہ حج کر چکا ہو اور دوسری بار جانے کا متمنی ہو تو کیا کرے۔ اس کے لیے حج ثانی بہتر ہے یا اتنا مال جو حج پر خرچ ہو گا، غربا و مستحقین پر صدقہ کر دینا افضل ہے؟ فتاویٰ سراجیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں:۔

"اگر مردے یکبار حج بجا آوردہ، بعدہ مے خواہد کہ باز در حج رود، تصدق بدیں مال یعنی مال کہ در راہِ حج خرچ خواہد کرد، افضل بود از حج"[۲]۔

یعنی اگر کوئی شخص ایک مرتبہ فرض حج سے سبکدوش ہو چکا ہو اور دوسری مرتبہ جانے کا خواہاں ہو تو اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ جو روپے وہ حج پر خرچ کرنا چاہتا ہے وہ مستحق لوگوں پر خرچ کر دے۔ یہ حج سے زیادہ باعثِ افضلیت ہے۔

تعظیم استاذ

"فصل فی تعظیم الاستاذ، وفضل العلماء" میں استاذ کی عظمت اور علمائے دین کی فضیلت کی وضاحت کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ استاذ کا درجہ سب سے بلند ہے اور اس کا احترام بہر صورت ضروری ہے۔ چنانچہ بستان الفقہ

---

[۱] ورق ۱۱۷ ب [۲] ایضاً

حوالے سے رقم طراز ہیں۔

"تعظیم استاذ بر شاگرد واجب است واز تعظیم وی برکت شود در علم، و ہر کہ تعظیم استاذ نکند خدائے عزوجل باز شوم آں، برکت علم رفع کند"[1]

ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ شاگرد پر استاذ کی تعظیم کرنا واجب ہے۔ اس کی تعظیم سے علم میں برکت پیدا ہوتی ہے۔ جو شخص استاذ کی عظمت و احترام کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس کو علم کی برکت سے محروم کر دیتا ہے۔

والدین اور استاذ

ساتھ ہی استاذ اور ماں باپ کے حقوق کا تقابل کرتے ہوئے فتاویٰ سراجیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"وفی السراجیۃ حق معلم مقدم است بر حق مادر و پدر و بر جمیع مسلماناں"[2]

یعنی معلم کا حق ماں باپ اور تمام مسلمانوں کے حقوق سے مقدم ہے۔

اس سے اگلی سطر میں فتاویٰ سراجیہ کے حوالے ہی سے فرماتے ہیں،

"اگر استاذ کارے فرمود۔ و مادر و پدر نیز کارے فرمودند۔ کار استاذ مقدم دارد، زیراکہ بہترین پدر آنست"[3]

یعنی اگر ایک کام کا استاد حکم دے اور ایک کا ماں باپ حکم دیں تو استاد کے حکم کی تعمیل کو مقدم سمجھے، اس لیے کہ بہترین باپ وہی ہے۔

سلطان ظالم کو عادل کہنے والا

مصنف نے سلطان عادل اور سلطان ظالم کا تذکرہ بھی کیا ہے اور اس ضمن میں ان کا لب و لہجہ قدرے سخت ہو گیا ہے۔ ان کا اصل نقطۂ نظر تو یہ ہے کہ ظالم سلطان کی کسی صورت میں حوصلہ افزائی نہیں کرنی چاہیے۔ اس کی حوصلہ افزائی اس کو ظلم پر آمادہ کرنے کے مترادف ہے۔ ظالم حکمران کو عادل کے لفظ سے یاد کرنا کفر ہے۔ لکھتے ہیں:

"وفی السراجیۃ اگر کسے سلطان ظالم را عادل گوید، خواجہ منصور ماتریدی رح

---

[1] ورق ۳۴۶ ب [2] ایضاً [3] ایضاً

گفتہ است کہ کافر گردد[1] [2]

یعنی سراجیہ میں منقول ہے، کوئی شخص ظالم سلطان پر لفظِ عادل کا اطلاق کرتا ہے تو خواجہ منصور ماتریدی کا فرمان ہے کہ وہ شخص کافر ہو جاتا ہے۔

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ مصنفِ کتاب لوگوں میں جرأتِ حق گوئی پیدا کرنا چاہتے ہیں اور ان میں یہ شعور بیدار کرنے کے خواہاں ہیں کہ ظالم حکمران سے ہرگز قرب و تعلق نہ رکھا جائے بلکہ اس سے نفرت و حقارت کا برتاؤ کیا جائے۔

مصنف نے اس کے ساتھ ہی بعض دیگر ائمہ کرام کے نقطہ نظر کا اظہار بھی کیا ہے اور وہ یہ کہ ظالم حکمران کو عادل قرار دینے والا کفر کی سرحدوں تک نہیں پہنچتا۔[2]

فتاوی ابراہیم شاہی کا حصۂ فارسی اسی انداز سے چلتا ہے اور اس کے مختلف مقامات پر نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، نمازِ سوف، نمازِ خسوف، نمازِ جمعہ، نمازِ خوف وغیرہ کے مسائل بیان کیے گئے ہیں اور اس سلسلے میں قرآن و حدیث کے علاوہ فقہِ احناف کی متعدد کتابوں کے حوالے دیے گئے ہیں۔

---

[1] ورق ۱۴۵ ب [2] ایضاً

(۷۱)

فتاویٰ ابراہیم شاہی

حصہ دوم (عربی)

مصنف: قاضی احمد بن محمد نظام الدین۔

اوراق: ۵۴۴۔ سطور فی صفحہ ۲۳۔ خط نستعلیق سائز ½۱۱ + ۷
عنوانات سرخ روشنائی سے لکھے گئے ہیں۔ کاتب کا نام درج نہیں۔

نمبر: ۸۴۷ II ۹۸

پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے اس مخطوطے میں، جو ہمارے پیش نظر ہے، دو چیزیں ایسی درج ہیں جن کا مخطوطے کے اصل مضامین سے کوئی تعلق نہیں۔ ایک یہ کہ اصل مخطوطہ شروع ہونے سے پہلے تین صفحوں میں کچھ استفتا ہیں، جن پر دو مہریں ثبت ہیں، جن میں "ابوتراب محمد سراج حسین" کے الفاظ نقش ہیں۔ ایک استفتا کا جواب "شیخ محمد تھانوی" کا تحریر کردہ ہے۔ ان میں سے ایک اور استفتا کا جواب "محمد امام الدین" نے دیا ہے۔ ان سطور کے بالکل آخر میں "شہاب الدین"، "مولوی نعمت علی صاحب"، "شاہ عالم اور" "مولوی علی احمد صاحب" کے نام مرقوم ہیں۔

دوسرے یہ کہ ایک عبارت چار صفحات میں ہے۔ اس کے نیچے "محررہ خداداد دست ابن محمد مکارم المعلوم" لکھا ہے۔ تاریخ کہیں بھی مرقوم نہیں۔

فتاویٰ پر ایک مہر ثبت ہے، جس میں یہ الفاظ نقش ہیں۔
"بخشی الملک ہیبت جنگ بہادر سید نورالہدیٰ خاں ۱۲۸۲ھ"
اس مربع مہر کی شکل یہ ہے،

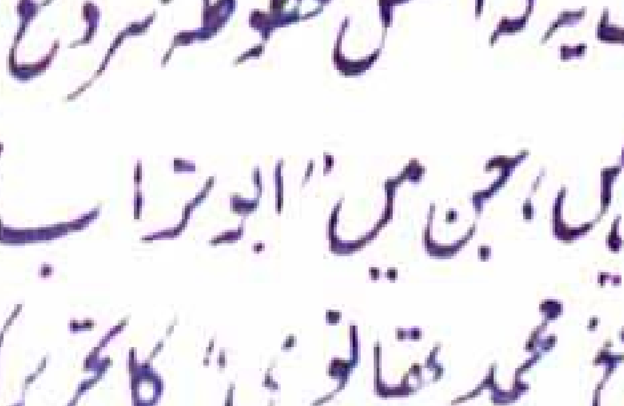

فہرست مضامین

فتاویٰ ابراہیم شاہی کا یہ حصہ معاملات پر مشتمل ہے اور عربی زبان میں ہے۔ اس کی فہرست مضامین درج ذیل ہے:

کتاب الغصب والضمان، باب فیما ینقطع به عن المغصوب، باب البراء عن الضمان، باب المتفرقات، باب الودیعة، باب المتفرقات، کتاب العاریة، باب المتفرقات، کتاب الشرکة، باب شرکة المفاوضة، باب شرکة العنان، باب شرکة الاعمال، باب المتفرقات، کتاب المضاربة، باب فیما یملك المضارب، باب فی المضاربة الفاسدة، فصل فی نفقة المضارب، باب المتفرقات، باب الحجر، باب المتفرقات، باب الماذون، فصل فی دیون العبد الماذون، باب المتفرقات، کتاب الاقرار، باب الرجوع عن الاقرار، باب [اقرار] المریض، باب الاستثناء، باب الاقرار بالقرابة، باب المتفرقات، کتاب البیوع، باب ما یجوز بیعه وما لا یجوز، باب ما یدخل تحت البیع وما لا یدخل، باب البیع الفاسد والباطل، فصل فی بیع الثمار والاشجار، فصل فی بیع الاشجار، فصل فی بیع المتاع، فصل فی ما یکره فی البیع وما لا یکره، فصل فی الاحتکار، فصل فی بیع الفضولی، و بیع الموقوف، فصل فی ضمان المامور، فصل فی التلجیة والمواضعة، باب المرابحة والتولیة، باب خیار الشرط، باب خیار الرؤیة، باب خیار العیب، فصل فی بعض مسائل العیب، فصل فی ما یکون رضا بالعیب وفیما لا یکون، باب الاقالة والفسخ، باب اختلاف البائع والمشتری، باب فی القبض والتسلیم، باب الربوا، باب السلم، باب الاستبراء، باب الاستحقاق، باب المتفرقات، باب الصرف، باب فی بیع الوفاء[1]، باب

۱؎ یہ عنوان فہرست مضامین میں تو موجود ہے، لیکن متن میں نہیں ہے، متن میں جہاں یہ بحث شروع ہوتی ہے، ایک سطر خالی چھوڑ دی گئی ہے، ملاحظہ ہو ورق ۱۰۰۔

فی الدّین[1]، باب المتفرقات، باب الشفعۃ، باب طلب الشفعۃ وتسلیمھا، باب الاخذ بالشفعۃ، کتاب الوکالۃ، باب فی الفاظ التوکیل ونحوہ، باب اثبات الوکالۃ، باب التوکیل بالبیع، باب توکیل الوکیل[2]، باب عزل الوکیل، باب المتفرقات، کتاب الکفالۃ، باب کفالۃ الرجلین، باب کفالۃ العبد الماذون والمحجور والصبی[3] ونحوہ، باب الدفع والتسلیم، باب المتفرقات، کتاب الحوالۃ، کتاب الصلح، باب المتفرقات، کتاب الھبۃ[4]، فصل فی مسائل الاستحقاق ونحوہ[5]، فصل فی مسائل التبرع ونحوہ[6]، کتاب الھدایۃ[7]، کتاب الرھن، باب التصرف فی الرھن، باب الانفکاک، فصل فی اجرۃ بیت الرھن الذی یحفظ[8]، باب المتفرقات، کتاب الاجارات، باب الاجارۃ الفاسدۃ، فصل فی فسخ الاجارۃ، فصل فی الاختلاف فی الاجارۃ[9]، فصل

---

[1] یہ عنوان فہرست میں درج ہے لیکن متن میں نہیں ہے۔ اس بحث کے آغاز میں ایک سطر کا خلا چھوڑ دیا گیا ہے۔ دیکھیے ورق ۱۰۱ ب

[2] یہ عنوان بھی فہرست مضامین میں درج ہے متن میں نہیں ہے۔ متن میں جہاں سے یہ شروع ہوتا ہے، وہاں ایک سطر کا خلا ہے۔ دیکھیے ورق ۱۱۹ ب

[3] فہرست مضامین میں باب کفالۃ الرجلین اور باب کفالۃ العبد الماذون دونوں کے آگے ورق ۱۱۹ لکھا گیا ہے۔ یہ کتابت کی غلطی ہے یہ دونوں باب متن کتاب میں علی الترتیب ورق ۱۲۹ الف اور ۱۲۱ ب پر درج ہیں

[4] فہرست مضامین میں اس کا ورق ۱۵۰ لکھا گیا ہے۔ حالانکہ یہ ورق ۱۲۳ ب میں ہے۔

[5] یہ عنوان فہرست مضامین میں درج نہیں البتہ متن کے ورق ۱۴۹ الف پر درج ہے۔

[6] یہ عنوان بھی فہرست مضامین میں درج نہیں متن کے ورق ۱۴۹ ب پر مکتوب ہے۔

[7] یہ بھی فہرست میں مرقوم نہیں متن کے ورق ۱۵۰ ب پر مرقوم ہے۔

[8] یہ عنوان فہرست مضامین میں موجود ہے لیکن متن میں درج نہیں، البتہ یہ مضمون کوئی عنوان دیے بغیر نئے پیرے سے شروع کیا گیا ہے۔ دیکھیے ورق ۱۵۰

[9] یہ عنوان صرف متن میں ہے۔ فہرست مضامین میں نہیں ہے۔

Marfat.com

فی بیع المستاجر، باب ضمان الاجیر، باب المتفرقات، کتاب المزارعۃ، باب المساقاۃ والمعاملۃ، باب المتفرقات[۱]، باب احکام التحریم و الشرب، کتاب الصید، فصل فی الذبائح، باب التسمیۃ علی الذبیحۃ، فصل فی الجنین، فصل فی ذبیحۃ المحرم، باب ما یحل اکلہ وما لایحل، فصل (فی) السمک، باب المتفرقات، کتاب الوقف، باب فی وقف المنقول، باب وقف المشاع، باب رغبۃ القیم، باب مصارف الوقف، باب الدعوی والشہادۃ فی الوقف، کتاب الجنایات، فصل القتل علی خمسۃ اوجہ، باب ما یوجب القصاص وما لا یوجب، فصل فی الشہادۃ فی القتل، فصل فی العفو عن القصاص باب الجنایۃ فیما دون النفس[۲]، فصل فی الجنایۃ علی الید والاصابع، فصل فی الجنایۃ علی السن والعظم، فصل فی الجنایۃ علی شعر الرأس، فصل فی الجنایۃ علی الرأس والوجہ، فصل فی الجنایۃ علی العین، فصل فی الجنایۃ علی الاذن والانف، فصل فی الجنایۃ علی اللسان والذکر ونحوہ، فصل فی تفسیر حکومۃ العدل والاباحۃ، باب الدیات، باب الجنین والصبی والمجنون، باب ما جنایہ العبد والجنایۃ علیہ، فصل فی الجنایۃ علی العبد، فصل فی جنایۃ ام الولد والمدبر والمکاتب، باب القسامۃ، باب المعاقل، باب جنایۃ البہائم والجنایۃ علیہا، باب ما یحدثہ الرجل فی الطریق، باب الحائط المائل، باب المتفرقات، کتاب الامارۃ، و السلطنۃ والقضاء، باب فی تقلد القضاء والتحرز عنہ ومن یلی القضاء ومن لا یلیہ وفسق القاضی، فصل فی رشوۃ القاضی[۳]، باب ادب القاضی[۴]

---

[۱] یہ عنوان صرف متن میں ہے۔ فہرست مضامین میں نہیں ہے۔

[۲] یہ عنوان فہرست میں نہیں متن میں ہے۔ [۳] یہ عنوان فہرست میں درج ہے۔ متن میں نہیں ہے۔

[۴] فہرست مضامین میں "باب" کے بجائے "فصل" کا لفظ مرقوم ہے۔

فصل فیما یکون حکماً من القاضی وفیما لا یکون حکماً، وفیمن یجوز قضاءہ و فیمن لا یجوز، فصل فیما یحل للقاضی وما لا یحل، باب القضاء علی الغائب، باب القضاء فی المجتہدات، باب کتاب القاضی الی القاضی، باب التحکیم، باب المتفرقات، باب ادب المفتی، فصل[1] فی حصر المذاهب، کتاب الاحتساب، کتاب الشهادة، باب فیمن تقبل شهادته وفیمن لا تقبل، باب فی شهادة الرجل، باب الاختلاف فی الشهادة، باب الشهادة علی الشهادة، باب التزکیة، فصل فی الشاهد الزور[2]، باب الرجوع عن الشهادة والتزکیة[3]، باب المتفرقات، کتاب الدعوی، باب فی دعوی الدین علی المیت وللمیت، باب دعوی المیراث والشهادة علیه، فصل فی اثبات مال الیتیم علی کل حال، فصل یرد خصمهم علی المدعی، باب دعوی العتق والتدبیر وغیر ذلک، باب فی دعوی النکاح والطلاق، باب دعوی النسب، باب دعوی العقار، باب فی دعوی الحائط، باب فی دعوی الطریق ومسائل الماء الجاری وغیر ذلک، باب التنازع فی الدعوی، باب دعوی النتاج، باب التناقض فی الدعوی، باب فی دفع الدعوی، باب الابراء، فصل فی مسائل شتی، باب الاستحلاف، فصل فی التحالف، باب الحبس، باب المتفرقات، کتاب القسمة، باب المتفرقات، کتاب الوصایا، باب الوصی، باب المتفرقات، باب فیما یسئل من المسائل المتشابهة[4]، باب فی تنبیه المجیب، باب المسائل المتفرقة، کتاب الفرائض، باب معرفة الفروض واصحابها، باب العصبات، باب ذوی الارحام، باب السقوط[5]، باب المعاقل،

---

[1] فہرست مضامین میں "فصل" کے بجائے لفظ "باب" ہے۔

[2] فہرست مضامین میں فصل فی الشهادة الزور ہے۔

[3] یہ باب فہرست میں نہیں، متن کتاب میں مرقوم ہے۔

[4] یہ باب متن میں تو موجود ہے لیکن فہرست میں نہیں ہے [5] یہ باب فہرست میں تو ہے لیکن متن میں نہیں ہے۔

مضامین کی یہ پوری فہرست ہم نے اس لیے درج کی ہے تاکہ معلوم ہو سکے، یہ فتاویٰ کس قدر مفصل اور متنوع ہے اور اس کے مندرجات و مشمولات کا دامن کتنا ہمہ گیر اور وسعت پذیر ہے۔ اس سے عیاں ہے کہ مصنف نے کسی چیز کو تشنہ نہیں رہنے دیا اور تمام مسائل وضاحت اور تفصیل سے بیان کر دیے ہیں۔ اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ خود سلطان ابراہیم شرقی بھی وسیع نظر کا حامل تھا اور ہر مسئلے کی جزئیات تک پہنچنے کی کوشش کرتا تھا۔

فتاویٰ کے نسخے

فتاویٰ ابراہیم شاہی کے، اس حصے کا جو عربی زبان میں ہے، مختلف کتابوں اور فہرستوں میں ذکر آیا ہے۔ کتب خانہ آصفیہ (حیدر آباد دکن) کی فہرست میں بھی اس کا ذکر کیا گیا ہے اور وہاں کی لائبریری میں یہ فتاویٰ موجود ہے۔ فہرست مذکور کے مرتب اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

فتاویٰ ابراہیم شاہی احمد بن محمد ملقب بہ نظام گیلانی کی تصنیف ہے۔ مصنف موصوف نے فقہ کی ایک سو ساٹھ سے زائد کتابوں سے اس کو جمع کر کے سلطان ابراہیم شاہ کی خدمت میں پیش کیا اور اسی کے نام سے موسوم کیا۔ کتاب کا آغاز "الحمد للہ الذی رفع منازل العلماء اعلیٰ مقدار ہم" الخ کے الفاظ سے ہوتا ہے۔[1] یہ کتاب طہارت، صلوٰۃ، صوم، زکوٰۃ وغیرہ وغیرہ ابواب فقہ کے مطابق مرتب کی گئی ہے۔[2] کتب خانہ آصفیہ کے نسخہ کا نمبر ۲ ہے، جو خوش خط، خط نسخ میں تحریر ہے۔ اس کا کاغذ بھی عمدہ ہے اور ۱۰۸۷ھ کا مکتوبہ ہے۔ کاتب کا نام سید محمد ہے۔ نسخہ دو حصوں میں تحریر ہے۔ حصہ اول از صفحہ ۱ تا ۴۷۴ ہے۔ حصہ دوم صفحہ ۴۷۴ سے شروع ہو کر صفحہ ۵۰...

---

[1] ہمارے سامنے پنجاب یونیورسٹی کا نسخہ ہے اس کا آغاز ان الفاظ سے نہیں ہوتا۔ یہ نسخہ "کتاب الشہادات والضمان" سے شروع ہوتا ہے۔

[2] پیش نظر نسخہ میں یہ ترتیب نہیں ہے۔ یہ تمام تر حصہ جو عربی زبان پر مشتمل ہے معاملات، جنایات، تجارت، ہبہ، وقف اور قصاص و دیات، قضا یا شہادات وغیرہ کے مسائل کو محیط ہے، جیسا کہ فہرست سے ظاہر ہے۔ البتہ اس فتاویٰ کا فارسی حصہ، طہارت، صلوٰۃ، صوم اور زکوٰۃ وغیرہ پر محتوی ہے۔

ختم ہوتا ہے۔ سطور فی صفحہ ہر دو حصہ ۲۵ ہیں۔ حاجی خلیفہ نے غالباً یہ کتاب نہیں دیکھی[1] فارسی زبان میں بھی "فتاوی ابراہیم شاہی" نام کی ایک کتاب اسی مصنف کی تصنیف ہے[2]"

نزہۃ الخواطر میں بھی قاضی احمد بن محمد جونپوری (قاضی نظام الدین) کے تذکرہ میں فتاوی ابراہیم شاہی کا ذکر کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس کا آغاز "الحمد للہ الذی رفع منار العلم واعلیٰ مقدارہ" کے الفاظ سے ہوتا ہے[3]

پھر کشف الظنون میں حاجی خلیفہ نے "ابراہیم شاہیہ فی فتاوی الحنفیہ" کے عنوان سے اس کا تعارف کرایا ہے اور اس کے الفاظ آغاز بھی درج کیے ہیں[4]

لیکن جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے، ہمارے پیش نگاہ (پنجاب یونیورسٹی کے) نسخہ میں اس کا آغاز ان الفاظ سے نہیں ہوتا بلکہ کتاب الغصب والضمان سے ہوتا ہے۔

مضامین و مشمولات

فتاوی ابراہیم شاہی اپنے مضامین و مشمولات کے اعتبار سے نہایت مفصل ہے اور اس میں ہر بات وضاحت اور تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔ اب ہم ذیل میں اختصار کے ساتھ اس طویل کتاب کے مشمولات و مندرجات میں سے چند باتیں بیان کرتے ہیں تاکہ معزز قارئین کو اس کی فقہی اور علمی نوعیت کا کچھ اندازہ ہو سکے۔

تحائف و ہدایا میں مساوات

فاضل مصنف نے ایک عنوان قائم کیا ہے، باب الہدایہ۔ اس میں انھوں نے اس مسئلہ کو مدار بحث ٹھہرایا ہے کہ تحائف اور ہدایا کی تقسیم میں کیا انداز اختیار کرنا چاہیے اور بالخصوص باپ اگر اولاد کو تحائف دے تو اس کی کیا صورت اختیار کرنی مناسب ہو

---

[1] مرتب فہرست کی یہ بات صحیح نہیں۔ حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں اس کا ذکر کیا ہے اور یہ کتاب اس کے علم و نظر میں ہے۔ دیکھیے کشف الظنون جلد اول کالم ۳ و جلد ثانی کالم ۲۸۳۔

[2] فہرست مشروح بعض کتب نفیسہ قلمیہ۔ مخزونہ کتب خانہ آصفیہ۔ سرکار عالی (مطبوعہ ۱۳۵۵ھ) ص ۱۳۔

[3] نزہۃ الخواطر جلد ۳۔ ص ۲۱، ۲۲

[4] کشف الظنون ج ۱، کالم ۳۔

مصنف فتاویٰ سراجیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں،

فی السراجیۃ، فی احکام الھدایا، ینبغی ان یعدل بین اولادہ، فی العطایا، والعدل عند ابی یوسف رحمہ اللہ ان یعطیھم علی السواء وعند محمد ان یعطی علی سبیل المیراث للذکر مثل حظ الانثیین، فان کان بعض اولادہ مشغولا بالتعلیم دون الکسب، لا باس ان یفضلہ علی غیرہ[1]

یعنی سراجیہ میں احکام ہدایا کے سلسلے میں بتایا گیا ہے کہ عطایا و ہدایا کے باب میں اپنی اولاد کے درمیان عدل کا برتاؤ کرنا چاہیے اور عدل کا مفہوم امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ ہے کہ والد انھیں برابر کے تحفے دے اور امام محمد کے نزدیک یہ ہے کہ میراث کے لحاظ سے دے۔ یعنی جیسا کہ قرآن کریم میں وارد ہے مرد کے لیے دو عورتوں کے حصے کے برابر۔ پھر اگر کچھ اولاد تعلیم میں مشغول ہے اور کاروبار میں نہیں پڑی ہے تو ایسی اولاد کو دوسروں پر ترجیح دینے میں کوئی حرج نہیں۔ یعنی طالب علم اولاد کو غیر طالب علم اولاد کی بہ نسبت زیادہ عطیوں اور مال و دولت سے نوازنا چاہیے۔

اس ضمن میں اس کے ساتھ ہی مرقوم ہے۔

ولا باس بان یعطی من اولادہ من کان عالما ولا یعطی من کان منھم فاسقا۔[2]

یعنی اس میں کوئی مضائقہ نہیں کہ اپنی عالم و دانشمند اولاد پر تو خرچ کرے اور فاسق اولاد کو کچھ نہ دے۔

مطلب یہ کہ دانشمند اور عالم اولاد کو اگر کچھ باپ کی طرف سے ملے گا تو وہ اسے نیک کاموں میں خرچ کرے گی اور اگر فاسق کو ملے گا تو وہ اسے فسق و فجور میں صرف کرے گی۔ لہٰذا عالم اور نیک اولاد کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے اور فسق و فجور میں مبتلا اولاد کو کچھ دینے اور خرچ کرنے سے حتی الامکان احتراز کرنا چاہیے تاکہ وہ والدین کے مال کو غلط جگہ پر استعمال نہ کر سکے۔

---

[1] ورق ۱۵۰ اب [2] ایضاً

Marfat.com

اہلِ محلہ میں ہدایا کی تقسیم

ہدایا و تحائف کے بارے میں فتاویٰ ابراہیم شاہی کے مصنف نے بڑی طویل گفتگو کی ہے۔ اس ضمن میں وہ باب الہدایا کے باب المتفرقات میں ظہیریہ کے حوالے سے شمس الائمہ سرخسیؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں:۔ ان الافضل للمرء ان یشارک اهل محلته فی اعطاء الهدایا، انما بطریق المعهود، والتحبب الی الاخوانؑ

بہتر یہ ہے کہ انسان ہدایا اور تحائف کی تقسیم میں اہلِ محلہ کو شریک کرے تاکہ اپنے ان بھائیوں کے دلوں میں اس کے لیے محبت اور الفت کے جذبات پیدا ہوں۔

کیا شیٔ مرہونہ میں تصرف ہو سکتا ہے؟

مصنف نے کتاب الرہن میں "باب التصرف فی الرہن" کے عنوان سے ایک ذیلی باب باندھا ہے۔ اس میں اس مسئلہ پر بحث کی گئی ہے کہ شیٔ مرہونہ میں کسی قسم کا تصرف کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ مصنف کا کہنا ہے کہ جس شخص کے پاس کوئی چیز بصورت رہن موجود ہو، وہ اس میں کسی نوع کا تصرف یا ردّ و بدل نہیں کر سکتا۔ اس کا فرض ہے کہ وہ شیٔ مرہونہ کو اسی شکل و صورت میں اپنے پاس رکھے اور اس میں کوئی تبدیلی نہ پیدا ہونے دے۔ نہ وہ اس کو فروخت کرنے کا مجاز ہے اور نہ کسی کو دینے کا۔ مصنف شرح طحاوی کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

ولیس للمرتهن ان یبیع الرهن بغیر اذن الراهن۔ فان باع بغیر اذنه توقف علی اجازته، فان اجاز، جاز، وان لم یجز فله ان یبطلهؑ۔

مرتہن، راہن کی اجازت کے بغیر مالِ مرہونہ فروخت نہیں کر سکتا۔ اگر وہ اس کی اجازت کے بغیر فروخت کر دے تو بیع متحقق ہونے میں اس وقت تک انتظار کرنا پڑے گا جب تک راہن کی طرف سے باقاعدہ اجازت حاصل نہ ہو جائے۔ اگر وہ اجازت دے دے تو بیع جائز ہو گی ورنہ باطل قرار پائے گی۔

لے ورق ۱۵۱ الف

ٹے ورق ۱۴۵ ب

کیا شئی مرہونہ اجرت پر دی جا سکتی ہے؟

اس سلسلے میں مصنف نے اس پر بھی بحث کی ہے کہ مرہونہ شئی کو اُجرت پر بھی نہیں دیا جا سکتا۔ اگر اجرت پر دی جائے گی تو یہ فعل فاسد ٹھہرے گا۔ لیکن ساتھ ہی فرمایا:

وقیل موقوف علی اجازتہ [1]

یعنی بعض فقہا کا قول ہے کہ اس کو اجرت پر دینا راہن کی اجازت پر موقوف ہے۔

مال مرہونہ کی حفاظت

مصنف نے اس بات پر بھی زور دیا ہے کہ مرتہن کا فرض ہے مالِ مرہونہ کو کامل احتیاط اور پوری حفاظت کے ساتھ اپنے پاس رکھے اور اسے کسی قسم کا نقصان نہ پہنچنے دے۔ چنانچہ التہذیب کے حوالے سے مصنف لکھتے ہیں:

ثم للمرتھن ان یحفظ الرھن بنفسہ ومن عیالہ وبخادمہ [2]

"پھر مرتہن پر یہ بھی فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ رہن شئی کو اپنی ذمہ داری سے اپنے اہل و عیال سے اور اپنے خادم سے بھی محفوظ رکھے۔"

یعنی ضروری ہے کہ وہ ہر شخص کو اس کی حفاظت کی تاکید کرے کیونکہ یہ اس کی ذمہ داری ہے۔

اختلاف کی صورت میں اجرت کا معاملہ

کتاب الاجارات کی "فصل فی الاختلاف فی الاجارۃ" میں سراجیہ کے حوالے سے مصنف فتاوی نے اس مسئلہ کو ہدفِ بحث ٹھہرایا ہے کہ اگر مالک اور درزی یا صباغ (رنگریز) کے درمیان کپڑے کی سلائی یا رنگائی کے بارے میں اختلاف پیدا ہو جائے تو کس کی بات کو ترجیح دی جائے گی اس ضمن میں مصنف کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

اذا قال امرتک ان تخیط قباءً۔ قال الخیاط امرتنی قمیصاً او قال امرتک ان تصبغہ احمر، فصبغتہ اصفر۔ وقال الصباغ امرتنی ان اصبغہ اصفر۔ فالقول لصاحب الثوب مع الیمین وفی التھذیب ثم الخیاط ضامن لقیمتہ... وکذا الصباغ [3]

---

[1] ورق ۱۵۴ ب [2] ورق ۱۵۵ ب [3] ورق ۱۶۴ الف۔

یعنی مالک، درزی سے کہے میں نے تمھیں قبا سینے کو کہا تھا۔ اور درزی جواب دے، آپ نے مجھے قمیض سینے کا حکم دیا تھا۔ یا مالک صباغ (رنگریز) سے کہے میں نے تمھیں یہ کہا تھا کہ اس کپڑے کا سرخ رنگ کر دو، مگر تم نے زرد رنگ کر دیا، اور صباغ یہ موقف اختیار کرے کہ آپ نے زرد رنگ کا حکم دیا تھا، تو اس اختلاف کی صورت میں کپڑے کے مالک کی بات مانی جائے گی اور ساتھ ہی اس سے قسم بھی لی جائے گی کہ اس نے فی الواقع وہی کچھ کہا تھا، جس کا وہ دعویٰ کر رہا ہے۔ تہذیب میں مرقوم ہے کہ پھر (یعنی مالک کی طرف سے قسم کے بعد) درزی کپڑے کی قیمت ادا کرنے کا ذمہ دار ہوگا..... یہی حکم صباغ کے بارے میں ہے۔

اگر چرواہے سے ایک گائے بھاگ جائے

باب ضمان الاجیر میں مصنف نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ اگر چرواہا جنگل میں مویشی چرا رہا ہو اور مویشیوں کے ریوڑ سے ایک گائے بھاگ جائے تو اس کی قیمت اور ضمانت کی کیا صورت ہوگی۔ الفاظ یہ ہیں:

راعی بقرۃ نفرت عنه بقرۃ فلم یرد کها وخاف علی البقیة الضیاع۔ لا یضمنها۔[۱]

اگر چرواہا گائیوں کا ریوڑ چرا رہا ہے۔ ایک گائے بھاگ جاتی ہے اور وہ اس پر قابو پانے میں کامیاب نہیں ہوتا۔ اگر اس کے پیچھے دوڑتا ہے تو دوسری گائیوں کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ اس صورت میں وہ اس بھاگی ہوئی گائے کا ذمہ دار نہ ہوگا۔

اگر گائے بیمار ہو جائے

سراجیہ کے حوالے سے مصنف لکھتے ہیں۔

اگر گائے اتنی بیمار ہو جائے کہ اس کے جلدی ذبح نہ کرنے کی صورت میں مر جانے کا خطرہ ہو تو چرواہا اسے ذبح کرنے کا مجاز ہے۔ مالک اس سے کسی قسم کی رقم کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر وہ ذبح نہیں کرتا اور وہ مر جاتی ہے تو بھی مالک اس سے

---

[۱] ورق ۱۶۷ ب

Marfat.com

کچھ مانگنے اور ڈانٹ ڈپٹ کرنے کا حق نہیں رکھتا[1]

اگر مالک اور چرواہے کے درمیان اختلاف ہو جائے

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چرواہا ایک گائے یا بکری ذبح کر لیتا ہے۔ یا وہ اس کی تحویل میں مرجاتی ہے۔ اب چرواہا کہتا ہے میں نے اس کو اس لیے ذبح کیا ہے کہ یہ اتنی بیمار ہو گئی تھی کہ اگر اس کو ذبح نہ کیا جاتا تو اس کا مرجانا یقینی تھا۔ یا یہ مرگئی ہے اور کسی تکلیف سے مری ہے لیکن مالک اصرار کرتا ہے کہ یہ گائے یا بکری تندرست تھی، چرواہے نے اس کو بلا وجہ ذبح کر دیا ہے۔ یا یہ کہ یہ اپنی موت نہیں مری، اس نے ڈنڈے مار کر یا کسی اور ذریعے سے اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ مصنف لکھتے ہیں اس بات پر دونوں میں اختلاف پیدا ہو جانے کی صورت میں چرواہے کی بات کو صحیح قرار دیا جائے گا

فان اختلف الراعي وصاحب الغنم فالقول قول الراعي[2]

اگر دھوبی سے کپڑے ضائع ہو جائیں

اس بحث میں ایک سوال یہ بھی سطح ذہن پر ابھرتا ہے کہ اگر دھوبی سے کپڑے گم ہو جائیں یا جل جائیں یا اس طرح خراب ہو جائیں کہ قابل استعمال نہ رہیں تو دھوبی پر اس کی ذمہ داری عائد ہوگی یا نہیں اور دھوبی سے ان کپڑوں کی قیمت وصول کی جائے گی یا نہیں۔ اگر کی جائے گی تو کتنی؟ مصنف فتاویٰ، التجرید کے حوالے سے ابن سماعہ کی روایت سے امام محمدؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ دھوبی کو ان کپڑوں کا ذمہ دار قرار دیا جائے گا اور اس سے ان کی قیمت وصول کی جائے گی۔ کیونکہ یہ کپڑے اس کی وجہ سے اور اس کی تحویل میں گم یا ضائع ہوئے ہیں اور وہ اپنے کام کی اجرت وصول کرتا ہے۔ اس سے ان کی پوری قیمت وصول کی جائے گی۔ لیکن امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں ان کپڑوں کی اصل قیمت سے آدھی قیمت وصول کی جائے گی۔

عن ابي يوسف رحمة الله عليه- ان على القصار نصف القيمة باعتبار الاول[3]

---

[1] ورق ۱۶۷ ب

[2] ورق ۱۶۷ ب   [3] ورق ۱۷۰ الف

Marfat.com

مزارعت کے سلسلے میں

کتاب المزارعۃ میں مصنف فتاویٰ نے زراعت، مزارع اور صاحب زمین کے سلسلے کی بہت سی تفصیل بیان کی ہیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ اگر مالک زمین، مزارع کو ایک سال کے لیے زمین کاشت کے لیے دے اور مزارع ایک سال گزرنے کے بعد مالک کی اجازت کے بغیر دوسرے سال بھی اس میں کاشت شروع کر دے، جب کہ مالک اس کو دوسرے سال کے لیے زمین کاشت کے لیے دینے پر تیار نہ ہو۔

مزارع اور مالک زمین کے درمیان اس سلسلے میں اختلاف پیدا ہو جائے، تو مصنف کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ معاملہ عدالت میں جائے گا۔ عدالت یہ دیکھے گی کہ اس سلسلے میں اس گاؤں یا اس علاقہ کا عرف اور رواج کیا ہے۔ اگر وہاں کے لوگ آئندہ سال کے لیے بغیر مالک کی اجازت کے کاشت کاری شروع کر دیتے ہوں تو فیصلہ مزارع کے حق میں ہوگا اور اگر عرف و رواج مالک زمین سے اجازت کا ہو تو مالک کو حق بجانب ٹھہرایا جائے گا۔ لیکن آئندہ سال کی کاشت شروع کرنے میں مزارع کے جو اخراجات ہوئے ہیں، وہ بہر حال مالک کو ادا کرنا پڑیں گے۔ نیز مزارع کو زمین کی کاشت سے جبراً علیحدہ نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ معاملہ باہمی رضامندی سے طے پائے گا[1]۔

عادل حکومت کی تعریف

کتاب الجنایات میں "فصل فی تفسیر حکومۃ العدل" میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ عادل و منصف حکومت کی کیا تعریف ہے۔ مصنف کہتے ہیں: عادل حکومت وہ ہے جس کے نزدیک بحیثیت رعایا کے حاکم و محکوم اور غلام و آزاد میں کوئی فرق نہ ہو۔ اور کوئی شخص نان و نفقہ کے باعزت حصول اور بہتر اجرت کی تلاش میں کسی کا دست نگر اور محتاج نہ ہو۔ عادل حکومت کی ایک تعریف یہ ہے کہ کوئی کسی کو ناروا تنگ نہ کرے۔ نہ کسی پر ظلم کرے اور نہ ملک کا حکمران طبقہ سزا دینے میں ظالم کی رعایت کرے۔ نیز اس میں نہ تو ایک ہی چیز کی دو قیمتیں ہوں اور نہ اشیائے صرف کی قیمتوں کی سطح غیر متوازن ہو۔

---

[1] ورق ۲۳۰ الف۔

اس حکومت کے قاضی اور ارباب حل وعقد، ملک کے اہل بصیرت اور باشعور طبقہ کو ملکی معاملات سے متعلق مشوروں میں باقاعدہ شریک رکھیں اور یہ خیال رکھیں کہ کوئی کسی کو کسی وجہ سے ذلیل ورسوا نہ کرسکے۔ یہ بھی عادل حکومت کے فرائض میں داخل ہے کہ اگر کوئی طبقہ چیزوں کی قیمتوں میں اپنے فائدے کی خاطر کمی بیشی کرے تو اس کو اس قدر سزا دے کہ وہ دوبارہ اس قسم کے اقدام کی جرأت نہ کرسکے۔[۱]

وہ بوسیدہ دیوار جو گزرگاہِ عامہ کی طرف جھکی ہو

فتاویٰ ابراہیم شاہی کے طویل مضامین میں سے ایک "کتاب الجنایات" ہے۔ کتاب کا یہ حصہ متعدد ذیلی اور ضمنی ابواب میں پھیلا ہوا ہے۔ اس میں ایک باب کا عنوان ہے: "باب الحائط المائل"۔ اس میں اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ اگر کسی مکان کی دیوار شکستہ اور بوسیدہ ہو اور گزرگاہِ عام کی طرف جھکی ہو، وہ گر جائے تو نقصان کی ذمہ داری کس پر عائد ہوگی۔ فتاویٰ کے مصنف ہدایہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

اذا مال الحائط الی طریق المسلمین، فطولب لصاحبه بنقضه و اشهد علیه فلم ینقضه فی مدة یقدر علی نقضه حتی سقط، یجب علیه ضمان ما تلف به من نفس او مال۔ وفیهما ایضاً ویستوی ان یطالبه بنقض ذالك مسلم او ذمی لان الناس کلهم شرکاء فی المرور۔ فیصح التقدم الیه من کل واحد منهم رجلا کان او امرأة، حرا کان او مکاتبا ویصح التقدم الیها عند السلطان وغیره۔[۲]

اگر کسی کی دیوار مسلمانوں کی عام گزرگاہ کی طرف جھکی ہو اور اس کے مالک سے گواہوں کی موجودگی میں اس کے گرادینے کا مطالبہ بھی کیا جاچکا ہو لیکن اس کی خطرناک بوسیدگی و شکستگی کے باوجود اس نے اسے گرایا نہ ہو، یہاں تک کہ وہ خود گر پڑی ہو تو اس کی وجہ سے جو مالی و جانی نقصان ہوا ہے، دیوار کا مالک اس کا ذمہ دار ہوگا۔ یاد رہے اس کی دیوار کو گرانے کے مطالبہ میں مسلمان اور ذمی برابر کا حق رکھتے ہیں کیونکہ وہاں آمد و

---

[۱] ورق ۲۰۸ ب، ۲۰۹ الف

[۲] ورق ۲۲۵ ب

ہیں سب برابر کے شریک ہیں۔ اس سلسلے میں کوئی مرد یا عورت، آزاد یا مکاتب وغلام، جو شخص بھی کوئی قدم اٹھانے میں آگے بڑھے گا حق بجانب ہوگا۔ اور اس قسم کے معاملے کو سلطان اور حکمران کے پاس لے جانا بھی صحیح متصور ہوگا۔

قاضی کے فرائض وآداب اور عزل ونصب کے بارے میں

کتاب الامارۃ والسلطنۃ والقضاء میں مصنف نے قاضی کے فرائض و آداب اور عزل ونصب کے بارے میں بڑی دلچسپ اور تفصیلی بحث کی ہے۔ جس کی چند مثالیں سطور ذیل میں پیش کی جاتی ہیں۔

باغی گروہ کا مقرر کردہ قاضی

فتاویٰ خانیہ کے حوالے سے مرقوم ہے:

الخوارج واهل البغی اذا قلدوا رجلا من اهل البغی قضاء بلدة وغلبوا علیها لاتنفذ قضاءه. لان شهادتهم علی اهل العدل غیر مقبولة لانهم یستحلون دمائنا واموالنا. وان قلدوا رجلا من اهل العدل یصح تقلیدهم وینفذ قضاءه۔[1]

خوارج اور باغی گروہ کسی شہر پر غلبہ حاصل کرنے کے بعد وہاں کے عہدۂ قضا پر کسی باغی کو متعین کردیں تو اس کے فیصلے نافذ نہ گردانے جائیں گے۔ کیونکہ اہل عدل لوگوں پر انکی شہادت قابل قبول نہیں ہے۔ اس لیے کہ انھوں نے ہمارا خون بہانا اور ہمارے اموال لوٹنا اپنے لیے حلال قرار دے رکھا ہے۔ (لہٰذا ظاہر ہے تمام باغی لوگ ہمارے متعلق جو فیصلہ کریں گے، ظاہر ہے وہ صحیح نہیں ہوگا اور اگر صحیح نہیں ہوگا تو شرعاً قابل نفاذ اور لائق قبول بھی نہ ہوگا) ہاں۔ البتہ اگر وہ اہل عدل[2] اور اصحاب انصاف میں سے کسی کو قاضی مقرر کریں گے تو اس کا تقرر بھی صحیح ہوگا اور اس کے فیصلے بھی نافذ تصور کیے جائیں گے۔

---

[1] ورق ۲۴۲ ب، ۲۴۳ الف

[2] یاد رہے یہاں اہل العدل سے مراد معتزلہ نہیں، بلکہ صحیح العقیدہ اور انصاف پرور لوگ مراد ہیں۔

Marfat.com

کیا باغی گروہ کے غلبہ کی وجہ سے اصل قاضی معزول ہو جاتا ہے؟

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر کوئی باغی گروہ کسی وجہ سے پورے ملک یا ملک کے کسی حصے پر غلبہ اور تسلط حاصل کرلے تو کیا اس سے پہلا قاضی، جو در حقیقت انصاف پرور اور ملک کے اصل حکمران طبقہ کی طرف سے مقرر ہے معزول ہو جاتا ہے؟ اور باغیوں کی طرف سے قاضی کا تقرر صحیح ہے؟ فصول کے حوالے سے مصنف فرماتے ہیں:

التقليد من اهل البغي يصح وبمجرد استيلاء الباغي لاينعزل قضاة العدل ويصح عزل الباغي لهم حتى لو انهزم الباغي بعد ذلك لا ينفذ قضايا هم بعد ذلك مالم يقلد هم السلطان العادل ثانيا، لان الباغي صار سلطانا بالقهر والغلبة۔[1]

باغیوں کی طرف سے قاضی کا تقرر صحیح ہے لیکن محض باغی کے استیلاء و تسلط کی وجہ سے نمائندہ حکمران کے قاضی معزول نہیں ہو سکتے۔ ہاں اگر باغی حکمران انھیں معزول کردے تو اس کا یہ اقدام صحیح سمجھا جائے گا۔ پھر اگر باغی گروہ ہزیمت کھا کر بھاگ جائے تو ان کے فیصلے اس وقت تک نافذ العمل نہ ہوں گے جب تک سلطان عادل انھیں دوسری دفعہ یہ منصب عطا نہ کرے۔ اس لیے کہ باغی قہر اور جبر و تغلب کی بنا پر سلطان و حکمران بن بیٹھا تھا۔

اس کی مزید وضاحت ذیل کی سطور میں کی گئی ہے:

اهل البغي اذا غلبوا على بلاد اهل العدل، فان القضاة على حالهم مالم يعزلهم الباغي، واذا عزلهم الباغي خرجوا عن القضاة، حتى لو انهزم الباغي بعد ذلك لا ينفذ قضايا هم، مالم يقلدهم السلطان العادل ثانيا، لان الباغي صار سلطانا بحكم القهر والغلبة۔[2]

جب باغی گروہ عدل پرور لوگوں کے شہروں پر غلبہ حاصل کرلے تو قاضی اس وقت تک بحال رہیں گے، جب تک کہ انھیں باغی معزول نہیں کر دیتے۔ جب باغی انھیں

---

۱ ورق ۳۳۲ الف ۲ ایضاً

معزول کر دیں گے تو وہ قانوناً منصب قضا سے الگ ہو جائیں گے۔ بعدازاں اگر باغی بھاگ جائیں تو قاضی اس وقت تک کوئی فیصلہ صادر نہیں کر سکتے جب تک کہ سلطان عادل انھیں دوبارہ اپنے عہدوں پر بحال نہ کر دے۔

قاضی کے چند اوصاف

"باب فی تقلید القضاء والتورع عنہ من یلی القضاء[1]" میں مصنف نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ قاضی کا کن اوصاف سے متصف ہونا ضروری ہے۔ مصنف فرماتے ہیں، قاضی وہ شخص ہو سکتا ہے جو عقل مند ہو، دیندار ہو، صاحب عفت ہو، باصلاحیت ہو، عالم ہو، معرفت سنت و آثار رکھتا ہو، فہم و فراست کا حامل ہو، سابق قضاۃ کے فیصلوں سے باخبر ہو، مجتہد ہو اور فقیہ ہو[2]۔

وہ باتیں جو قاضی میں نہیں ہونی چاہئیں

قاضی کو اپنے ذہن و فکر کی خاص طور سے تربیت کرنی چاہیے۔ اس میں مندرجہ ذیل عیوب نہیں ہونے چاہییں

وہ سخت مزاج نہ ہو، متشدد نہ ہو، غیظ و غضب سے مبرا ہو۔ دل میں کینہ و بغض نہ رکھتا ہو، گالی گلوچ نہ کرتا ہو، فاسق و فاجر نہ ہو، راشی نہ ہو اور برائیوں کا ارتکاب نہ کرتا ہو۔

کتاب کی یہ بحث بڑے اہم معلومات پر مشتمل ہے اور اس میں تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ قاضی کو کس انداز کی زندگی بسر کرنی چاہیے۔ اپنے فرائض کس اسلوب سے انجام دینے چاہئیں اور کرسیٔ عدالت پر کس طرح متمکن ہونا چاہیے۔

فتاویٰ ابراہیم شاہی کے یہ چند مباحث ہیں جو بطور مثال کے درج کیے گئے ہیں۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ پوری کتاب فقہی معلومات کا خزانہ ہے۔ اس کی مکمل فہرست مضامین آغاز مضمون میں نقل کر دی گئی ہے تاکہ کوئی صاحب کسی خاص موضوع سے متعلق دلچسپی رکھتے ہوں تو وہ اصل کتاب کی طرف رجوع کر سکیں اور براہ راست اس کے مندرجات سے مستفید ہو سکیں۔

---

[1] ورق ۳۴۳ الف [2] ایضاً

یہ فتاوی بجا طور پر ان علمی ذخائر میں سے ہے جو برصغیر پاک وہند کے علمائے دین کی ناقابل فراموش یادگار ہیں اور جن میں انھوں نے اپنے فقہی معلومات کا عطر نچوڑ کر آنے والی نسلوں اور اصحاب علم کے لیے خاص ترتیب اور عمدہ سلیقے سے صفحات قرطاس پر منقش کر دیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے، اس دور کے فقہائے عظام کے علاوہ، اصحاب حکومت اور اس ملک کے ارباب بست و کشاد، فقہی مسائل سے کس درجہ گہری دلچسپی رکھتے تھے، پیش آئند مشکل امور کی عقدہ کشائی میں کتنے کوشاں رہتے تھے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کی سعی میں علمائے دین کی کتنی شدید ضرورت محسوس کرتے تھے۔ وہ قدم قدم پر علما کے محتاج تھے اور انہی کی رہنمائی میں معاملات و مسائل کی زلف گرہ گیر کو سلجھاتے تھے۔ اس لحاظ سے کہنا چاہیے، یہ فتاوی ہماری گزری ہوئی تہذیب کی ایک بہترین یادگار ہے اور ہمارے دورِ ماضی کا ایک مثالی نقش۔!

Marfat.com

(۸)

فتاویٰ امینیہ

دسویں صدی ہجری کا ایک فقہی مخطوطہ

مخطوطے کی کیفیت

فتاویٰ امینیہ کا یہ مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے مجموعہ شیرانی میں ہے اور اس کا نمبر ۹۶۸ ہے۔ نام مصنف: محمد امین بن عبداللہ۔ نام کاتب حمید عرف ابراہیم: سطور فی صفحہ: ۱۹۔ کل اوراق مع فہرست مضامین ۲۰۵۔ سائز ۱۰۱/۲+۶،۵-۲۰،۳۰،۲۸+۱۶ سم۔ خط نستعلیق شکستہ آمیز۔ عنوانات و مباحث سرخ روشنائی سے لکھے گئے ہیں ورق ۲، ۷، ۸، ۹ ہا اور آخری دو ورق بیاض۔

مخطوطہ فارسی زبان میں ہے لیکن جہاں جہاں مصنف نے اپنی تائید میں عربی کتابوں کے حوالے دیے ہیں، وہاں ان کتابوں کی اصل عربی عبارت بھی درج کر دی گئی ہے۔

فتاویٰ کے تعارف کے سلسلے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس میں حصۂ عبادات کی نسبت حصۂ معاملات زیادہ وضاحت اور تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

مخطوطے کے نسخے

جہاں تک ہمیں معلوم ہو سکا ہے اس مخطوطہ کے نسخے پوری دنیا میں صرف تین مقامات پر پائے جاتے ہیں اور اتفاق سے یہ تینوں مقامات برصغیر پاک و ہند میں واقع ہیں۔ ایک ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، دوسرے کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن اور تیسرے پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور۔ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں اس کے دو نسخے ہیں۔ ان میں سے ایک کا نمبر ۴۰۱ ہے اور دوسرے کا ۱۰۷۔ نسخہ نمبر ۴۰۱ بخط طبعی مائل بہ نستعلیق بر کاغذ حنائی

مکتوبہ ۱۰۳۴ھ ہے اور کاتب کا نام ساقی محمد میرزا قول حسین سمرقندی ہے جملہ صفحات ۲۹۵ اور سطور فی صفحہ ۱۲ ہیں۔

نسخہ ۷۔ بخط نسخ معمولی۔ مکتوبہ ۱۰۷۲ھ ہے۔ کاتب کا نام مرقوم نہیں۔ کل اوراق ۱۷۰ اور سطور فی صفحہ ۲۴ ہیں لے

اس کا ایک نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال میں ہے جس کا نمبر ۱۰۳۶ ہے اور اس کی فہرست کتب میں اس کا تعارف ان الفاظ میں کرایا گیا ہے۔

"فقہ کے مختلف عنوانات پر یہ ایک مختصر مگر جامع فتاویٰ ہے، جو دسویں ہجری میں غالباً ۹۸۴ھ، ۱۵۷۶ء کے فوراً بعد معرض تصنیف میں لایا گیا۔ اس سال کا حوالہ قلمی نسخہ کے ورق ۱۶۸ پر دیا گیا ہے۔ مصنف فتاویٰ اپنا نام امین بن عبید اللہ مومن آبادی البخاری بتاتے ہیں۔ اپنی کتاب میں انھوں نے مشہور فقہی مجموعوں کے حوالے دیے ہیں۔ بالخصوص مختار الاختیار سے بکثرت حوالے دیے گئے ہیں۔ موجودہ نسخہ دسویں ہجری کے آخر میں بخارا میں میر عرب کے مشہور مدرسہ میں نقل کیا گیا۔ کاتب کا نام درویش محمد بن احمد بخاری ہے۔ نسخہ کی ابتدا یا دائما للفضل علینا بتوفیق محامد لائق کے الفاظ سے ہوتی ہے لے۔"

اس کتاب کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ہے، جو اس وقت ہمارے پیش نگاہ ہے۔

یونی ورسٹی لائبریری کا مخطوطہ اور اس کی کتابت

پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا جو مخطوطہ اس وقت ہمارے سامنے ہے، اس کی کتابت حمید عرف ابراہیم بن سید بھیکہ بن سید ابوالخیر نے کی ہے وہ ہفتہ کی شب ۲ رصفر ۱۰۸۹ھ کو اس کی کتابت سے فارغ ہوا۔ مقام کتابت دار الخلافہ شاہ جہاں آباد (دہلی) ہے۔ اس زمانے میں عالمگیر تخت ہند پر متمکن تھا اور اس کا سال جلوس ۱۲ تھا۔ اس ضمن میں مخطوطے کے آخر میں

لے فہرست مشروح بعض کتب نفیسہ قلمیہ (حصہ دوم) مخزونہ کتب خانہ آصفیہ۔ حیدر آباد دکن مطبوعہ ۱۳۵۷ھ۔ ص ۱۴۱۔

لے کیٹلاگ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال۔ جلد دوم (حصہ فارسی) از ایوانوف (نسخہ ۱۰۳۶)

Marfat.com

کاتب کی طرف سے یہ عبارت درج ہے:

الحمد للہ الذی وفقنی بکتابت ھذہ النسخۃ المسماۃ بالفتاوی الامینیۃ، وصلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ اجمعین، قد وقع الفراغ من کتابت ھذہ النسخۃ بعون الملک الوھاب وقت العشاء من لیلۃ السبت فی تاریخ الثانی من شہر صفر ختم اللہ تعالیٰ بالخیر والظفر من سنۃ الف وتسع وثمانین من الہجرۃ النبویۃ بید العبد المفتقر الی اللہ الہادی حمید عرف ابراھیم بن سید بھیکہ بن سید ابو الخیر بن سید سعد اللہ بن سید پیارہ الحسینی الجائسی، اللھم اغفر لہ ولوالدیہ ولاجدادہ ولجمیع المسلمین وما لکھا وکاتبھا المذکور یرجو من ینفع بھذہ النسخۃ ان یدعو بدعاء الخیر، وکتبہ فی دار الخلافۃ المتبرکۃ شاہ جہان آباد فی سلطنۃ شاہ عالمگیر، خلد اللہ تعالیٰ سلطنتہ وادامہ اللہ تعالیٰ علی العدل والانصاف، ۲۱ جلوس والا۔

ترجمہ: سب تعریف اس اللہ کے لیے ہے، جس نے مجھے اس کتاب "الفتاویٰ الامینیہ" کی کتابت کی توفیق عطا فرمائی، اور درود سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تمام آل پر۔ میں اللہ کی امداد و اعانت سے اس کتاب کی کتابت سے عشاء کے وقت ہفتہ کی شب ۲ صفر ۱۰۸۹ھ کو فارغ ہوا اور اللہ تعالیٰ نے خیر و نصرت سے اختتام کو پہنچایا۔ یہ کتاب، بندہ مفتقر الی اللہ، حمید عرف ابراہیم بن سید بھیکہ بن سید ابو الخیر بن سید سعد اللہ بن سید پیارہ حسینی جائسی کے ہاتھ سے ضبطِ کتابت میں آئی۔ اے اللہ، اس کے کاتب، اس کے والدین، اس کے آباؤ اجداد، تمام مسلمانوں اور اس کے مالک کی مغفرت فرما۔ جو شخص بھی اس کتاب سے (علمی) فائدہ اٹھائے، اس کا کاتب اس سے دعائے خیر کی توقع رکھتا ہے۔ اس نے دار الخلافہ شاہجہاں آباد میں اورنگ زیب عالمگیر (اللہ اس کی سلطنت کو خلود بخشے اور اسے ہمیشہ عدل و انصاف پر قائم رکھے) کے عہدِ حکومت میں ۲۱ جلوس والا میں کتابت کیا۔

ابتدائیہ

اس کتاب کے ابتدا میں مصنف نے بطور تمہید کے یہ سطور تحریر فرمائی ہیں:

يا دائما الفضل علينا بتوفيق محامدك، ويا باسطا الايدينا لتمييق وسائلك اهدنا هداية كافية على وجه الكفاية، واختم على خيرا مورنا من البداية الى النهاية، وصل على خلاصة الاصفياء وسيد الاتقياء محمد سيد الرسل والانبياء وعلى آله واصحابه الاذكياء والاولياء سيما الخلفاء الراشدين الذين نوروا العالم بضياء الملة البيضاء، وبعد فيقول العبد الفقير الى الله الهادى، محمد امين بن عبيد الله المومن آبادى، لما صرفت معظم عمرى وعنفوان شبابى فى ملازمة الفقهاء الماهرين فى البلدة الفاخرة بخارا بتصدير الوقائع وتحقيق الحوادث سألنى كثير من الفضلاء والجم الغفير من الاذكياء لحسن ظنهم فى صرف العمر الى تصدد الوقائع التى رقمت بتوقيع ذلك العلماء من بيد بدوا بانها على وجه لاريب فيها لاحد من الادباء وكنت اعرضت مرامهم لفساد الزمان والشامة لنهجرة وشرا لاعداء والاوطان، حتى كثر سؤالهم واستجى مدافعهم شرعت فى ذلك المرام ليكون تبصرة للمحصلين من الخلان وتذكرة للعارفين من الاقران واسأل الله التوفيق على الاتمام وبيده ازمة التحقيق والاتمام وسميته بالاميمية لما فيه من الودائع اليقينية، يا ناظرا سل بالله رحمة على المصنف، واستغفر لراقمه۔

ترجمہ: اے اپنی بے پناہ تعریفوں کی وجہ سے ہم پر ہمیشہ اپنے فضل و کرم کی بارش کرنے والے اور اپنے وسائل کی وسعت پذیریوں کی بدولت ہمارے ہاتھوں کو بسط و فراخی عطا کرنے والے ہمارا دامن اس ہدایت سے بھر دے، جو ہمارے لیے کافی ہو اور شروع سے آخر تک ہمارے تمام معاملات خیر و عافیت سے اختتام کی منزل تک پہنچا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کی آل پاک باز، صحابہ، بالخصوص خلفائے راشدین پر، جنھوں نے ملت بیضا کی روشنی سے دنیا کو منور کر دیا، صلات و رحمت کی بارش برسا۔ اس کے بعد بندۂ فقیر الی اللہ محمد امین بن عبید اللہ مومن آبادی کہتا ہے کہ جب میں نے اپنی عمر اور عہد شباب کا بڑا حصہ بخارا میں فقہائے ماہرین کی مجالس و خدمت میں فتووں پر مہریں ثبت کرتے اور واقعات علمی کی تحقیق و تفتیش میں گزارا تو مجھے مسائل فقہیہ سے خاص تعلق و انس پیدا ہو گیا تھا۔ اس لیے فضلائے زمانہ کی بہت بڑی تعداد اور اذکیائے عصر کے جم غفیر نے علمی حسن ظن کی بنا پر مجھ سے کہا کہ میں مسائل فقہی اور علمائے دین اور یگانہ روزگار اصحاب عقل و تدبیر کے مہر شدہ فتاویٰ کی جمع و تدوین کے لیے کوشاں ہو جاؤں۔ فساد زمانہ اور شر اعدا کے باعث ہر چند میں اُن کی اس تمنا کی تکمیل سے اعراض کناں رہا، لیکن ان کا اصرار اس قدر بڑھتا گیا کہ میں مزید انکار سے ہچکچاہٹ محسوس کرنے لگا۔ بالآخر میں نے یہ کام شروع کر ہی دیا تاکہ یہ حصول علم کے خواہاں دوستوں کے لیے وجہ بصیرت اور ہمعصر ارباب علم کے لیے موجب تذکرہ ثابت ہو۔ میں اللہ سے اس کے اختتام کی توفیق کا طالب ہوں اسی کے ہاتھ میں تحقیق اور انعام کی زمام ہے۔ میں نے اس کتاب کو "امینیہ" کے نام سے موسوم کیا ہے۔ ناظرین کرام! اس کے مصنف کے لیے اللہ کی رحمت اور اس کے راقم کے لیے اس کی مغفرت طلب کیجیے۔

فہرست مضامین

مخطوطہ کے آخر میں فہرست مضامین ہے، جو "فہرست فتاویٰ امینیہ" کے عنوان سے مندرجہ ذیل ترتیب سے درج ہے:-

کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم[1]، کتاب النکاح، کتاب الرضاع، کتاب الطلاق، کتاب العتاق، کتاب الایمان، کتاب البیع، کتاب الشفعۃ، کتاب القسمۃ

---

[1] کتاب کے متن میں کتاب الصوم کے آگے کتاب الحج ہے، جو صرف آدھے صفحے پر مشتمل ہے۔ کتاب الحج، فہرست مضامین میں درج نہیں۔

Marfat.com

کتاب الھبۃ، کتاب الاجارۃ، کتاب العاریۃ، کتاب الودیعۃ، کتاب الغصب، کتاب الرھن، کتاب الکفالۃ، کتاب الحوالۃ، کتاب الوکالۃ، کتاب الشرکۃ، کتاب المزارعۃ والمساقاۃ، کتاب احیاء الموات، کتاب الوقف، کتاب الکراھیۃ، کتاب الاشربۃ، کتاب الذبائح، کتاب الاضحیۃ، کتاب الصید، کتاب اللقطۃ واللقیط، کتاب المفقود، کتاب القضایا، کتاب الشھادۃ، کتاب الاقرار، کتاب الدعوی، کتاب الصلح، کتاب الحدود، کتاب الجھاد، کتاب الجنایات، کتاب الدیات، کتاب الحیطان، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر والاذن، کتاب الوصایا۔

مصنفِ فتاویٰ

اس فتاویٰ کے مصنف کے بارے میں سوائے اس کے کچھ معلوم نہیں ہو سکا کہ ان کا نام محمد امین ہے اور یہ بخارا میں سکونت پذیر رہے ہیں۔ مصنف نے مقدمۂ کتاب میں خود ہی اپنے بارے میں یہ وضاحت کی ہے کہ انھوں نے یعنی محمد امین بن عبید اللہ مومن آبادی نے اپنی عمر اور دورِ شباب کا بہت بڑا حصہ بخارا میں اجلۂ فقہا کی صحبت و مجالس میں گزارا اور مسائلِ فقہیہ اور علوم متداولہ سے خاص تعلقِ خاطر پیدا ہو گیا تو فضلائے زمانہ کی بہت بڑی تعداد اور اذکیائے عصر کے جم غفیر نے ایک خاص نوع کے علمی حسنِ ظن کی بنا پر ان سے کہا کہ وہ مسائلِ فقہی اور علما کے جہ شدہ فتاویٰ کی جمع و تدوین کے لیے کمرِ ہمت باندھیں چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا۔

اب سوال یہ ہے کہ مصنف درحقیقت کس خطۂ ارض کے رہنے والے ہیں اور یہ کتاب انھوں نے کہاں تصنیف کی؟ مقدمۂ کتاب، ترتیبِ کتاب، مصنف کے نام اور مختلف نسخوں کے کاتبوں کے نام سے معلوم ہوتا ہے کہ مصنف برصغیر پاک و ہند کے کسی علاقے کے باشندے ہیں اور انھوں نے یہ کتاب طویل عرصہ فقہائے بخارا کی علمی مجالس سے مستفید ہونے کے بعد تصنیف کی۔ پھر عجیب بات یہ ہے کہ اس کتاب

مختلف نسخے صرف برصغیر کے کتب خانوں سے دستیاب ہوتے ہیں اور کسی ملک کی فہرست کتب سے کم از کم ہم ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے سے قاصر رہے ہیں۔

جس زمانے (۹۴۸ھ - ۱۵۴۱ء) میں یہ کتاب تصنیف کی گئی وہ ہندوستان میں مغل حکمران ہمایوں کی حکومت کا زمانہ ہے۔ ہمایوں علماء و فقہا کا بڑا قدردان تھا۔ ممکن ہے فتاوے امینیہ کے مصنف اسی زمانے میں یا اس سے قبل بابر کے عہد میں حصول علم کی غرض سے بخارا گئے ہوں اور وہاں سے واپس ہندوستان آکر انھوں نے یہ کتاب تحریر کی ہو۔

مآخذ

فتاویٰ امینیہ حنفی مسائل فقہ کو محیط ہے اور اس کے ماخذ وہی کتابیں ہیں جو حنفی فقہ پر مشتمل ہیں۔ مثلاً فتاویٰ قاضی خاں، الواقعات الحسامیہ، فتاویٰ شیبانی، علامہ سرخسی کی المبسوط، فتاویٰ ابواللیث، المحیط، المنیہ، شرح وقایہ اور مختار الاختیار وغیرہ کتب فقہ۔

بیاض

پیش نگاہ مخطوطہ تین مقامات سے ناقص ہے اور وہاں بیاض چھوڑے گئے ہیں۔ دیگر کتب فقہ کی طرح یہ فتاویٰ بھی کتاب الطہارت سے شروع ہوتا ہے، لیکن کتاب الطہارۃ کا پہلا ورق (یعنی ورق ۲) اس میں موجود نہیں۔ یہاں ایک خالی ورق لگایا گیا ہے۔

دوسرا نقص کتاب الصلوٰۃ میں ہے۔ کتاب الصلوٰۃ (جیسا کہ عنوان کے شروع میں وضاحت کی گئی ہے) دس فصول پر مشتمل ہے۔ لیکن درج ذیل پہلی چار فصلیں اس میں موجود نہیں۔

الفصل الاول فی الاوقات والاذان۔

الفصل الثانی فی شرائط الصلوٰۃ وارکانہا۔

الفصل الثالث فی الامام والمسجد والمسبوق۔

الفصل الرابع فی المفسدات والمکروہات۔

ان چار فصول میں سے صرف دو سطریں الفصل الاول کی اور ایک آخری صفحہ الفصل الرابع کا البتہ کتاب میں موجود ہے۔ باقی تین ورق (۷، ۸، ۹) خالی ہیں۔

مخطوطہ کے آخر میں کتاب الوصایا ہے۔ اس کے بھی دو آخری ورق ناقص ہیں۔

Marfat.com

اب ذیل میں اس کے بعض مضامین کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے تاکہ معزز قارئین کو اس کے محتویات و مشمولات کا اندازہ ہو سکے۔

کتاب الزکوٰۃ

کتاب الزکوٰۃ ورق ۱۶ سے شروع ہو کر ورق ۱۸ اب پر ختم ہوتی ہے اور تین فصول پر مشتمل ہے کتاب الزکوٰۃ مشتمل علی ثلثۃ فصول پہلی فصل میں یہ بتایا گیا ہے کہ زکوٰۃ کس قسم کے مال سے واجب ہوتی ہے (الفصل الاول فی انہ علی ای مال یجب الزکوٰۃ) دوسری میں مصارف زکوٰۃ کی وضاحت کی گئی ہے۔ (الفصل الثانی فی المصرف) تیسری میں عشر، خراج اور صدقۃ الفطر کے مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ (الفصل الثالث فی العشر والخراج وصدقۃ الفطر)

کیا مال حرام سے زکوٰۃ ادا کی جا سکتی ہے؟

فصل اوّل کے شروع میں یہ سوال پیدا کیا گیا ہے کہ از روئے شرع مال حرام سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی یا نہیں؟۔ مصنف جواب دیتے ہیں۔ نہیں! اس ضمن میں مصنف کے اصل الفاظ ملاحظہ ہوں:-

(وما قولھم رضی اللہ عنھم، در آنکہ اگر شخصے را اموال حرام جمع شدہ باشد، خواہ مالک آن معلوم باشد وخواہ نباشد۔ بشریعت بروے زکوٰۃ باشد بلا سبب شرعی یا نے؟ نے! واللہ اعلم۔ استفتاء کے ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی شخص کے پاس مال حرام جمع ہو اور اس کے اصل مالک کا پتہ معلوم ہو یا نہ ہو۔ شرعی اعتبار سے اس پر زکوٰۃ واجب ہو گی یا نہیں؟ مصنف فرماتے ہیں۔ نہیں واجب ہو گی۔!

مصنف نے اس جواب کی وضاحت ایک دوسری کتاب کی عربی عبارت درج کر کے اس طرح کی ہے۔

من اسباب وجوب الزکوٰۃ الذی ھو فی المال ان یکون المال حلالاً لہ لانہ اذا کان حراماً، فلا یخرج من وجھین، اما ان یکون لہ خصم حاضر فیردہ علیہ واما ان لایکون لہ خصم حاضر، فیعطیہ الی الفقراء کلہ، و

یحل منہ قلیل ولا کثیر، فالزکوٰۃ انما یکون فی المال الحلال[1]

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ وجوب زکوٰۃ کے اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ زکوٰۃ اُس مال سے واجب ہوتی ہے جو صاحب مال کے لیے حلال ہو۔ جب وہ اس کے لیے حرام ہو گا تو اس مال سے دو وجوہ سے زکوٰۃ ادا نہیں کی جائے گی۔ اوّل یہ کہ اس مال کا اصل مالک موجود ہے اگر موجود ہے تو اس کے سوا دوسرا کوئی شخص اس کا حق دار نہیں۔ لہٰذا وہ مال سے لوٹا دیا جائے۔ دوم یہ کہ اصل مالک موجود نہیں۔ اس صورت میں جس شخص کے قبضے میں یہ مال ہے، وہ اس سارے مال کو فقرا میں تقسیم کر دے۔ اس میں سے کم یا زیادہ مقدار میں اس کے لیے حلال نہیں۔ اور زکوٰۃ حلال مال سے ہی ادا کی جا سکتی ہے۔

مصارف زکوٰۃ میں سے ایک مصرف

کتاب الزکوٰۃ کی دوسری فصل میں جو مصارفِ زکوٰۃ (الفصل الثانی فی المصرف) کو محیط ہے اس سلسلے کے متعدد مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ اس میں ایک مسئلہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر کسی اہل علم کے پاس دو سو درہم کی کتابیں ہوں (دو سو درہم کی رقم نصابِ زکوٰۃ کو پہنچ جاتی ہے) اور وہ کتابیں تجارت و فروخت کے لیے نہ ہوں بلکہ درس و تدریس اور مطالعہ کے لیے ہوں اور اس شخص کی مالی حالت اچھی نہ ہو تو اس کے لیے زکوٰۃ و صدقہ قبول کرنا جائز ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ کتابیں حدیث کی ہوں یا فقہ کی یا ادب کی۔ چونکہ وہ مطالعہ و درس کے لیے ہیں۔ لہٰذا ان کی حیثیت اس لباس کی سی ہو گی جو کسی نے پہن رکھا ہو لیکن اگر کتابیں ضرورت سے زائد ہوں تو صدقہ قبول کرنا جائز نہ ہو گا۔ اس ضمن میں فتاویٰ کے الفاظ یہ ہیں:

دما تو لھم رضی اللہ عنھم، در آنکہ طالب علم کتب دارد کہ قیمتِ آں بنصاب میرسد و بایں کتب احتیاج دارد بجہت قرأت و درس، بشریعت ادراگر فتن زکوٰۃ جائز باشد باشد واللہ اعلم۔!

رجل لہ کتب العلم مایساوی مائتی درھم، بل یحل لہ ان یاخذ الزکوٰۃ، ان کانت الکتب مما یحتاج الیھا للحفظ والدرس والتصحیح

[1] ورق ۱۶

لایکون نصابا وحل لہ اخذ الصدقۃ نفقھا کان اوحدیثا اوادبہ لانہ مشغول بحاجتہ فصار کثیاب البذلۃ وان کان زائدا علی قدر الحاجۃ لا یحل لہ اخذ الصدقۃ۔[1]

(ان فارسی اور عربی عبارتوں کا مفہوم وہی ہے، جو اوپر گزر چکا)

زکوٰۃ کا ایک اور مصرف

بعض اوقات بعض افراد کی ظاہری حالت لوگوں کو دھوکے میں ڈال دیتی ہے اور ان پر استغنا کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان کے باطن میں جھانک کر دیکھا جائے تو وہ مستحق زکوٰۃ وصدقہ ہوتے ہیں۔ لیکن ان کا انداز زیست اس قسم کا ہوتا ہے کہ کسی کو ان کی تنگ دستی اور احتیاج کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ بظاہر ان کے پاس مکان، خدام، سامان زیست، پہننے کے لیے لباس گوناں گوں اور اسباب وامتعہ سب چیزوں کی فراوانی ہوتی ہے، مگر درحقیقت وہ نادار ہوتے ہیں۔ ان کی طرف امداد کا ہاتھ بڑھانا اور انھیں زکوٰۃ دینا چاہیے جب تک کہ وہ مالی لحاظ سے خود زکوٰۃ ادا کرنے کے قابل نہ ہو جائیں۔ اس بارے میں الفصل الثانی فی المصرف میں مصنف فتاویٰ لکھتے ہیں:

ما قولھم رضی اللہ عنھم، در آنچہ باوجود آنکہ شخصے را مسکن وخادمان وچیزہا در کہ خدائی بآں احتیاج دارد از امتعہ وطبق وگلیم وجامہا پوشیدنی وسلاح وغیر آں وغیر ایں اشیاء دارد کہ مالک نصاب شود، نباشد او را بشریعت بایں شخص زکوٰۃ دادن بہ او جائز باشد یا نے؟ بینوا، توجروا، باشد واللہ اعلم۔!

ولا باس بصرف الزکوۃ الی من لہ مسکن وخادمون، ومایحتاج الیہ فی الکد خدائیۃ، من الاثاث والامتعۃ، وثیاب البذل والسلاح ونحو ذلک مالم یبلغ ذلک نصابا، او ما یساوی نصابا سواء کان للتجارۃ، اولم یکن مختص لہ۔[2]

---

[1] ورق ۱۶، [2] ورق ۱۷

کتاب النکاح

اس عورت کے نکاح کی شہادت جس نے چہرے پر نقاب ڈال رکھا ہو

کتاب النکاح میں مصنف فتاویٰ نے اس موضوع سے متعلق متعدد مسائل بیان کیے ہیں۔ ان میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت چہرے پر نقاب لٹکائے ہوئے ہو اور گواہوں کے سامنے اس طرح بیٹھی ہو کہ وہ اسے دیکھ اور پہچان نہ سکتے ہوں اور جس شخص سے وہ نکاح کی خواہاں ہے وہ مجلس میں موجود ہو۔ اب گواہوں کی موجودگی میں نہ مرد اور نہ یہ وہ عورت ایک دوسرے کے نکاح میں آجائیں اور یہ کہیں کہ ہم آپس میں بیوی خاوند ہیں تو ان کی بات از روئے شریعت صحیح ہوگی اور ان کا عقد اور گواہوں کی موجودگی میں اگرچہ گواہ عورت کو نہ پہچانتے ہوں ان کا ایجاب و قبول بالکل صحیح اور نافذ سمجھا جائے گا۔ مصنف کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"ما تولهم رضی الله عنهم، در آنکه زید، زینب حاضره متنقبه را بزنی خواست و زینب نفس خود را بزنی بزید داد بحضور شهود عدول۔ بشریعت بینهما عقد نکاح منعقد شده باشد یا نشده باشد۔ والله اعلم۔

وان كانت المرأة حاضرة الا انها متنقبة لا يعرفها الشهود فقال الزوج تزوجتها فقالت امرأة زوجت جاز، هو المختار [1]

نکاح خواں (صغائر بے ولی) کے نکاح کی اُجرت نہیں لے سکتا

اس سلسلے میں مصنف نے ایک سوال یہ پیدا کیا ہے کہ نکاح خواں اگر (بےولی) لڑکے لڑکیوں کا نکاح پڑھائے تو ان سے اُجرت لے سکتا ہے یا نہیں؟ مصنف اس کا جواب دیتے ہیں کہ نہیں لے سکتا کیونکہ نکاح خوانی اس کے فرائض میں داخل ہے۔ مصنف فرماتے ہیں:

ما تولهم رضی الله عنهم، در آنکه قاضی را نکاح صغائر بشریعت اُجرت گرفتن حلال باشد یا نے؟ بینوا۔ والله اعلم

اخذ القاضی الاجرة فی نکاح الصغائر لیس بجائز لانه واجب علیه [2]

کم سن لڑکی کا نکاح غیر کفو میں صحیح نہیں

کتاب النکاح میں مصنف فتاویٰ نے اس مسئلہ پر بھی بحث کی ہے کہ کم عمر لڑکی کا باپ

---

[1] ورق ۲۱ [2] ورق ۲۲

Marfat.com

اپنی لڑکی کا نکاح غیر کفو میں کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کر دے تو ایسا نکاح شرعی لحاظ سے صحیح متصور ہوگا یا نہیں؟ مصنف لکھتے ہیں۔ یہ نکاح شرعاً صحیح نہیں ہوگا۔ الفاظ یہ ہیں:۔

وما قولہم رضی اللہ عنہم، درآنکہ بر تقدیر کہ زید پدرِ زینب صغیرہ، زینب را بعمرو کہ غیر کفو زینب است، دہد، بشریعت ایں نکاح جائز باشد یا نے؟ نے۔ واللہ اعلم۔

اس کی تائید میں فتاویٰ ابواللیث کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

الاب لو زوج صغیرۃ من غیر کفو لم یجز۔[1]

یعنی اگر باپ کم سن لڑکی کا نکاح غیر کفو میں کر دے تو جائز نہیں ہوگا۔

کتاب الطلاق

کتاب الطلاق آٹھ فصلوں پر مشتمل اور سترہ اوراق کو محیط ہے اور اس موضوع سے متعلق اس میں تمام تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

اگر طلاق کی گنتی میں شک پڑ جائے

اس میں ایک مسئلہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دے چکا ہو اور بعد میں اسے شک پڑ جائے کہ معلوم نہیں ایک طلاق دی ہے یا تین طلاقیں تو شک کا فائدہ مطلقہ بیوی کو پہنچے گا۔ اور فقہی لحاظ سے یہ ایک ہی طلاق متصور ہوگی۔ مصنف بصورت استفتا تحریر فرماتے ہیں:۔

وما قولہم رضی اللہ عنہم، درآنکہ زید را شک است دریں کہ زوجۂ دے سہ طلاق است یا یک طلاق۔ بشریعت تا یقین نشود زید را کہ سہ طلاق است یا ظن غالب نشود او را بر سہ طلاق بودن، ایں زن بشریعت زوجۂ زید شود و او را زنانٔدا ز یک طلاق شود یا نے؟ نے۔ واللہ اعلم

مصنف کا جواب یہ ہے کہ طلاق کی گنتی میں شک پڑ جانے کی صورت میں طلاق ایک ہی شمار ہوگی، اس سے زیادہ شمار نہ ہوگی۔

اپنے جواب کی تائید میں مصنف نوادر ابن سماعہ کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] ورق ۳۳ ب

Marfat.com

فی نوادر ابن سماعة، عن محمد اذا شك انہ طلق واحدة او ثلاثا فھی واحدة حتی یتیقن، او یکون اکثر ظنہ علی خلافہ[1]

یعنی جب تک مرد کو یقین نہ ہو جائے کہ بلاشبہ طلاقیں تین ہی تھیں یا ایک نہ تھی یا اس کا ظن غالب تین کا نہ ہو، ایک ہی طلاق شمار ہوگی۔

شوہر غائب ہو تو بیوی کے اخراجات کون ادا کرے

کتاب الطلاق کی آٹھویں فصل میں مصنف فتاویٰ نے یہ مسئلہ موضوع بحث ٹھہرایا ہے کہ کسی عورت کا شوہر غائب ہو تو اس کے اور اس کے بچوں کے نان و نفقہ کی کیا صورت ہوگی اور اس کے اخراجات کی ذمہ داری کس پر عائد ہوگی۔؟ مصنف فرماتے ہیں: عورت کے شوہر کا باپ اس کو اور اس کے بچوں کو نان و نفقہ مہیا کرے گا۔ اگر باپ انکار کرے تو اسے مجبور کیا جائے گا کہ وہ اس کے اخراجات کی کفالت کرے۔ مصنف کا کہنا ہے کہ اس قسم کی ذمہ داری "اقرب" پر عائد ہوتی ہے۔ چونکہ باپ بحیثیت باپ کے بیٹے کا اقرب ہے۔ لہٰذا وہی اس کی بیوی بچوں کے اخراجات برداشت کرے گا۔

مصنف کے الفاظ یہ ہیں:۔

زید پسر عمرو، غائب است و زینب زوجۂ زید احتیاج بنفقہ دارد و زید برائے او نفقہ نگزاشتہ است۔ بشریعت نفقۂ زینب بر عمرو باشد۔

مصنفؒ اس کی تائید میں فقہ کی کسی کتاب کا نام لیے بغیر اس سے درج ذیل عبارت نقل کرتے ہیں، جس میں دو مزید مسئلے بیان کیے گئے ہیں۔

یجبر الاب علی نفقة امرأة ابنہ الغائب وولدھا، وکذا الام علی نفقة الولد یرجع بھا علی الاب وکذا الاجداد اذا غاب الاقرب[2]

یعنی بیٹے کے غائب ہونے کی صورت میں، اس کی بیوی اور بچوں کے اخراجات پورا کرنے پر غائب کے باپ کو مجبور کیا جائے گا۔ اسی طرح جب تک باپ اپنی ذمہ داری نہیں سنبھال لیتا، ماں کو اپنی اولاد کی کفالت کرنے پر مجبور کیا جائے گا اور اسی طرح

---

[1] ورق ۱۳ ب
[2] ورق ۲۶ ۴

Marfat.com

دادوں میں سے جب اقرب غائب ہو گا تو کسی اقرب کو ہی کفالت پر مجبور کیا جائے گا۔

اگر غائب شدہ شوہر کا کوئی غلام ہو

مصنف نے اس سلسلے میں ایک بات یہ لکھی ہے کہ اگر شوہر غائب ہو اور اس کا کوئی غلام یا ملازم موجود ہو، تو عورت کو چاہیے کہ اس کی اطلاع قاضی کو دے۔ قاضی کا فرض ہے کہ وہ اس غلام کو حکم دے کہ وہ محنت مزدوری کر کے یا کوئی کاروبار کر کے اپنے مالک کی بیوی کے اخراجات پورا کرے اور اس کے اور اس کے بچوں کے لیے نان ونفقہ مہیا کرے۔ الفاظ یہ ہیں:-

زید از نزد زینب زوجۂ خود، بے نفقہ غائب شدہ است و زید را غلام مملوک کاسبی ہست۔ بشریعت رسد قاضی اسلام را کہ بالتماس زینب، ایں غلام را فرماید تا از کسب خود برائے نفقہ زینب چیزے دہد۔

مصنف نے اس کی تائید میں فتاویٰ السراجیہ اور الناصریہ کی حسب ذیل عبارت درج کی ہے:-

فی الفتاوی السراجیۃ والناصریۃ لامرأۃ الغائب زوجها ان یرفع الامر الی القاضی حتی یامر عبد الغائب ان ینفق علیها من کسبه[1]

اگر شوہر مال و دولت چھوڑ کر چلا گیا ہو!

اس ضمن میں مصنف کتاب، فتاویٰ ظہیریہ کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں کہ اگر غیب شدہ شوہر کا کوئی مال و دولت یا جائداد بصورت جنس یا نقدی موجود ہو تو عورت کو چاہیے کہ قاضی کی طرف رجوع کرے اور اسے جائداد کی تفصیلات سے آگاہ کرے۔ اگر یہ بات قاضی کے علم میں آجائے تو قاضی کا فرض ہے کہ دو چیزوں کے ثابت ہو جانے کے بعد اس جائداد سے عورت کے نان ونفقہ کا انتظام کر دے۔ ایک یہ کہ کیا فی الواقع یہ جائداد یا مال و دولت اسی غائب شدہ آدمی کی ملکیت ہے۔ دوسرے یہ کہ اس عورت سے حلف لے کر وہ فی الواقع اس کی منکوحہ ہے۔ اگر یہ دونوں باتیں ثابت ہو جائیں وہ عورت اس مال سے اپنے اخراجات پورا کرنے کی مستحق ہو جاتی ہے۔

---

[1] ورق ۴۶

اس مسئلے کے متعلق فتاویٰ امینیہ کے مصنف کے الفاظ یہ ہیں:۔

زید از نزدِ زینب زوجۂ خود بے نفقہ غائب شدہ است و زید را نزد خالد مالے ہست از جنس، زینب از قاضی التماس مے کند کہ نفقہ او را دریں مالِ زید فرض کند و قاضی عالم است باں کہ زینب در نکاح زید است و ایں مالِ زید است، بشریعت رسد قاضی اسلام را کہ بعد از انکہ زینب را سوگند دہد کہ برائے وے نفقہ نگذاشتہ است۔ نفقہ زینب را دریں مال فرض کند۔ واللہ اعلم۔

اس کی تائید میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ ظہیریہ کی یہ عبارت درج کرتے ہیں:

اذا غاب الزوج ولہ مال حاضر وطلبت المرأۃ النفقۃ، فرض لہا القاضی بالنفقۃ اذا علم بالنکاح، لان ھذا ایفاء لیس بقضاء لان القاضی عرف سبب النفقۃ، وھو النکاح لکن بشرط ان ینظر الغائب ذلک ان یحلفھا انہ لم یعطھا نفقۃ[1]

کتاب الایمان

اس عنوان کے تحت قسموں کے بارے میں متعدد مسائل کی وضاحت کی گئی ہے اور یہ تین فصول پر مشتمل ہے۔

بہت سی قسموں کا ایک ہی کفارہ

کتاب الایمان کی پہلی فصل میں قسم کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اگر ایک شخص کسی ایک معاملے میں بیک وقت بہت سی قسمیں کھائے تو وہ تمام قسمیں ایک دوسری سے وابستہ ہو جائیں گی اور ایک ہی متصور رہوں گی۔ لہٰذا اس قسم کی تمام قسموں کا الگ الگ کفارہ نہیں دیا جائے گا، بلکہ ایک ہی کفارہ تمام قسموں کی طرف سے کافی ہوگا۔

مصنف لکھتے ہیں:

"اگر شخصے سوگندان متعدد خوردہ باشد۔ بشریعت بیک کفارت از عہدہ جمیع بیرون آید"

اس کی تائید میں مصنف نے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل فرمایا ہے:۔

---

[1] ورق ۶۴ ب

Marfat.com

الا یمان اذا کثرت تداخلت، ویخرج بالکفارۃ الواحدۃ عن عہدۃ الجملۃ ھذا قول محمد[1]

توبہ کے بعد ارتکاب فسق کے بارے میں

قسم کے سلسلے میں مصنف نے ایک بات یہ بیان کی ہے کہ ایک شخص فاسق ہے اور وہ فسق سے یہ لفظ کہہ کر تائب ہوتا ہے کہ اگر میں دوبارہ مرتکب فسق ہوا تو مجھے رافضی سمجھا جائے۔ اب وہ فسق کا ارتکاب کر لیتا ہے۔ سوال یہ ہے کیا شرعاً اسے رافضی تصور کیا جائے گا اور اس پر رفض کی مہر ثبت کی جائے گی؟ مصنف فرماتے ہیں:

اس ارتکاب فسق کی بنا پر اسے رافضی نہیں کہا جائے گا، بلکہ اسے محض عاصی اور گنہ گار گردانا جائے گا۔ مصنفِ فتاویٰ یہ بات اس پیرایۂ بیان میں ضبطِ تحریر میں لائے ہیں:

زید از فسق توبہ کردہ وگفتہ است، اگر من بعد ایں فسق باز کردم رافضی باشم وبعد ازاں زید مرتکب ایں فسق شدہ۔ بشریعت زید مذکور رافضی شدہ باشد۔؟ وبدیں سبب بر رفض وی گواہی توان داد یا نے۔؟ نے ۔ا واللہ اعلم۔

اس کی تائید میں مصنف رحمہ اللہ، جواہر الفتاویٰ کی یہ عبارت نقل کرتے ہیں:

فاسق تاب وقال ان رجعت الی ذلک فاشھدوا علی انی رافضی ترجع لا یکون رافضیا، بل یکون عاصیا، ولا یجوز الشھادۃ ان یشھدوا علیہ انہ رافضی[2]

اگر مال نہ کھانے کی قسم کھالے اور بعد میں اس کا وارث بن جائے؟

قسم کے باب میں یہاں مصنف نے ایک مسئلہ یہ بیان کیا ہے کہ اگر ایک شخص یہ قسم کھائے کہ میں فلاں شخص کے مال اور کمائی سے کوئی چیز نہیں کھاؤں گا۔ اس کے بعد وہ شخص (جس کا مال نہ کھانے کی قسم کھائی تھی) فوت ہو جاتا ہے اور قسم کھانے والا اس کے مال کا وارث قرار پاتا ہے۔ وہ مال اس کے قبضے میں آجاتا ہے اور اسے وارث ہونے کی بنا پر کھا لیتا ہے۔ کیا اس صورت میں وہ حانث ہوگا؟ یعنی اس کی قسم ٹوٹ جائے گی؟

---

[1] ورق ۵۲ ب

[2] ورق ۵۳ ب

اور اسے اس قسم کا کفارہ ادا کرنا پڑے گا۔؟

مصنف کہتے ہیں قسم کھانے والا حانث ہوگا۔ الفاظ ملاحظہ ہوں :۔

زید سوگند خوردہ کہ از کسب عمرو نخورد، بعد ازاں عمرو فوت شد واز مکسوبات عمرو، بر زید میراث رسیدہ وزید ازاں مال خوردہ، بشریعت زید حانث شدہ باشد۔

مصنفؒ اس کی تائید میں فتاویٰ قراخانی کے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں :۔

ولو حلف لا یاکل من کسب فلان، فمات المحلوف علیہ، فورث الحالف فاکلہ، حنث، لانہ کسب المیت۔[1]

اس باب میں مصنف نے فتاویٰ قراخانی کے حوالے سے اور بھی کئی باتیں بیان کی ہیں۔

کتاب الاجارہ

مصنف نے کتاب الاجارہ میں اجارہ سے متعلق بہت سی باتیں بیان کی ہیں۔

کم سن بچے کا روٹی کپڑے پر اجارہ

مثلاً کتاب الاجارہ میں ایک مسئلہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص اگر کسی خاص وجہ سے یا اپنی غربت و تنگ دستی سے مجبور ہو کر اپنے کم سن بچے کو کسی کے ہاں محض روٹی کپڑے کے بدلے کام کرنے پر لگا دے تو کیا یہ اجرت صحیح ہوگی؟ مصنف لکھتے ہیں۔ صحیح نہیں ہوگی، اور اس اجرت کو فاسد قرار دیا جائے گا۔ اس کی اجرت وہی قابل قبول ہوگی، جو اس عمر کے بچوں کی عام طور پر اس نواح میں رائج ہو۔ اس شخص نے اس بچے کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر جو روٹی کپڑا دیا وہ اس بچے کے لیے صدقہ قرار پائے گا اور اس سے اصل اجرت وصول کی جائے گی۔

مصنف نے یہ بات ان الفاظ میں بیان کی ہے :

زید پسر صغیر خود را باجارہ عمرو دادہ است بطعام وکسوہ۔ بشریعت ایں اجارہ فاسد باشد و بر عمرو اجر مثل ایں صغیر باشد و آنچہ بطعام وکسوہ او صرف کردہ است وداں متبرع باشد۔

---

[1] ورق ۸۷

قنیہ کے حوالے سے مصنف فتاویٰ نے اس کی تائید میں یہ الفاظ نقل کیے ہیں :-

اجرا بنہ الصغیر بطعام وکسوۃ، فھی فاسدۃ ولہ اجر المثل وما دفع الی الصبی یکون متبرعاً۔[1]

کتاب الوکالہ

وکالت اور تفویضِ اختیارات کے سلسلے میں مصنف رحمۃ اللہ کتاب الوکالہ میں بے شمار باتیں معرض تحریر میں لائے ہیں۔

وکالت کا دائرہ

جن میں ایک یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص سے کہتا ہے میں تمھیں اپنے تمام معاملات میں وکیل و مختار مقرر کرتا ہوں۔ اب سوال یہ ہے کیا وہ فی الواقع اس کے تمام معاملات میں بااختیار ہوگا، یا اس کی وکالت و ذمہ داری کا دائرہ محدود ہوگا اور اس کلیت سے کچھ چیزیں مستثنیٰ بھی ہوں گی؟

مصنف لکھتے ہیں: اگرچہ اس نے قولاً کسی شخص کو اپنے تمام معاملات کا وکیل و مختار بنا دیا ہے مگر عملاً ایسا نہیں ہوگا۔ اس کے اختیارات بہرحال محدود و متعین ہوں گے۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک وہ صرف بعض چیزوں کی خرید و فروخت میں وکیل و مختار ہوگا۔ ہبہ اور اعتاق یعنی غلام آزاد کرنے میں اس کو کوئی اختیار نہ ہوگا، اس کا تعلق اصل مالک ہی کی ذات سے رہے گا۔ اور یہی مفتیٰ بہ ہے۔ الفاظ ملاحظہ ہوں :-

اگر زید، عمرو را گفتہ باشد تو وکیل من در ہر شی۔ بشر بعت عمرو در ہبہ و اعتاق وکیل زید شود یا نے۔؟ نے۔ واللہ اعلم۔

مصنف اس ضمن میں بطور دلیل فتاویٰ قاضی خاں کے یہ الفاظ نقل کرتے ہیں۔

اذا قال انت وکیلی فی کل شی، عن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ انہ وکیل فی المعاوضات، لا فی الھبات والاعتاق وعلیہ الفتویٰ[2]

---

[1] ورق ۹۷ [2] ورق ۱۱۹ ب

حقِ وکالت کس صورت میں ختم ہو جاتا ہے

کتاب الوکالہ میں اس موضوع سے متعلق تفصیلات بیان کرتے ہوئے، مصنف یہ بھی وضاحت کرتے ہیں کہ وکیل کا حقِ وکالت کس صورت میں ختم ہو جاتا ہے۔ فرماتے ہیں، اگر وکیل اپنے مؤکل کے بارے میں کسی مجلس میں ایسی بات کہدے جو اس کے مفاد کے منافی ہو، اور ایسا بھید ظاہر کر دے جس سے مؤکل کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اس سے وہ حقِ وکالت سے محروم ہو جائے گا۔ اور اگر اس کا علم قاضی کو ہو جائے تو اس کا فرض ہے، کہ وہ اس وکیل کو مؤکل کی طرف سے بات کرنے سے روک دے۔ مصنف اس بات کو ان الفاظ کا جامہ پہناتے ہیں:

"وکیل در خصومت اگر اقرار کند بمدعا خصم در غیر مجلس قضا بشریعت ایں اقرار درست باشد و ایں وکیل معزول شود یا نے۔؟ معزول شود۔"

اس کی تائید کے لیے مصنف فتاویٰ، فقہ کی کسی کتاب کی یہ عبارت درج کرتے ہیں:

الوکیل بالخصومۃ اذا اقر فی غیر مجلس القضاء لا یصح اقرارہ ولکن یخرج من الوکالۃ ولا یسمع القاضی خصومتہ[1]

کتاب الوقف

وقف کے سلسلے میں مصنف نے بڑی تفصیلی بحث کی ہے اور اس کے تمام گوشوں کو منقح کر دیا ہے۔ اس موضوع سے متعلق چند باتیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں:

واقف اور نگرانِ وقف کی معزولی

وقف کے ضمن میں مصنف فتاویٰ نے اس مسئلہ کو ہدفِ بحث ٹھہرایا ہے کہ قاضی، واقف یا وقف کے نگران و منتظم کو معزول کر سکتا ہے یا نہیں، اگر کر سکتا ہے تو کس صورت میں؟ مصنف لکھتے ہیں:

"ماقولھم رضی اللہ عنہم، درآں مسئلہ کہ زید وقف لازم شرعی کردہ است و شرط کردہ است کہ متولی خود باشد و سلطان و قاضی را ولایتِ عزل او نباشد۔ بشریعت اگر زید مامون نباشد در ولایتِ وقف، ایں شرط باطل باشد، و قاضی را ولایتِ عزل او باشد

---

[1] ورق ۱۲۲

ونصب غیر او باشد تولیت۔

یعنی زید اپنی کسی جائداد کو شرعی اعتبار سے وقف کر دیتا ہے اور شرط یہ عائد کرتا ہے کہ اس وقف کا متولی وہ خود ہوگا، سلطان اور قاضی کو اس کی معزولی کا حق نہ ہوگا۔ شرعی اعتبار سے اگر زید اس وقف کا صحیح امین نہیں ثابت ہوتا تو یہ شرط باطل ہو جائے گی اور قاضی کو اس کی معزولی اور اس کے بجائے دوسرے آدمی کی تقرری کا حق حاصل ہوگا۔

فتاوی امینیہ کے مصنف اس کی تائید میں فتاوی قاضی خاں اور تجنیس کی یہ عبارت نقل کرتے ہیں:

لو ان الواقف شرط الولایۃ لنفسہ وشرطان لیس للسلطان ولا للقاضی عزلہ ان لو یکن مامونا فی ولایۃ الوقف کان الشرط باطلا، وللقاضی ان یعزلہ وتولی غیرہ، قاضی خاں ورکن الدین فی التجنیس فی کتاب الوقف، للقاضی ان یعزل القیم الذی نصبہ الواقف، اذا کان غیر اللوقف[1]

(اس عبارت کا ترجمہ وہی ہے، جو اوپر کی عبارت کا ہے)

اس کے ساتھ ہی مصنف لکھتے ہیں۔ متولی کے لیے وقف جائداد کا غلط استعمال کرنا، اس میں ظلم و استبداد کا مظاہرہ کرنا، یا اس کی فروخت کے درپے ہونا کسی صورت میں بھی جائز نہیں[2]۔

سلطان صرف قاضی کو معزول کر سکتا ہے

وقف کے بارے میں مختلف امور پر گفتگو کرتے ہوئے، فتاوی امینیہ کے مصنف نے اس امر کا ذکر کیا ہے کہ اگر مصارف وقف سے متعلق عدم اطمینان اور شک و شبہ کی کوئی صورت ابھر آئے اور معاملہ سلطان تک پہنچ جائے تو سلطان متعلقہ قاضی کو معزول کر سکتا ہے، کسی اور کو نہیں۔ چنانچہ مصنف اس سلسلے میں ایک سوال پیدا کر کے خود ہی اس کا جواب دیتے ہیں، جس کے الفاظ یہ ہیں:

ما قولہم رضی اللہ عنہم۔ دراں کہ سلطان را جائز باشد شرعاً غیر قاضی را

---

[1] ورق ۱۲۸ ب [2] ایضاً

مثل مدرس و مشرف و متولی عزل کند۔؟ نے۔!

یعنی کیا سلطان کے لیے سوائے قاضی کے شرعاً جائز ہے کہ مدرس، منتظم اور متولی وغیرہ کو معزول کر دے۔؟ نہیں!!

مصنف فتاویٰ اس کی تائید میں کسی اور حوالے سے فرماتے ہیں:۔

لا یجوز للسلطان عزل غیر القاضی نحو المشرف والمدرس والمتولی[1]

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ سلطان کے لیے جائز نہیں کہ وہ سوائے قاضی کے منتظم، مدرس، متولی اور اس قسم کے دوسرے افراد کو معزول کرے۔ یعنی وہ صرف قاضی کو معزول کر سکتا ہے کسی اور کو نہیں!!

اگر واقف محتاج و قلاش ہو جائے

واقف کے سلسلے میں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر واقف مفلس و قلاش ہو جائے اور اس پر غربت و احتیاج کا شدید غلبہ ہو جائے تو کیا کرے۔ کیا وہ اس صورت میں جائیداد موقوفہ کی واپسی کا مطالبہ کر سکتا ہے؟ اگر کر سکتا ہے تو کس شکل میں؟ مصنف فتاویٰ استفتا اور اس کے جواب کے انداز میں لکھتے ہیں:۔

وما قولہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم، در آں شخصے کہ ملک خود را وقف کردہ و ایں وقف مسجد نشدہ و ایں شخص فقیر شدہ و احتیاج بایں وقف شدہ او را شرعاً رسد قاضی اسلام را کہ بالتماس ایں شخص فسخ کند ایں وقف را۔؟ رسد!! واللہ اعلم۔

یعنی علمائے کرام اس مسئلہ کے متعلق کیا فرماتے ہیں کہ ایک شخص اپنی جائداد مملوکہ وقف کر دیتا ہے اور یہ وقف بصورت مسجد نہیں ہے۔ وقف کے بعد یہ شخص اس درجہ افلاس و تنگ دستی میں گھر جاتا ہے کہ اس وقف کا محتاج ہو جاتا ہے۔ کیا شرعاً اسے یہ حق پہنچتا ہے کہ قاضی اسلام سے اس وقف کے فسخ کی درخواست کرے اور قاضی اس کی درخواست پر یہ وقف فسخ کر دے۔؟ مصنف جواب دیتے ہیں۔ اسے حق پہنچتا ہے اور قاضی اس وقف کو فسخ کرنے کا مجاز ہے۔

---

[1] ورق ۱۲۸ ب۔

Marfat.com

الخلاصہ کے حوالے سے فتاویٰ امینیہ کے مصنف اس کی تائید میں تحریر فرماتے ہیں:

الواقف اذا افتقر واحتاج الی الوقف یرفع الی القاضی، حتی یفسخ ان لم یکن مسجدا۔[1]

ان الفاظ کا ترجمہ یہ ہے کہ واقف اگر قلاش ہو جائے اور وقف کا محتاج ہو جائے تو قاضی سے اس کے فسخ کی درخواست کر سکتا ہے اور قاضی اس کو فسخ کرنے کا حق رکھتا ہے، بشرطیکہ یہ وقف بصورت مسجد نہ ہو۔

کتاب الکراہیۃ

کتاب الکراہیہ میں ایسے بہت سے امور بیان کیے گئے ہیں، جن کا ارتکاب ممنوع و مکروہ ہے۔ یہ بحث بڑی دل چسپ ہے۔ اس میں مصنفِ فتاویٰ نے بعض مسائل کے سلسلے میں قاضی احمد بن محمد نظام الدین جونپوری (م ۸۷۵ھ) کے فتاویٰ ابراہیم شاہی کے حوالے بھی دیے ہیں۔ علاوہ ازیں مولانا احمد بن ابوالقاسم دولت آبادی کے رسالہ اسباب الفقر والغنا[2] کا بھی بطور حوالے کے ذکر کیا ہے۔ اسی ضمن میں امام الحرمین استاذ الثقلین، ضیاء الملت السنامی کے کسی رسالہ سے بھی استشہاد کیا ہے۔ ذیل میں کتاب الکراہیہ سے چند باتیں بیان کی جاتی ہیں۔

قرآن مجید سے فال

کتاب الکراہیہ کا آغاز اس مسئلہ سے ہوتا ہے کہ قرآن مجید سے فال لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ مصنف بطور استفتا کے لکھتے ہیں:

وما قولہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم در آنکہ بشریعت گرفتن فال از مصحف مکروہ باشد یا نے؟ باشد۔!

یعنی علمائے کرام کا اس بارے میں کیا فرمان ہے کہ از روئے شریعت قرآن سے فال لینا مکروہ قرار پاتا ہے یا نہیں؟

---

[1] ورق ۱۲۹ [2] اس رسالہ کا ذکر حاجی خلیفہ نے کیا ہے۔ ملاحظہ ہو کشف الظنون جلد اول، کالم ۷۵۔

Marfat.com

(مصنف جواب دیتے ہیں) مکروہ قرار پاتا ہے! بطور تائید کے شرح مختصر ملا شمس الدین محمد کی یہ عبارت تحریر کرتے ہیں:

اخذ الفال من المصحف مکروہ[1]

یعنی قرآن سے فال لینا مکروہ ہے۔

اُمرا سے تحفہ قبول کرنے کے بارے میں

اُمرا سے تحفہ قبول کرنا چاہیے یا نہیں؟ اس کے متعلق مصنف ان الفاظ میں ایک سوال پیدا کرتے ہیں، اور پھر ساتھ ہی اس کا جواب دیتے ہیں۔

(ما قولهم رضی الله عنهم) در آں کہ گرفتن ہدیہ از امرائے ایں زمان کہ اہل جور اند بشریعت جائز باشد، چوں معلوم نیست کہ اکثر مال ایشاں حلال است یا نے؟ نے! واللہ اعلم۔

علمائے کرام کا اس بارے میں کیا ارشاد ہے کہ اس دَور کے امراء سے، جو کہ اہل جور ہیں، ہدیہ قبول کرنا جائز ہے یا نہیں؟ جب کہ یہ بھی معلوم نہیں کہ اُن کے مال کا زیادہ تر حصہ حلال پر مشتمل ہے۔ یا نہیں؟

(مصنف جواب دیتے ہیں) حلال نہیں۔! واللہ اعلم۔

اس کے نیچے مختار الفتاویٰ کی یہ عبارت درج کرتے ہیں:

ولا یجوز قبول هدیة امراء الجور الا اذا علم ان اکثر ماله حلال[2]

یعنی امرائے جور سے ہدیہ قبول کرنا جائز نہیں۔ سوائے اس صورت کے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ ان کے مال کا اکثر حصہ حلال پر مشتمل ہے۔

ساتھ ہی فرماتے ہیں:

ولا ینبغی للفقیه ان یا کل طعام السلطان[3]

(فقیہ کو سلطان کے ہاں کھانا نہیں چاہیے۔

---

[1] ورق ۱۳۲ [2] ایضاً [3] ایضاً

تدفین کے بعد میت کی منتقلی

کتاب الکراہیہ میں مصنف فتاویٰ نے اس بات کو بھی ہدف موضوع ٹھہرایا ہے کہ تدفین کے بعد میت کو دوسری جگہ منتقل کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ مختار الفتاویٰ کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

نقل المیت بعد الدفن من بلدۃ الی بلدۃ لیس بحرام[1]

یعنی دفن کے بعد میت کو ایک شہر سے دوسرے شہر لے جانا حرام نہیں۔

کتاب الشہادۃ

شہادت اور گواہی سے متعلق مصنف نے بہت سی باتیں ذکر کی ہیں اور یہ بحث بے شمار معلومات کو محیط ہے۔ مصنف نے بعض آداب و اوصاف بیان کیے ہیں، جن کا گواہ میں پایا جانا ضروری ہے۔ مصنف نے یہ بھی بتایا ہے کہ بعض آداب ایسے ہیں کہ اگر گواہ ان سے محروم ہو تو اس کی گواہی قابل قبول نہ ہوگی۔

برسر عام کھانے والے کی شہادت

ان آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ گواہ مہذبانہ زندگی بسر کرتا ہو اور اسے بازار میں کھانے پینے کی عادت نہ ہو۔ مصنف لکھتے ہیں:

دما تولهم رضی الله عنهم، در آنکہ بشریعت گواہی کسے کہ در بازار، رو بروئے مردم چیزے می خورد، مقبول باشد یا نے۔ ؟ نے!

یعنی جو شخص بازار میں لوگوں کے روبرو کوئی چیز کھاتا ہے۔ اس کی شہادت قبول کی جائے گی یا نہیں؟

مصنف فرماتے ہیں۔ نہیں اتائید میں کتب فقہ کے حوالے سے فرماتے ہیں:۔

لاشہادۃ لمن یاکل فی السوق بین الناس[2]

جو شخص لوگوں کے سامنے بازار میں کھاتا ہے۔ اس کی شہادت کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔

---

[1] ورق ۱۳۴ حاشیہ [2] ورق ۱۴۶

کتاب القضاء

فتاویٰ امینیہ کے مصنف علام نے کتاب القضاء میں قاضی کے فرائض و آداب سے بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ قاضی میں کن اوصاف و محاسن کا پایا جانا ضروری ہے۔

مصنف فرماتے ہیں: قاضی کے فرائض میں سے ایک فرض یہ ہے کہ اس کی عدالت میں کوئی مقدمہ پیش ہو تو وہ فریقین کے گواہوں کی زندگی کے بارے میں بہر صورت معلومات فراہم کرے۔ اگر گواہ کبوتر باز ہو، یا لہو و لعب میں مشغول رہتا ہو، یا اس کی عادت ادھر اُدھر تانک جھانک کی ہو تو قاضی کا فرض ہے کہ اس کی شہادت قبول نہ کرے، کیونکہ شاہد کا ثقہ اور باوقار ہونا ضروری ہے۔

مصنف لکھتے ہیں: اگر کسی کو صرف کبوتر رکھنے اور پالنے کا شوق ہو، اڑانے سے دلچسپی نہ ہو تو اس کی حیثیت دوسری ہوگی۔ ساتھ ہی فرماتے ہیں: لیکن اس قسم کے اڑنے والے جانور کو محبوس اور مقید رکھنا بھی تو بڑی بات ہے۔

آداب اکل وشرب

مصنف فتاویٰ نے کتاب الاشربہ میں کھانے پینے کے آداب کی وضاحت کی ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے لکھا ہے کہ کھانا خاموشی سے کھانے کی نسبت بہتر یہ ہے کہ کھانا کھاتے وقت آپس میں اچھی اور عمدہ باتیں کی جائیں۔ اس سے کھانے والوں میں بعض اوقات ایک نوع کا جو حجاب سا پیدا ہو جاتا ہے، وہ باقی نہیں رہتا۔ اور سب بے تکلفی سے کھانا کھاتے ہیں۔ اگر کھانے کے وقت خاموشی طاری رہے، تو مجلس طعام میں ایک قسم کی گھٹن سی پائی جاتی ہے، جو ایسے موقع پر ذہنی طور سے تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے

Marfat.com

(۹)

المتانۃ فی مرمۃ الخزانۃ

برصغیر پاک و ہند میں خطۂ سندھ کو باب الاسلام کی حیثیت حاصل ہے۔ اس میں متعدد علما و فقہا باہر سے بھی تشریف لاکر قیام پذیر ہوئے اور خود اس خطۂ ارض نے بھی اس قسم کے بے شمار حضرات پیدا کیے، جنھوں نے قابلِ رشک علمی اور فقہی خدمات انجام دیں۔

علامہ مخدوم محمد جعفر بوبکانی

ان علمائے گرامی قدر کی عظیم المرتبت جماعت میں دسویں صدی ہجری کے لائق احترام عالم و فقیہ، علامہ مخدوم محمد جعفر بن علامہ مخدوم عبدالکریم المشہور بہ میران بن یعقوب بوبکانی سندھی کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔ ان کی فقہی تصنیف "المتانۃ فی مرمۃ الخزانۃ" مطبوعہ شکل میں موجود ہے۔ اور عربی زبان میں ہے۔ یہ کتاب ۱۹۶۲ء (۱۳۸۱ھ) میں سندھی ادبی بورڈ کراچی (لجنۃ احیاء الادب السندی) کی طرف سے شائع ہو چکی ہے جس پر عربی میں مولانا ابوسعید غلام مصطفےٰ قاسمی سندھی کے قلم سے ایک مبسوط مقدمہ بھی ہے جو بڑا معلومات افزا ہے۔ افسوس ہے، اس کتاب کے مصنف علامہ مخدوم محمد جعفر بوبکانی[1] کے تفصیلی حالات معلوم نہیں ہو سکے۔ جو کچھ معلوم ہو سکا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قریہ "بک" یا "بوبکان"، سندھ کے مراکزِ علمیہ میں سے تھا، جس میں ایک عرصے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عم محترم حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی اولاد سے کچھ لوگ آباد تھے۔ یہ نہایت قانع اور عابد و زاہد لوگ تھے

---

[1] بوبکان علاقہ سندھ کے ایک شہر کا نام ہے، جو سیوستان سے بجانب غرب دو فرسخ کی مسافت پر واقع ہے۔ "بوبک" اس کے بانی کے جدِ اعلیٰ کا نام تھا۔ درحقیقت اس کا نام ابوبکر تھا، جو بصورت تخفیف "بوبک" سے معروف ہوگیا۔ (ملاحظہ ہو حاشیہ المتانہ ص ۱)

چونکہ یہ طویل مدت سے خدمتِ علم میں مشغول چلے آرہے تھے لہٰذا ان کو "مخدومین" کے لقب سے ملقب کیا گیا۔ ان خوش بخت حضرات میں ایک بزرگ علامہ مخدوم عبدالکریم تھے، جو شیخ میران کے نام سے معروف تھے اور بہت بڑے عالم و فقیہ تھے۔ انھوں نے تمام عمر درس و تدریس میں صرف کردی اور بے شمار حضرات نے ان سے استفادہ کیا۔ سندھ کے حکمران مرزا حسن بیگ ارغون کا نام بھی ان کے تلامذہ کی فہرست میں مرقوم ہے۔ مولانا سید عبدالحی حسنی لکھنوی "تاریخ سندھ" کے حوالے سے "الشیخ میران السندی" کے عنوان کے تحت نزہۃ الخواطر میں رقم طراز ہیں۔

الشیخ الفاضل میران بن یعقوب التتوی السندی احد کبار العلماء درس و افاد مدۃ عمرہ واخذ عنہ مرزا شاہ حسن صاحب السند وخلق کثیر من العلماء مات سنۃ تسع و اربعین و تسعمائۃ فارخ لوفاتہ بعضہم علامۃ وارث الانبیاء، وقبرہ علی جبل مکلی۔[1]

یعنی شیخ فاضل میراں بن یعقوب ٹھٹھوی سندھی، کبار علما میں سے تھے۔ عمر بھر درس و افادہ میں مصروف رہے۔ والیٔ سندھ مرزا شاہ حسن اور کثیر تعداد پر مشتمل علما نے ان سے اخذِ علم کیا۔ ۹۴۹ھ میں وفات پائی۔ بعض حضرات نے "علامہ وارث الانبیاء" سے ان کی تاریخ وفات نکالی ہے۔ قبر جبل مکلی پر واقع ہے۔

صاحب نزہۃ الخواطر ان کو "ٹھٹھوی" اس لیے قرار دیتے ہیں کہ ان کی وفات ٹھٹھہ میں ہوئی[2]۔ شیخ میران کے بارے میں تحفۃ الکرام میں مرقوم ہے۔

مخدوم میران بن مولانا یعقوب علوم معقولی و منقولی میں جامع تھے۔ مرزا شاہ حسن کو بھی انھوں نے کچھ عرصے تک درس دیا تھا۔ اکثر طلبا ان کی طبع روشن کے فانوس سے نورِ علم حاصل کیا کرتے تھے۔ انھوں نے ۹۴۹ھ میں وفات پائی۔ "علامہ وارث الانبیاء" ان کا مادۂ تاریخ ہے۔ ان کا مزار مکلی پہاڑی پر ہے۔[3]

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۳۰۷ (طبع اول حیدرآباد دکن ۱۳۷۴ھ - ۱۹۵۴ء)

[2] ملاحظہ کیجیے حاشیہ مقدمہ المنانۃ ص ۴

[3] تحفۃ الکرام اردو ترجمہ ص ۴۹۰ شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ کراچی (اشاعت اول ۱۹۵۹ء)

تاریخ معصومی میں ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔
مخدوم میران بن مولانا یعقوب..... صفات حمیدہ اور اخلاق پسندیدہ کے لیے مشہور اور علم معقول و منقول میں جامع تھے۔ ان کی خدمت میں اکثر طلبا نے علم حاصل کیا۔ علوم میں انھیں بڑی مہارت حاصل تھی۔ مرزا شاہ حسن نے کچھ عرصہ مخدوم کی خدمت میں رہ کر تعلیم حاصل کی۔ وہ ۹۴۹ھ میں عالم آخرت کی طرف رجوع ہوئے۔ ان کی تاریخ وفات "وارث الانبیا" ۹۴۹ھ ہے۔[1]

علامہ مخدوم محمد جعفر مصنف المتانۃ، انہی شیخ عبدالکریم المعروف بہ میران کے فرزند گرامی قدر تھے۔ انھوں نے اپنے والد شیخ میران سے تحصیل علم کی۔ علامہ محمد جعفر جہاں علوم شرعیہ میں تبحر کامل رکھتے تھے، وہاں حکمت و فلسفہ ادب و انشا، منطق و نجوم اور جعفر و رمل وغیرہ میں بھی پوری طرح ماہر تھے۔ لیکن آخر عمر میں ان سے اپنی دلچسپیاں ختم کرکے، مطالعہ کتب حدیث اور تصوف میں منہمک ہو گئے تھے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ تصوف میں کامل اشتغال کے باوجود مسائل شرعیہ میں میلانِ طبع شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی آرا و تحقیقات کی طرف تھا۔[2]

تصانیف

علامہ مخدوم محمد جعفر بوبکانی متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ ان کی جن تصانیف کے بارے میں جو معلومات حاصل ہو سکی ہیں، وہ یہ ہیں۔

۱۔ الصادق المنصف الملحق بالدلائل التی ھی بالتقدیم احری و احق
یہ کتاب عربی زبان میں ہے۔
۲۔ حاصل النہج :- یہ ایک رسالہ ہے، جو فارسی زبان میں ہے۔
۳۔ نہج التعلیم :-
۴۔ عجالۃ الطالبین :-

---

[1] تاریخ معصومی اردو ترجمہ ص ۲۷۸۔ شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ کراچی (اشاعت اول ۱۹۵۹ء)
[2] مقدمہ المتانہ ص ۵

۵ - فتح الدارین۔

۶ - حل العقود۔

۷ - المنانۃ فی مرمۃ الخزانۃ - ان کی یہ وہ تصنیف ہے جو خاص اہمیت کی حامل ہے اور اس وقت پیش نگاہ ہے۔ یہ کتاب کیوں کر معرضِ تصنیف میں آئی۔ تو اس کی ایک وجہ ہے۔ اور وہ یہ کہ ایک عالمِ دین قاضی جگن گجراتی (متوفی ۹۲۰ھ) ہندوستان کے مشہور علاقہ گجرات کے رہنے والے تھے۔ یہ چار بھائی تھے اور چاروں قاضی تھے [۱]
صاحب نزہۃ الخواطر مولانا سید عبدالحی حسنی لکھنوی نے اپنی اردو تصنیف "یادِ ایام" میں بھی ان کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ ان کے نام و نسب وغیرہ کے بارے میں معلومات نہیں حاصل ہو سکیں [۲]

کشف الظنون میں حاجی خلیفہ کا بیان ہے کہ قاضی جگن گجرات کے ایک قصبہ "کن" کے رہنے والے تھے [۳]

مختصر یہ کہ "خزانۃ الروایات" کے نام سے ایک کتاب قاضی جگن گجراتی کی تصنیف ہے، جو فروعِ حنفیہ کو محتوی ہے۔ لیکن محققین کے نزدیک یہ کتاب غیر مستند، غیر معتبر اور ناقابل اعتماد ہے۔ اور بقول علامہ الفقیہ عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی -

انہ من الکتب الغیر المعتبرۃ، لانہ مملوء من الرطب والیابس مع ما فیہ من الاحادیث المخترعۃ والاخبار المختلفۃ [۴]

اپنی کتاب "المنانہ" کی تصنیف کے وقت علامہ مخدوم محمد جعفر بوبکانی نے اس کتاب کو سامنے رکھا اور اس میں سے تمام غیر معتبر مسائل اور غیر مستند مواد نکال دیا اور اس کے بجائے مفتیٰ بہا مسائل اور قوی روایات کا اضافہ فرمایا۔ اس درجہ محنت اور کاوش کے بعد یہ کتاب "المنانۃ فی مرمۃ الخزانۃ" کے نام سے موسوم ہوئی۔

---

[۱] نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۲۸ [۲] یادِ ایام ص ۹ [۳] خزانۃ الروایات فی الفروع. للقاضی جکن الحنفی الهندی، الساکن بقصبۃ کن من الگجرات، وهو مجلد اوله الحمد لله الذی خلق الانسان وعلمه البیان الخ ذکر فیہ انہ انفق عمرہ فی جمع المسائل وغریب الروایات وانتخب الکتب العلیا لانہ اشرف العبادات (کشف الظنون، جلد اول، کالم ۷۰۲) [۴] النافع الکبیر ص ۱۲

چونکہ علامہ بوبکانی نے اس پر بڑی محنت کی ہے اور اس سے غیر مستند مواد نکال کر مستند مواد کا اضافہ کر دیا ہے، لہٰذا اس کتاب کو کبار اعلام فقہ کے نزدیک معتبر اور مستند کتاب قرار دیا جاتا ہے[1]۔

قلمی نسخے

سندھی ادبی بورڈ کی طرف سے شائع شدہ المتانہ کا مقدمہ نہایت تفصیلی ہے اور بے شمار بنیادی باتوں کو اپنے دامن صفحات میں گھیرے ہوئے ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ سندھ میں اس کتاب کے تین قلمی نسخے موجود ہیں۔ ایک نسخہ سید حسام الدین راشدی کے کتب خانہ میں ہے۔ دوسرا مدرسہ دار الہدیٰ ٹیڑھی کے کتب خانے میں اور تیسرا مولانا سید محب اللہ شاہ درگاہ پیر جھنڈا کے کتب خانے میں ہے۔

مندرجات و مشمولات

المتانہ کے مندرجات و مشمولات کی فہرست دیگر کتب فقہی کی طرح بڑی مفصل ہے۔ اس میں حصہ عبادات بھی ہے اور حصہ معاملات بھی۔ اور دونوں حصے متعلقہ مسائل کی تفصیلات کو گھیرے ہوئے ہیں۔ ان میں سے چند باتیں درج ذیل ہیں۔

اگر مسجد گزرگاہ میں روکاوٹ نہ بنتی ہو

"باب المسجد" میں مصنف المتانہ نے متعدد مسائل کا ذکر کیا ہے۔ اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اگر مسجد گزرگاہِ عامۃ المسلمین میں بنائی گئی ہو تو اس کے بارے میں فقہائے کرام کی کیا رائے ہے۔ اس ضمن میں فقہ کی مشہور کتاب فصول العمادیہ کے حوالے سے اصل الفاظ مع ترجمہ کے ملاحظہ ہوں۔

فی فصول العمادیۃ اذا بنی للمسلمین فی بعض الطریق مسجد ولا یضر للمسلمین لا ینقض[2]۔

یعنی فصول العمادیہ میں مرقوم ہے کہ اگر کسی گزرگاہ میں مسجد تعمیر کی گئی ہو اور وہ مسلمانوں کی آمد و رفت میں تکلیف اور رکاوٹ کا باعث نہ بنتی ہو تو اس کو گرایا نہیں جائے گا۔

---

[1] مقدمہ المتانہ، ص ۴۵۔ [2] ص ۱۳۴

Marfat.com

گزرگاہ اور مسجد دونوں مفادِ عامہ کے لیے ہیں

اس کے ساتھ ہی بروایت فقیہ ابو جعفر عن ہشام عن امام محمدؒ یہ الفاظ لکھے گئے ہیں۔

انہ قال لا باس بان یجعل شیٔ من الطریق مسجداً او شیٔ من المسجد طریقاً۔ لان الکل لعامۃ المسلمین[1]

کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں کہ گزرگاہ عامہ کا کوئی حصہ مسجد میں ملا دیا جائے یا مسجد کا کوئی حصہ گزرگاہ میں ملا دیا جائے، اس لیے کہ مسجد اور گزرگاہ، سب عامۃ المسلمین کے لیے ہیں۔

اگر گزرگاہ کے کسی حصے میں مسجد بنالی جائے

پھر بتایا گیا ہے۔

المسجد الذی یتخذ فی جانب من الطریق لا یکون لہ حکم المسجد بل ہو طریق بدلیل انہ لو رفع حوائطہ عاد طریقاً کما کان[2]

یعنی جو مسجد، گزرگاہ عامہ کے کسی کنارے میں تعمیر کی جائے، وہ مسجد کے حکم میں متصور نہیں ہوگی بلکہ اس کو گزرگاہ ہی سمجھا جائے گا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر اس کی دیواریں گرا دی جائیں تو وہ حسب سابق گزرگاہ ہی بن جائے گی۔

بے گھر اور بے مسکن فقیر اور تعمیر مسجد

جواہر الفتاویٰ کے حوالے سے المتانہ کے یہ الفاظ خصوصیت سے قابلِ غور ہیں۔

محلۃ فیہا ثلاث مساجد ثم اراد واحد ان یبنی مسجداً فی المحلۃ فقیر لیس لہ مسکن، فالافضل ان یدفعہا الی الفقیر لیسکن فیہا و یصلی فیہا، لان المساجد قد کثرت، والشفقۃ بین الناس قد قلت[3]۔

اس عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر ایک محلے میں تین مسجدیں ہوں اور پھر کوئی شخص ایک اور مسجد بنانا چاہتا ہو، اور محلے میں کوئی ایسا غریب اور فقیر شخص بھی رہ رہا ہو، جس کے پاس سکونت کے لیے کوئی مکان نہیں ہے، تو افضل یہ ہے کہ وہ جگہ اس بے گھر

[1] ص ۱۳۴ [2] ص ۱۳۴ [3] ایضاً

Marfat.com

اور بے مسکن فقیر کو دے دی جائے تاکہ وہ اس میں رہائش اختیار کرے اور نماز بھی پڑھے یہ اس لیے کہ مسجدوں کی تعداد بڑھ گئی ہے اور لوگوں میں باہمی شفقت و رحم کا مادہ کم ہو گیا ہے۔

توسیع مسجد کے لیے حضرت عمرؓ کا فیصلہ

المتانہ کے مصنف شہیر نے اس مسئلے کو بھی موضوع فکر ٹھہرایا ہے کہ اگر مسجد کی توسیع مقصود ہو تو کیا صورت اختیار کی جائے۔ وہ کہتے ہیں اگر مسجد کے ارد گرد کسی شخص کی جگہ موجود ہو تو اس کے مالک کو قیمت ادا کر کے اس پر جبراً قبضہ کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بیت اللہ کی توسیع کے وقت ایسا ہی کیا تھا۔ اس سلسلے میں مصنف المتانہ کے الفاظ بھی پڑھیے اور اس کے نیچے ترجمہ بھی ملاحظہ کیجیے۔ المضمرات کے حوالے سے مصنف رقم طراز ہیں۔

ولو ضاق المسجد علی الناس وبجنبہ ارض لرجل یؤخذ ارضہا کرہا، لما روی عن عمرؓ واصحابہؓ فی ارض المسجد الحرام حین ضاق انہم اخذوا الارض بکرہ من اصحابہا بالقیمۃ وزادوا فی المسجد الحرام۔[1]

ترجمہ: اگر لوگوں کے لیے مسجد تنگ ہو اور مسجد سے ملحق کسی شخص کی زمین پڑی ہو تو یہ زمین جبراً قبضے میں کر لی جائے گی۔ اس کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب رضوان اللہ علیہم کا وہ فیصلہ ہے، جو انھوں نے بیت اللہ کے بارے میں اس زمانے میں کیا تھا، جب مسلمانوں کی کثرت کی وجہ سے جگہ تنگ ہو گئی تھی۔ انھوں نے اس کے ارد گرد پھیلی ہوئی زمین کے مالکوں کو قیمت ادا کر کے اس پر جبراً قبضہ کیا اور اس سے بیت اللہ کی توسیع کر دی۔

گزرگاہ اور مسجد

مختار الفتاوی کے حوالے سے مصنف لکھتے ہیں:

لو ضاق المسجد وتحتہ[2] طریق للعامۃ یوسع منہ المسجد ولو ضاق

---

[1] ص ۱۴۴ [2] الخزانہ میں "تحتہ" کے بجائے "بجنبہ" مرقوم ہے۔

Marfat.com

الطریق وسع من المسجد[1]۔

ترجمہ: اگر مسجد تنگ ہو اور اس کے قریب گزرگاہ عام ہو تو اس سے زمین لے کر مسجد کی توسیع کی جائے اور اگر گزرگاہ تنگ ہو اس کو مسجد کی زمین سے کشادہ کیا جائے

کیا مسجد ایک جگہ سے دوسری جگہ تبدیل ہو سکتی ہے؟

یہ مسئلہ اپنی جگہ بڑا اہم ہے کہ مسجد ایک جگہ سے دوسری جگہ تبدیل ہو سکتی ہے یا نہیں اور تنگ جگہ سے بدل کر اسے کشادہ جگہ میں تعمیر کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟

مصنف کہتے ہیں کیا جا سکتا ہے مضمرات کے حوالے سے لکھتے ہیں:

مسجد اراد اهله ان یجعلوا الرحبۃ مسجدا او المسجد رحبۃ او ارادوا ان یحدثوا له بابا، او ارادوا ان یحولوا الباب عن موضعه فلهم ذلك[2]۔

ترجمہ: اگر منتظمین مسجد، کشادہ جگہ یا صحن کو مسجد بنانا چاہیں اور مسجد کو صحن میں بدلنے کے خواہاں ہوں یا اس کا نیا دروازہ بنانے یا ایک جگہ سے دوسری جگہ تبدیل کرنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو وہ ایسا کر سکتے ہیں۔

فقہی اعتبار سے مسجد کی تعمیر اور ایک جگہ سے دوسری جگہ میں اس کو تبدیل کرنے کے بارے میں یہ مسائل انتہائی اہمیت کے حامل ہیں بارہا اس قسم کی صورت حال لوگوں کے سامنے آتی ہے۔ فقہائے کرام کا موقف اس ضمن میں بالکل صاف اور واضح ہے۔

اگر مسجد بے آباد ہو جائے

مسجد کے بے آباد ہو جانے کے سلسلے میں المتانہ کے مصنف ظہیر الظہیریہ کے حوالے سے بروایت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

فی مسجد خرب فالذی بناه احق به اذا خرب ما حوله وان لم یعرف بانیه فاجتمعوا علی بیعه لیستعینوا بثمنه علی مسجد اخر لا باس به وان لم یخرب، فلیس لهم نقله عن موضعه[3]۔

یعنی اگر مسجد بے آباد ہو جائے تو اس کا بانی، اس کے اردگرد کے بے آباد ہو جانے کی

---

[1] المتانہ ص ۱۳۴ [2] ص ۱۳۵ [3] ص ۱۳۶

صورت میں اس کا زیادہ حق دار رہے۔ اور اگر اس کے بانی کا پتہ نہ چل سکے تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ لوگ اس کی فروخت کے لیے جمع ہو جائیں، تاکہ اس کی قیمت سے دوسری جگہ مسجد تعمیر کرنے میں مدد دے سکیں۔ لیکن اگر مسجد بے آباد نہیں ہوئی تو اس کو دوسری جگہ منتقل نہیں کیا جا سکتا۔

ساتھ ہی شرح الزیادات کے حوالے سے فرماتے ہیں:

والمسجد اذا استغنی عنہ المسلمون ولا یصلی فیہ، او خرب ما حولہ یعود الی صاحبہ کما کان، ان کان حیا، والی وارثہ ان کان میتا وھذا قول ابی حنیفۃ ومحمد[1]۔

ترجمہ: جب مسلمان، مسجد سے بے نیاز ہو جائیں اور اس میں نماز نہ ادا کی جاتی ہو یا اس کے ارد گرد کا علاقہ بے آباد ہو جائے تو اس مسجد کا بنانے والا اگر زندہ ہے تو مسجد اس کو دے دی جائے اور اگر وہ مر گیا ہے تو اس کے ورثا کے حوالے کر دی جائے۔ اس باب میں امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کا قول یہی ہے۔

تعمیر مسجد میں اخلاص کی اہمیت

تعمیر مسجد میں اصل اہمیت اخلاصِ قلب اور رضائے الٰہی کو حاصل ہے اور یہی جذبہ ہر وقت دل میں کارفرما رہنا چاہیے۔ اس ضمن میں المتانہ کے مصنف لکھتے ہیں:

کل مسجد بنی مباھاۃ او ریاء او سمعۃ او لغرض سوی ابتغاء وجہ اللہ، او من مال غیر طیب، فھو لاحق بمسجد الضرار[2]۔

یعنی جو مسجد فخر و مباہات یا ریا و سمعہ یا اللہ کی رضامندی کے سوا کسی اور جذبے کے تحت یا غیر پاکیزہ مال سے تعمیر کرائی جائے، وہ مسجد ضرار کے حکم میں آتی ہے۔

دیوار اور محراب پر آیاتِ قرآن کی کتابت

المتانہ کے فاضل مصنف نے بے شمار باتیں فقہ کی مختلف بنیادی اور اونچی تصنیفات کے حوالے سے اس کتاب میں رقم فرمائی ہیں۔ انھوں نے مسجد کی دیوار پر

---

[1] ص ۱۳۶

[2] ص ۱۳۶

اور محراب پر آیات قرآن کی کتابت کے بارے میں بھی اظہار خیال فرمایا ہے۔ خوارزمی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ولیس بمستحسن کتاب القرآن علی المحاریب والجدران لما یخاف من سقوطہا الکتابۃ وان توطأ[1]

یعنی محرابوں اور دیواروں پر قرآن مجید کی آیات لکھنا مستحسن نہیں کیونکہ کتابت شدہ ٹکڑے کے دیوار یا محراب سے نیچے گر جانے اور پاؤں تلے آنے کا اندیشہ رہتا ہے۔

شب برأت اور لیلۃ القدر کو چراغاں نہیں کرنا چاہیے

شب برأت اور لیلۃ القدر کو مساجد اور دیگر عمارات پر چراغ روشن کرنے کا رواج اس زمانے میں بھی تھا جس زمانے میں المثانہ ضبطِ تحریر میں آئی۔ مصنفِ شہیر نے اس کو بدعت قرار دیا ہے۔ وہ فقہ کی مشہور کتاب القنیہ کے حوالے سے واضح الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں:

ان اسراج السرج الکثیرۃ لیلۃ البراءۃ فی السکک والاسواق بدعۃ وکذا فی المساجد[2]

یعنی شب برأت کو عمارتوں، بازاروں اور مسجدوں میں اس کثرت سے چراغ روشن کرنا بدعت ہے۔

اس کے ساتھ ہی فرماتے ہیں:

وکذا اذا اسرج السرج فی رمضان لیلۃ القدر[3]۔

اسی طرح ماہ رمضان المبارک میں لیلۃ القدر کے موقع پر بھی اس انداز سے چراغ روشن کرنا بدعت کے ذیل میں آتا ہے۔

جنازے کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے کے بارے میں

• فصل فی حمل الجنازۃ ونقل المیت من بلد الی اخرٰی کے تحت مصنف نے جنازے اور میت کے بارے میں بے شمار مسائل کی وضاحت کی ہے۔ ان میں ایک یہ ہے کہ جنازہ

---

1. ص ۱۳۰ 2. ص ۱۳۴ 3. ایضاً

کے ساتھ اونچی آواز سے ذکر اذکار کرنا اور قرآن مجید پڑھنا چاہیے یا نہیں۔ مصنف لکھتے ہیں نہیں پڑھنا چاہیے بحوالہ قنیہ الفاظ یہ ہیں

ویکرہ تشییع الجنازۃ برفع الصوت بالذکر وقراءۃ القرآن کراھۃ تحریم[1]

یعنی جنازے کے ساتھ چلنے والوں کا بآوازِ بلند ذکر کرنا اور قرآن پاک پڑھنا مکروہ ہے، جو مکروہ تحریمی میں آتا ہے۔

جنازے کے ساتھ خاموشی سے چلنا چاہیے

فاضل مصنف اس ضمن میں کنز العباد کی عبارت بحوالہ مفاتیح المسائل تحریر فرماتے ہیں:

یستحب السکوت خلف الجنازۃ لانہ وقت الاعتبار والاذکار وان کان فی ذکر ودعا یخافت[2]

یعنی جنازے کے ساتھ خاموشی سے چلنا مستحب ہے اس لیے کہ یہ اللہ کو یاد کرنے اور نصیحت حاصل کرنے کا وقت ہے اور اس وقت اللہ کی یاد اور دعا میں آہستگی اور سکوت اختیار کرنا چاہیے۔

قاضی کی عدالت میں جھگڑا کرنے والوں کے بارے میں

"باب التعزیر" میں مصنف نے، اس مسئلے کی وضاحت فرمائی ہے کہ عدالت میں قاضی کے سامنے فریقین جھگڑ پڑیں اور قاضی کے منع کرنے کے باوجود اس سے باز نہ آئیں تو اس صورت میں قاضی کو ان سے کیا سلوک کرنا چاہیے۔ فتاویٰ حمادیہ کی کتاب القضاء کے حوالے سے اس سلسلے میں مصنف لکھتے ہیں۔

خصمان تشاتما بین یدی القاضی فی مجلسہ لم ینتھیا بالنھی خالرای فی ذلک للقاضی ان حبسھما ویعزرھما عقوبۃ تحسن، لانہ لو ترک ذلک فربما یجتری بذلک غیرھما واقتدی بھما فیذھب ذلک ما اوجب للقاضی، وصیانتہ ذلک واجب[3]

ترجمہ: اگر دو فریق قاضی کے سامنے اس کی عدالت میں آپس میں گالی گلوچ پر اتر آئیں اور قاضی کے روکنے کے باوجود نہ رکیں تو اس سلسلے میں قاضی کو اختیار حاصل ہے۔ یا تو ان کو جیل میں بند کر دے یا سزا کے لیے ان کو تعزیر کرے یہ با

---

[1] ص ۲۹۸ [2] ص ۲۹۹ [3] ص ۵۴۶

Marfat.com

مناسب اقدام ہوگا اس لیے کہ اگر وہ انھیں بغیر سزا و عقوبت کے یونہی چھوڑ دے گا تو ان کی دیکھا دیکھی دوسرے لوگوں میں بھی اس قسم کی جرأت پیدا ہو گی اور وہ اس معاملے میں ان کی اقتدا کریں گے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ قاضی کے ادب و احترام کو برقرار رکھنے اور اس کے مقام و مرتبہ کو ملحوظ رکھنے کے بارے میں جو فرائض عائد ہوتے ہیں، یہ حرکت ان کو ختم کر دے گی۔ اور ان کا تحفظ بہر صورت ضروری ہے۔

اس کتاب میں اس قسم کے بے شمار فقہی مسائل جمع کیے گئے ہیں، جو اپنی جگہ بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ اور خوشی کی بات یہ ہے کہ یہ کتاب بہت عمدہ صورت میں طبع ہو چکی ہے اور مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی سندھی نے طویل مقدمہ کے علاوہ کتاب کے متعدد مقامات پر حواشی و تعلیقات کا بھی اضافہ فرمایا ہے، جس سے کتاب کی علمی قدر و قیمت بہت بڑھ گئی ہے۔

(۱۰)

فتاویٰ بابری

ظہیرالدین بابر

ہندوستان کا مشہور مغل بادشاہ ظہیرالدین بابر ۶ محرم ۸۸۸ھ میں پیدا ہوا اور اس کا نام معروف بزرگ شیخ عبیداللہ احرار نے ظہیرالدین محمد رکھا لیکن اس نے مغلوں میں بابر شاہ کے نام سے شہرت حاصل کی۔

بابر نے حکومت وسلطنت کی گود میں پرورش پائی۔ فنونِ حرب کا ماہر، ذہین، ذکی، فطین، تیز دماغ، سریع الادراک اور قوی الحافظہ تھا۔ شعر وانشا اور عروض میں مہارت رکھتا تھا۔ علاوہ انہیں نہایت پاکیزہ خط تھا اور باقاعدہ ایک رسم الخط ۔ خطِ بابری ۔ کا موجد تھا۔ معمے حل کرنے میں لاثانی تھا۔ منگل کے روز، ۵ رمضان المبارک ۸۹۹ھ کو علاقہ ماوراء النہر کے ایک مقام اندجان میں بارہ سال کی عمر میں سریر آرائے سلطنت ہوا۔ اس کو جنگی مہمات سر کرنے مختلف شہروں کو مسخر کرنے اور دشمنوں کو زیر کرنے میں شدید مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑا۔ اس نے پہلے کابل فتح کیا، پھر ہندوستان پر دھاوا بولا۔ جب ہندوستان پر حملہ کیا، اس وقت اس کے ساتھ صرف بارہ ہزار پیدل اور گھڑ سوار فوج تھی، اور ادھر اس کے حریف بادشاہِ ہند ابراہیم بن سکندر لودھی کی فوج ایک لاکھ گھوڑوں اور ایک لاکھ ہاتھیوں پر مشتمل تھی۔ دونوں جانب کی فوجیں پانی پت اور کرنال کے درمیان ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہوئیں۔ سخت رن پڑا۔ بابر نے ابراہیم لودھی کی فوج کو شکست فاش دی اور ابراہیم قتل کیا گیا۔ اس کے ساتھ چھ ہزار گھڑ سوار بھی قتل کیے گئے اور باقی بھاگ گئے۔ یہ جمادی الاخریٰ ۹۳۲ھ کا واقعہ ہے۔

اس کے بعد بابر فاتح ہند کی حیثیت سے دہلی میں داخل ہوا اور ہندوستان کے

Marfat.com

تختِ حکومت پر متمکن ہوا۔ پھر آگرہ گیا اور پورے ملک پر تسلط جمالیا۔ بابر نے مختلف علاقوں اور شہروں میں لوگوں کی سفری سہولتوں کے لیے بہترین شاہراہیں قائم کیں اور راستوں پر ایک خاص مسافت کے بعد رہائش گاہیں اور سرائیں تعمیر کرائیں۔ مختلف پھلوں کے درخت لگوائے اور متعدد علاقوں کو عمدہ ترین باغات سے مزین کیا۔ آگرہ سے کابل تک ڈاک رسانی کی غرض سے مختلف مقامات متعین کیے اور ڈاک رسانوں کے لیے قیام گاہوں کا انتظام کیا۔

انتظامی اور عسکری صلاحیتوں کے علاوہ بابر مختلف معارف و فنون سے بھی گہری دلچسپی رکھتا تھا۔ شاعر بھی تھا اور فارسی اور ترکی دونوں زبانوں میں شعر کہتا تھا۔ فقہ حنفی کے بارے میں بھی بڑے معلومات کا مالک تھا۔ اس موضوع سے متعلق اس کی ایک تصنیف بھی ہے، جس کا نام "مُبَیّن" ہے۔ شیخ زین الدین خوافی نے "مُبَیّن" کے نام سے اس کی شرح لکھی۔ پھر اس نے خط بابری میں قرآن مجید کی کتابت کی جو مکہ مکرمہ بھجوایا گیا۔

ابتدائے عمر میں بابر سے نوشی کا عادی تھا۔ مگر بعد میں اس سے تائب ہو گیا تھا۔ یہ مشہور شعر اسی کا ہے۔

نوروز و نوبہار و مے و دلبری خوش است
بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

اس نے پچاس برس عمر پاکر ۶ جمادی الاولیٰ ۹۳۷ھ کو آگرہ میں وفات پائی۔

بابر کا کتب خانہ

بابر کتابیں جمع کرنے کا بہت شائق تھا اور مختلف مسائل سے متعلق اس کا دامن مطالعہ بہت وسیع تھا۔ تزک بابری اور تاریخ فرشتہ کے حوالے سے بزمِ تیموریہ میں مرقوم ہے۔

"بابر سفر اور حضر میں کتب خانہ ساتھ رکھتا تھا۔ ۹۳۰ھ میں وہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا تو لاہور کے پاس غازی خاں سے متصادم ہوا۔ غازی خان کو شکست ہوئی تو بابر اس کے قلعہ میں داخل ہوا جہاں اس کو بے شمار دولت ملی لیکن بابر کے لیے سب سے قیمتی سرمایہ غازی خاں کا کتب خانہ تھا۔ غازی خاں بڑا علم دوست تھا جید عالم ہونے کے

علاوہ شاعری کا بھی اعلیٰ مذاق رکھتا تھا۔ اس نے ہر قسم کی عمدہ اور خوشخط کتابیں اپنے کتب خانے میں جمع کر رکھی تھیں۔ بابر نے ان کتابوں میں سے کچھ اپنے لیے مخصوص کریں، کچھ شہزادہ ہمایوں کو دیں اور کچھ شہزادہ کامران کے لیے کابل روانہ کیں[1]۔"

فتاویٰ

بابر چونکہ علم دین اور فقہیات سے دلچسپی رکھتا تھا، اس لیے اس کے دل میں، اس خواہش نے کروٹ لی کہ مسائل فقہیہ پر مشتمل، فارسی زبان میں ایک کتاب معرض تصنیف میں لائی جائے۔ اس کی یہ خواہش نہاں خانۂ خیال سے نکل کر زبان پر آئی تو شیخ نورالدین خوافی نے اس کام کی تکمیل کے لیے اپنی خدمات پیش کیں۔ شیخ نورالدین خوافی، شیخ زین الدین خوافی کی اولاد میں سے تھے۔ انھوں نے ہرات میں پرورش پائی اور شیخ الاسلام سیف الدین احمد سے تعلیم حاصل کی، جو ملا سعدالدین تفتازانی کے اخلاف میں سے تھے۔ شیخ نورالدین خوافی نے مستند روایتوں اور کتابوں کی مدد سے مسائل شرعیہ کی جمع و تدوین کا کام شروع کیا اور ہدایہ، الکافی، شرح وقایہ، شرح مختصر الوقایہ، الخزانہ، فتاویٰ قاضی خاں وغیرہ کتبِ فقہ سے ایک کتاب تیار کی جس کو "فتاویٰ بابری" کے نام سے موسوم کیا۔

"فتاویٰ بابری" کن ابواب و فصول پر مشتمل ہے۔؟ اس کے صفحات کن مسائل کو محیط ہیں؟ یہ کتنے اوراق میں پھیلا ہوا ہے اور اس کی علمی اہمیت کیا ہے۔؟ ہمیں اس کا کوئی علم نہیں۔ کیونکہ یہ فتاویٰ ہمارے سامنے نہیں ہے اور جن کتب خانوں تک ہماری رسائی ہو سکتی ہے، ان میں، یہ موجود نہیں۔ اس وقت جولائی ۱۹۵۰ء کا معارف اعظم گڑھ ہمارے پیشِ نگاہ ہے اس میں فتاویٰ بابری سے متعلق جناب شیخ فرید احمد صاحب برہان پوری کا ایک مختصر سا مضمون ہے۔ ذیل میں اس کے تعارف کے بارے میں وہی مضمون درج کیا جا رہا ہے تاکہ ہمارے قابل احترام قارئین بھی اس سے مستفیض ہو سکیں۔ اس مضمون میں یہ کمی محسوس کی جائے گی کہ فارسی کتابوں کا سوائے کتاب کے نام کے صفحے

---

[1] بزم تیموریہ مطبوعہ دارالمصنفین اعظم گڑھ ص ۲۱۳

وغیرہ کا کوئی حوالہ نہیں دیا گیا۔

"دودمانِ گورگانیہ کے آخری جلیل القدر شہنشاہ حضرت محی الدین اورنگ زیب عالمگیرؒ کے عہد کی بہترین علمی و مذہبی یادگار "فتاویٰ عالمگیری" محتاجِ تعارف نہیں۔ مقامِ حیرت ہے کہ اسی خاندان کے عظیم المرتبت فاتح، عدیم المثال سپاہی اور اولعزم بادشاہ ظہیر الدین بابر کے عہد کی فقہِ حنفی کی ایک تصنیف "فتاویٰ بابری" کے ذکر سے، تاریخ ادبیات فارسی کی معروف و معتبر کتابیں خالی ہیں[1]۔ اتفاق سے اس کا قلمی نسخہ مولانا سید احکام اللہ صاحب بخاری، امام جامع مسجد، برہان پور کے ذخیرۂ مخطوطات میں راقم السطور کی نظر سے گزرا۔ اس مضمون میں اسی تاریخی تبرک کا تعارف مقصود ہے۔"

"مصنفِ کتاب شیخ نور الدین خوافی کے حالات کتب متداولہ میں نہیں ملتے۔ نفائس المآثر میں مختصر حالات درج ہیں۔ مولانا امتیاز علی صاحب عرشی ناظم کتب خانہ رام پور نے میری درخواست پر متعلقہ حصہ نقل کر کے ارسال فرمایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بزرگ زین الدین خوافی کی اولاد میں سے ہیں[2]۔ سلطان حسین مرزا کے عہد میں انھوں نے ہرات میں نشوونما پائی۔

---

[1] فتاویٰ بابری کا قلمی نسخہ جہاں تک ہمیں معلوم ہے، پاکستان میں کہیں نہیں ہے، البتہ ہندوستان کے کتب خانوں میں اس کے قلمی نسخے موجود ہیں۔ پٹنہ لائبریری میں بھی اس کا نسخہ موجود ہے۔ اور اس کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں تصنیف کے ساتھ، مصنف کے بھی مختصر حالات درج ہیں (دیکھیے کیٹلاگ مخطوطات فارسی پٹنہ لائبریری ج ۱۴ ص ۸۶)

[2] نزہۃ الخواطر میں مولانا زین الدین خوافی کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اس کا ترجمہ درج ذیل ہے: "شیخ فاضل زین الدین بن قطب الدین حنفی خوافی، شیخ کبیر زین الدین خوافی کی اولاد تھے، جو مشہور رملی گزرے ہیں مولانا زین الدین خوافی ہرات میں پیدا ہوئے اور وہیں پر درس پائی۔ اپنے بڑے بھائی نور الدین محمد خوافی سے تعلیم حاصل کی ان کے ساتھ قندھار کا سفر کیا۔ پھر کابل گئے اور وہاں ان کے بھائی نور الدین انتقال کر گئے۔ یہ ۹۰۸ھ کا واقعہ ہے۔ بعد ازاں مولانا زین الدین خوافی نے بابر بادشاہ کا تقرب حاصل کر لیا اور وہ سفر و حضر میں اس کے ساتھ رہے۔ وہ ہندوستان گیا تو انکو ساتھ لے گیا۔ اور صدارت کے منصب جلیلہ پر فائز کیا۔ پھر آگرہ میں سکونت پذیر ہو گئے اور وہاں ایک عظیم الشان مدرسہ اور بہت بڑی مسجد تعمیر کی۔ مولانا زین الدین خوافی کی تاریخ ہند سے متعلق ایک تصنیف لطیف بھی ہے۔ وہ بہت اچھے شاعر بھی تھے۔ ۹۴۰ھ میں بمقام چنار گڑھ فوت ہوئے اور ان کی میت آگرہ میں منتقل کی گئی اور وہاں اپنے مدرسہ میں دفن کیے گئے (نزہۃ الخواطر ج ۴ ص ۱۲۰)

شیخ الاسلام سیف الدین احمد کے شاگرد تھے، جو ملا سعد الدین تفتازانی کی اولاد میں سے تھے۔

"از نبایر حضرت شیخ زین خافی است، بغایت خوش طبع و فہم عالی داشتہ، شیخ نور الدین و شیخ زین الدین، بہ وفور کمالات ممتاز اند۔ ایشاں در زمان سلطان حسین مرزا، بہ ہرات نشو و نما یافتہ، بہ تحصیل فنون و فضائل کمال شناختہ اند، شیخ نور الدین شاگرد شیخ الاسلام است کہ از نبایر مولانا سعد الدین تفتازانی است۔"

مرزا علاء الدین قزوینی نفائس المآثر میں رقم طراز ہیں کہ چودہ سال کی عمر میں سلطان حسین مرزا کے مدرسہ ہرات میں، صغر سنی، جمال اور سادہ روئی کے باوجود مسندِ درس پر فائز ہوئے۔ دانش مندی اور مولویت میں وہ رتبہ اور استعداد بہم پہنچائی تھی کہ بڑے بڑے فاضل ان کی مجالسِ افادات سے مستفید اور بہرہ مند ہوتے تھے۔

"در صغر سن و عنفوانِ شباب رتبۂ مولویت و دانش مندی بجائے رسانیدہ کہ دانش مندانِ آن زمان از مجالس افاداتش مستفید و بہرہ ور می بودند۔"

"در زمانِ شاہی بیگ خان اورا در چہاردہ سالگی با وجود سادہ روئی و جمال مدرس مدرسۂ سلطان حسین مرزا ساختہ بودند۔"

سلطان مذکور کے کمال علم و فضل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"از غایت حدّت طبع و دقّتِ ذہن در اوانِ شباب از تحصیل علوم عقلی و نقلی فراغت یافتہ۔ گوش ہوش تلامذہ از نتائج بحرِ خاطر فیض مآثر بہ لآلی نکاتِ دقیقہ گران بار گشت و پایۂ قدر و منزلتش در سالکِ زہد و تقویٰ و تبحر در فنون و علم فتوی از امثال و اقران درگذشتہ"

بدرجہ غایت جودتِ طبع اور باریکیٔ ذہن کی وجہ سے انھوں نے عالم شباب ہی میں علوم عقلی و نقلی کی تحصیل سے فراغت حاصل کر لی تھی۔ ان کے بحرِ دل میں جو گوہر نکاتِ دقیقہ پوشیدہ تھے تلامذہ ان کے بہترین نتائج سے گوشِ ہوش کے ساتھ فیض یاب ہوئے اور ان کی مجلسِ علمیہ سے کامیاب واپس لوٹے۔ سلک زہد و تقویٰ اور فنون و علم فتویٰ و فقہ میں ان کا پایۂ قدر و منزلت تمام اقران و امثال سے بڑھ گیا تھا۔

یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بحث و مناظرہ میں شیخ موصوف کا پلّہ اکثر بھاری رہتا تھا

"مثل ملّایانِ عصر و ملّا نورالدین مثل کشتی گیرے است کہ ہر یکے را بہ طریق خاص مغلوب می سازد کہ ہرگز تصور آں نہ کردہ اند"

(علمائے معاصرین اور ملّا نورالدین کی مثال پہلوان کی سی ہے، ان میں سے ہر ایک کو وہ اس طریق سے شکست دیتے اور مغلوب کرتے ہیں کہ وہ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

نفائس المآثر میں ہے کہ شیخ نورالدین اور شیخ زین الدین ۹۲۲ھ میں قندھار آئے اور حضرت فردوس مکانی بابر کی ملازمت اختیار کی۔ الفاظ یہ ہیں۔

"در ۹۲۲ھ (اثنا وعشرین و تسعمائۃ) مجموع برادران بہ قندھار آمدہ، بہ ملازمت حضرت فردوس مکانی رسیدہ"

فتاویٰ بابری کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۹۲۵ھ کے آخر میں شیخ صاحب اپنے وطن سے روانہ ہوئے۔

اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا بابر کی خدمت میں ان کو باریابی کا شرف ۹۲۵ھ میں حاصل ہوا؟

دیباچہ کی سفر کی تاریخ "اواخر خمس وعشرین و تسعمائۃ" سے اگر آخری دو مہینے مراد لیے جائیں تو اس زمانہ کی طوائف الملوکی، خواف و ہرات سے قندھار کے بعد، سفر کی مشکلات راستہ کی دشواریوں اور ان مواقع اور توالنسہ کے پیش نظر، جن سے استخلاص شیخ کو دشوار اور مہلک نظر آرہا تھا، بابر کے دربار سے شیخ کے توسل کا زمانہ ذی الحجہ ۹۲۵ تا محرم ۹۲۶ھ ہوگا

شیخ بذلہ سنج اور خوش طبع بھی تھے۔ صاحب نفائس المآثر نے ان کی خوش طبعی کا یہ واقعہ نقل کیا ہے۔

"مولانا نازلالی شاعر کہ یکے از خوش طبعان است و معمائی بودہ، بجہت آں کہ سبز چہرہ بود، او را بہ غلامے نسبت می کردہ اند۔ در سر چارہری (مقام) بہ شیخ نورالدین رسید و احوال پرسیدہ، از پریشانی حالِ خود شکایت کردہ، گفتہ اند کہ بجائے ابنائے روزگار نیم وحکایات بلا فائدہ می گوییم و می شنویم، ملا زلالی ایں بیت خواندہ۔

تا کے بگرد د رہا چون شیخ و شیخ زادہ　　گوئیم ہر ذرہ ہرزہ کردیم لا د ہ لا د ہ

دنیا را خندہ کردہ است۔ شیخ نورالدین در بدیہہ فرمودہ کہ ایں بیت گویا معمااست باسم شما کہ ہر لالا ازاں حاصل می گردد، شمارا خندہ کردن عجب است، ملا ازہم شدہ دازیں مطائبہ دخوش طبعی نادم گشتہ''

بدیہہ گوئی میں شیخ کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ وہ شعر وادب کی محفلوں میں جب دوسرے شعرا کے اشعار سناتے تو اسی ردیف و قافیہ میں خود فی البدیہہ بیس بیس شعر کہہ کر شامل کر دیتے اور سامعین مشکل سے یہ تمیز کر سکتے کہ شیخ موصوف اپنے اشعار سنا رہے ہیں۔ شیخ نورالدین نے کابل میں وفات پائی۔

کیفیت مخطوطہ

فتاوی بابری کے زیر نظر قلمی نسخے کی تقطیع ۱۰'' + ۱/۲ ۵'' ہے اور ۶۲۶ صفحات ہیں۔ ہر صفحہ میں پندرہ سطریں ہیں۔ خط نستعلیق، روشنائی سیاہ اور عنوانات شنگرفی ہیں۔ لوح کتاب مطلا و مینا کار ہے۔ جدولیں سرخ اور سنہری ہیں۔ ناقص الآخر ہے۔

سبب تالیف

کتاب کے دیباچہ میں مولانا نخوانی نے لکھا ہے کہ وہ اپنے جوہر علم و فضل کو تصنیف کی شکل میں بادشاہ کی خدمت میں پیش کر کے اس کے وسیلہ سے دربار شاہی سے منسلک ہونے کی دیرینہ تمنا کو پورا کرنے کے لیے اپنے وطن سے ۹۲۵ھ کے آخر میں روانہ ہوئے اور ''مراحل و منازل'' طے کرتے ہوئے'' ممالک محروسہ''(۴)، سے قریب ایک مقام پر پہنچے تھے اور اس کشمکش میں تھے کہ کس فن میں اپنی تصنیف پیش کریں کہ بادشاہ کا حکم پہنچا کہ مسائل شرعیہ میں ایک کتاب فارسی میں تصنیف کی جائے۔ اس حکم پر مصنف نے معتبر روایتوں اور کتابوں سے مسائل شرعیہ کو ضبط تحریر میں لانا شروع کیا اور ہدایہ (ہ)، کافی (ک)، شرح وقایہ (شو)، شرح مختصر وقایہ (ش)، خزانہ (خ)، فتاوی قاضی خاں (ق)، خلاصہ (ص)، سے اس کی تالیف میں مدد لی ہے۔ توسین کی علامتیں مصنف نے حوالے کے لیے مقرر کی ہیں۔ جہاں مختلف فیہ مسائل میں اپنی رائے ظاہر کی ہے وہاں علامت''

سے کام لیا ہے۔

دیباچۂ کتاب

کتاب کا دیباچہ گو کسی قدر طویل ہے، لیکن اس سے مصنف اور تصنیف کے بعض پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے، اس لیے اس کو نقل کیا جاتا ہے۔

"بازمی نماید بندۂ درماندۂ عاصی جانی نورالدین بن قطب الدین بن احمد بن زین الدین الخوافی، اصلح اللہ شانہ وصانہ عما شانہ کہ مدت مدید ایں حقیر قلیل البضاعت را داعیہ آں بود کہ خود را بہ سایۂ دولتِ پادشاہِ فضیلت پروری رساند کہ باوجود کمال فطنت، بلند شریف اوقاتِ ارجمند را بہ ملاحظۂ نکاتِ علوم نقلی وعقلی صرف نمودہ۔ نحوے کامل وحظے وافر از ہر علم حاصل کردہ باشند کہ تا بمقتضائے "انما یعرف ذا الفضل من الناس ذووہ" درجہ از درجات فضائل ومرتبہ از مراتب ارباب آں بر ضمیر منیرش مخفی نماند و فرصتِ بعید ایں کسیر عدیم الاستطاعت عزیمت آں نمود کہ مخزوناتِ خزانۂ سینہ را کہ حاصل حیوانات ومحصول اوقاتِ دیرینہ است، مطروح مجلس نامی ومحفل گرامی، دین پناہے، معدلت گسترے گرداند کہ بمقتضائے عدالتِ ذاتی وموروثی رعایت ہر امرے بہ قدر مرتبہ آں فرمودہ اجتناب از ترجیح مرجوح واحتراز از تفضیل مفضول بر ذمت ہمت واجب داند، والحق احقاء ایں مفہومات در ذاتِ ملک صفات حضرتِ بادشاہِ اسلام پناہ، مصداق مقولہ السلطان ظل اللہ، سلیمان دیوان تاج بخش وصاحب قران، شہسوار میدانِ عالم گیری وکشورستانی، مطیع فرمان شریعت متین، متاع اعیانِ سلاطین، صاحب تمکین، تابع احکام ان اللہ یامر بالعدل والاحسان قامع آثار آثام ارباب ظلمت وطغیان، مشید ارکانِ دین وملت، مخرب بنیان کفر واباحت، حامی ارباب سنت وجماعت، ماحی اصحاب بدعت وضلالت، وافروزندہ چراغ علم وتقویٰ، بعد از انطماس وانطفا افرازندۂ لوائے درس وفتوی بعد از اندراس وذا شفاء دوائی ممالک جہانداری وارعیت پروری، بانی مبانی شہریاری ومعدلت گستری۔ مہرسپہر جلالت وکامرانی شاہ بارگاہ ایالت وجہانبانی، وُرّ درج حشمت وجلال، ودری برج سلطنت واقبال۔

آنکه چون در مدحش اندیشم مقال
ناطقه حیران بماند عقل لال

الممدوح بلسان ارباب الخبرت واصحاب الانتباه، ظهیر السلطنت والدنیا والدین محمد بابر شاه، شید الله ارکان الدین المتین بدوام وجوده و بقائه، و بتبع العالمین بتوالی جوده و تعاقب عطائه، بیوں انحصار مفهوم نیر اعظم در جرم آفتاب ظاهر و روشن بلکه اظهر من الشمس وابین من الامس است،

لکل زمان واحد یلتجی به
وهذا زمان انت لاشک واحد!

وعلاوه این امور آنکه همواره آبا و اجداد این بیچاره، به وظائف که دعوات دولت ایشان است بجاندان عالی الشان آن حضرت اشتغال نموده، در ظل عواطف پادشاهان این دودمان، متوالی الاحسان، مرفه و خوش حالی می بوده اند، بنابرین مقدسات الثراوقات در تمهید اسباب آن می بود که سعی و کوشش نماید، تا به هر حیله که از دست بر آید، در سلک دعاگویان این دولت قاهره درآید، به واسطه کثرت موانع که به سبب بدمدوی طایع واقع بود، شاهد این مقصود از نقاب خفا چهره نمی کشاد، و وصول بدین مطلوب در حجاب توقف می افتاد، تا آنکه در اواخر خمس وعشرین و تسع مائة (۹۲۵ھ) به عزیمت آنکه اولاً طواف آن آستانه که قبله آمال و کعبه اهل سعادت و اقبال است، نموده، بعد از رخصت بجانب حرمین شریفین توجه نماید، از وطن مالوف مهاجرت اختیار نمود، و بقدم سعی و اجتهاد بسیارے از مراحل و منازل پیموده تا به موضع که قریب به ممالک محروسه است رسید، و در آن موضع آن مقدار موانع و توالنسه ظاهر گردید که استخلاص از ان متعسره بلکه متعذر می دید، ناگاه نسیم اقبال از مهبت عنایات و زبیده در رائحه قبول از نواب بارگه فلک اشتباه به مشام جان رسانید، بموجب جذبة من جذبات الحق یوازی عمل الثقلین کمند شوق در گردن این مستحق انداخته موانع متنوع را مرتفع ساخته و بسیاری از بوادی بیم ناک که مظنه تلف و هلاک بود، دوانید، تا آخر الامر رخت اقامت را به برخے از بلاد که در ظل نواب کامیاب از سائر مخافات مصئون ومفروق است، کشید، الحمد لله المنه

هدنا لنهتدی وما کنا لنهتدی لولا ان هدنا الله۔ وقبل از استسعاد وتشرف بساط بوسی، پرتو الطاف وعنایاتِ آن آفتاب فلک جاه جلال برین ذرهٔ شکسته حال تافت و بانواع پرسش ونوازش نواب گردون جناب شرفِ اختصاص یافت، شکر این مواهب را واجب بود که تحفهٔ دعا وصحیفهٔ ثنائے بروجہے مناصبت باشد که بعد الایام بر صحیفهٔ روزگار باقی ماند، بنا بر آن عزیمت جزم نموده که در رشتهٔ از فنون رساله تالیف نموده، موسم باسم شریف سازد، فاما در تردد آن بود که کدام یک از علوم در نظر اشرف مقبول تر است تا بنظم ترتیب آن پردازد ہمانا که بموجب کلمهٔ مشهوره "ارباب الدول ملهمون" پرتو تردد این حقیر بر ضمیر منیر تنویر افتاده وکمال رحمت وشفقت پادشاهانه بنفاء آن تردد را در خاطر این کمینه رخصت نداده که درین اثنا حکم جهان مطاع رسید که به جمع وتالیف قسم عبادات از مسائل شرعیه ذریعه اشتغال نموده، آنچه راجح ومعتبر عند الاکثر است بزبان پارسی در قید کتابت آرد، و در سلک خلافیات و روایاتِ ضعیفه نموده خاطر بند که آنها مشغول نداورد، ایجاباً بالحکم المطاع واطاعةً لامر الواجب الاتباع باوجود قلت بضاعت وعدم استطاعت درین امر خطیر شروع نموده که بعد از اتمام به مقتضائے حدیث "رب حامل فقه الی من هو افقه منه" در آن محفل عالی که علمائے ملاذ افاضل واعالیت معروض دارد، از کتب معتبر بجز هفت کتاب بدست نیامد که اسامی آن کتب را عن قریب به تفصیل در می آرد، لاجرم چنان که حکما به واسطهٔ عدم اطلاع بر حرکاتِ ثوابت مدار علوم نجوم را بر سبعهٔ سیاره نهاده. از دو به جهت طلب اختصار بر ستاره را بر قمی امتیاز داده، این فقیر ضعیف نیز چون کتاب دیگر ندارد، بنیاد این رساله برین هفت کتب می گذارد، و هر روایتے را که متعلق باشد، به یکے ازین کتب مستند ساخته، مرقوم برقمے می گرداند و هر رقم را علامت کتابے می دارد، چنانچه ـ

از هدایه ـ به (ہ)، و از کافی ـ به (ک)، و از شرح وقایه ـ به (شو)، و از شرح مختصر وقایه ـ به (شم)، و از خزانه ـ به (خ)، و از خلاصه ـ به (ص)، و از فتاوی قاضی خان ـ به (ق)، ـ

ـ تعبیر می نماید چندان که می تواند سخنان المکل را به حکایات ناقص خود مقرون نمی گرداند، پر اگر ناقص مصاحبت کامل را نشاید و اگر احیاناً کلمه چند، ضرورت باشد، مصدر به قسم ن که حرف اوّل و آخر نقصان و نام این ناتوان است می سازد، تا من اوّل را که به علامت نقصان سخن و قائل آن از سخن اہل کمال ممتاز گردیده کسے را در غلط نیندازد و از

هر رقم تا رقم دیگر منسوب بدان رقم اوّل می دارد و اصلاً سخن غیرے دران میان نمی آرد، مامول
از مطالعه کنندگانِ مصنف آنکه چون این ضعیف بکمال عجز و نقصان معترف است، اگر بر خطائے
غلطے اطلاع یابند، بذیل عفو و اصلاح، بپوشند و بسیار در خصلت عیب جوئی و بدگوئی نکوشند،
فاما رجاء واثق و امید صادق است که چوں از پرتو توجه خاطر کیمیا، تاثر که آئینه جمال غائی
مخدّرات عالم غیب است، جلوهٔ ظهور یافته از شوائب عیب و خلل و مواقع ریب و زلل
مصئون و محفوظ ماند، الکون العصمة والعون بر ضمائر اولوالالباب پوشیده نماند که
اول چیزے که بر مکلف یعنی عاقل و بالغ فرض شود، بعد از ایمان نماز است...

نسخۂ مذکور ناقص الآخر ہے۔ کتاب الصلوٰۃ سے شروع ہو کر کتاب الحج کی
عبارتِ ذیل پر ختم ہو جاتا ہے۔

"حج در لغت قصد کردن است بچیزے از روئے تعظیم، و در شریعت عبارت
است از ارکانِ مخصوصه بشرائطِ مخصوص که تفصیل آن معلوم خواہد شد، و این ارکان را
حج، بواسطهٔ آن می گویند که مشتمل است بر قصد کعبهٔ معظمه، و این حج فریضه است محکم
و یکے از ارکانِ اسلام است، و اگر کسے از فریضهٔ آن منکر شود، کافر گردد، و در ہمه عمر یک
فرض است، و مراورا شرائط است که چوں وجود گیرد، فرض شود بعد از استجماع ...."

یعنی لغوی اعتبار سے حج کہتے ہیں کسی چیز کی طرف جذبۂ تعظیم کے تحت، قصد
کرنے کو، اور اصطلاحِ شریعت میں، یہ تعبیر ہے، ان ارکانِ مخصوصہ سے جو کچھ ایسی شرائط
کے ساتھ مخصوص ہیں، جن کی تفصیل آئندہ معلوم ہو گی۔ ان ارکان کو حج اس لیے کہتے
ہیں کہ یہ کعبۂ معظمہ کی طرف قصد کرنے کے عمل و ارادہ پر مشتمل ہیں۔ حج ایک محکم فریضہ
ہے اور ارکانِ اسلام میں سے ایک رکن ہے۔ اگر کوئی شخص اس فریضہ سے انکار کرے
تو کافر قرار پائے گا۔ یہ عمر بھر میں ایک مرتبہ فرض ہے اور اس کے ساتھ شرائط وابستہ
ہیں۔ جب وہ وجود میں آجائیں گی تو یہ فرض ہو جائے گا۔

چونکہ مخطوطہ ہمارے سامنے نہیں ہے، لہٰذا اگر اس مقدمے میں کتابت کی غلطیاں ہوئی
ہوں تو ہم معذرت خواہ ہیں۔

Marfat.com

(۱۱)

فتاویٰ عالمگیری

کچھ اورنگ زیب عالمگیر کے بارے میں

فتاویٰ عالمگیری سے متعلق گفتگو کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مختصر طور پر اورنگ زیب عالمگیر کے حالات بیان کیے جائیں اور بتایا جائے کہ یہ کس قسم کا بادشاہ تھا اور اس کی دینی و علمی خدمات کا دائرہ کتنا وسیع اور متنوع تھا۔

اورنگ زیب عالمگیر بن شاہجہان اتوار کی رات، ۱۵ ذوالقعدہ ۱۰۲۸ھ میں "دوحد" کے مقام پر پیدا ہوا، جو اجین سے سو میل اور بڑودہ سے ستر میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ماں کا نام ارجمند بانو تھا، جو آصف جاہ ابوالحسن بن غیاث الدین طہرانی کی بیٹی تھی۔ اورنگ زیب کی ولادت اس کے دادا جہانگیر بن اکبر شاہ کے زمانۂ حکومت میں ہوئی۔ بعض علماء نے اس کی تاریخ ولادت "آفتاب عالم تاب" کے الفاظ سے نکالی ہے۔ سلطان جہانگیر نے اس کی تعلیم و تربیت کا بہترین انتظام کیا اور اسے مولانا عبداللطیف سلطان پوری، مولانا محمد ہاشم گیلانی، شیخ محی الدین بن عبداللہ بہاری اور دیگر نامور علمائے عصر کے حلقۂ تلمذ میں داخل کیا۔ اورنگ زیب کی ذات بہت سے کمالات کا مجموعہ تھی۔ یہ خط نسخ اور خط نستعلیق و شکستہ میں بھی مہارت رکھتا تھا۔ اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ سریر آرائے سلطنت ہونے سے قبل اپنے ہاتھ سے پورے قرآن مجید کی کتابت کی اور اسے مکہ مکرمہ بھجوایا۔ تخت نشین ہونے کے بعد پھر ایک قرآن پاک کی کتابت کی اور اس کی تذہیب و تجلید پر سات ہزار روپے خرچ کر کے اس کو مدینہ منورہ بھجوایا۔ اسی طرح علم نحو کی مشہور کتاب الفیہ ابن مالک کی کتابت کی اور اسے الحاج عبدالرحمن مفتی[۱] کے ہاتھ

---

[۱] مفتی عبدالرحمن حنفی کابلی رفیع المنزلت عالم تھے۔ علوم ادبی اور علوم عربیہ میں اپنے زمانہ میں [illegible]

Marfat.com

مکہ مکرمہ ارسال کیا تاکہ وہاں کے اہل علم اس سے متمتع ہو سکیں۔ اس نے خط نسخ الحاج قاسم سے اور خط نستعلیق سید علی بن محمد مقیم سے سیکھا جو ان طریقہائے کتابت میں اہل کمال مانے جاتے تھے۔ عالمگیر جہاں نہایت پاکیزہ خط تھا، وہاں علوم و فنون کی مختلف اقسام میں بھی یگانۂ روزگار تھا۔ تصوف و طریقت میں بھی دلچسپی رکھتا تھا اور مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند شیخ محمد معصوم سرہندی سے بیعت تھا۔ سلسلۂ طریقت میں شیخ سیف الدین بن شیخ محمد معصوم رحمہما اللہ کے حلقہ میں داخل تھا اور اپنے والد سلطان شاہ جہان کے حکم سے شیخ موصوف کے ساتھ کامل وابستگی اختیار کر لی تھی۔

اورنگ زیب عالمگیر کی زندگی کے دو نمایاں پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں۔ ایک پہلو بادشاہت کا اور ایک عالم دین اور خادم اسلام کا۔ بادشاہوں کی تاریخ عام طور پر تلوار کے قلم اور خون کی روشنائی سے لکھی جاتی ہے۔ ظاہر ہے عالمگیر کو بھی بادشاہ کی حیثیت سے اس سے مستثنیٰ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ لیکن اس موقع پر ہمیں اس کے اس پیرایۂ زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم یہاں صرف اس کے علم و تدین اور خدمت اسلام کے موضوع سے تعرض کریں گے اور وہ بھی اس لیے کہ ہمارے اصل موضوع یعنی فتاوی عالمگیری کی ترتیب و تصنیف اور تدوین و تالیف کی مرکزی شخصیت یہی ہے اور اسی کی سعی مسلسل سے یہ فتاوی معرض تحریر میں آیا۔

علمی اعتبار سے وہ عالم دین اور متعدد علوم و فنون پر عبور رکھتا تھا۔ نیکی اور دینداری کے لحاظ سے متقی، متورع، نماز باجماعت کا پابند، تہجد گزار اور قائم اللیل تھا۔ رمضان کے روزے شدید گرمیوں میں بھی باقاعدہ رکھتا۔ نماز جمعہ بالالتزام کہیں بھی ہو دہلی کی مسجد میں آکر پڑھتا۔ علمائے دین کا انتہائی قدردان تھا اور ان کا بے حد

(بقیہ حاشیہ ص ۲۴۴) معاصرین سے ممتاز اور فائق تر تھے۔ شاہ جہان کے عہد بادشاہت میں آگرہ میں منصب افتاء پر فائز تھے۔ صادق القول، متدین، پرہیزگار، فہیم و ذکی، امانت دار، قلب مطمئن اور ذہن متوکل کے مالک تھے۔ اور مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد بن عبدالاحد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ (ولادت شوال ۹۷۱ھ اور وفات ۱۰۳۴ھ) جب آگرہ تشریف لائے تو انکے حضور سلوک و طریقت کی منزلیں طے کیں۔ شیخ مجدد آگرہ تشریف لے جاتے تو مفتی عبدالرحمن الخزاں کی خدمت میں حاضر ہوتے (نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۲۱۲)

احترام کرتا۔ تراویح پڑھتا اور رمضان کے آخری عشرہ میں مسجد میں اعتکاف کرتا ہر سوموار، جمعرات اور جمعہ کو روزے رکھتا۔ اس کے علاوہ جن ایام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روزہ رکھنا ثابت ہے، ان میں روزے رکھتا، زکوٰۃ ادا کرتا۔ اپنی ملکی اور انتظامی مجبوریوں کی بنا پر خود تو سعادتِ حج حاصل نہ کر سکا البتہ بہت سے لوگوں کو اپنے خرچ سے ہر سال حرمین شریفین بھیجتا۔ قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کرتا۔ حاجت مندوں، عزیزوں، بیواؤں، یتیموں اور بے سہارا مرد اور عورتوں کو ان کی ضرورت کے مطابق معقول رقمیں عطا کرتا۔ اوراد و وظائف بکثرت پڑھتا اور ادعیۂ ماثورہ (یعنی جو دعائیں کتب احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی و منقول ہیں) وردِ زبان رکھتا۔ سنن و نوافل کی پابندی کرتا ہمیشہ باوضو رہتا۔ غیر شرعی لباس سے خود بھی اجتناب کرتا اور اپنے امرا و وزرا کو بھی روکتا۔ منہیات سے دامن کشاں رہتا۔ مساجد میں جاتا، وہاں علما و مشائخ کی صحبت اختیار کرتا اور ان سے مستفیض ہوتا۔ خوراک بہت سادہ اور کم کھاتا، اکل و شرب کے تمام تکلفات سے کلی طور پر مجتنب رہتا۔ فقہی مسلک کے اعتبار سے اس درجہ سخت قسم کا حنفی تھا کہ قول و فعل میں ذرہ بھر بھی اس مسلک سے ادھر ادھر قدم نہ رکھتا۔

قرآن کریم سے اتنا شغف اور تعلق خاطر تھا کہ سریر آرائے سلطنت ہونے کے بعد اس کے حفظ کی سعادت حاصل کی۔ حفظِ قرآن کی ابتدا کی تو بعض علما نے اللہ تعالیٰ کے فرمان سنقرئك فلا تنسیٰ سے اور جب پورا قرآن حفظ کر لیا تو "لوح محفوظ" سے تاریخ نکالی۔

علمائے دین سے خاص ربط و علاقہ رکھتا اور ہفتہ میں تین دن سید محمد الحسینی قنوجی، علامہ محمد شفیع یزدی، شیخ نظام الدین برہان پوری اور دیگر علمائے کرام سے احیاء علوم الدین، کیمیائے سعادت اور فتاویٰ عالم گیری پر مذاکرہ و مباحثہ کرتا۔ علوم دین کی ترویج و اشاعت میں کوشاں رہتا اور طلبا کی ضروریات کی کفالت کرتا۔ جہاں انھیں کتابیں مہیا کی جاتیں، وہاں ان کے لیے اکل و شرب اور سکونت و رہائش کا بھی اہتمام کیا جاتا اور ان کی ضرورت کے مطابق وظائف دیے جاتے۔

حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس کو معرفت و آگاہی کا شرف حاصل تھا۔

Marfat.com

اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ مسند نشین سلطنت ہونے سے پہلے "کتاب الاربعین" مرتب کی، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس حدیثیں جمع کیں۔ تختِ حکومت پر متمکن ہونے کے بعد بھی چالیس احادیث پر مشتمل ایک اربعین مرتب کی۔ بعد ازاں ان دونوں کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا اور ان پر بہترین فوائد و تعلیقات لکھیں۔

فقہ میں درجۂ کمال حاصل تھا اور اس کی جزئیات پر پورا استحضار تھا۔ فقہ کے سلسلے میں اس کی بہت بڑی خدمت یہ ہے کہ علمائے حنفیہ کی ایک عظیم جماعت سے، دو لاکھ روپے خرچ کر کے چھ ضخیم جلدوں میں فتاویٰ ہندیہ جسے "فتاویٰ عالم گیری" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، مرتب کرایا۔ ترتیب و تالیف کے بعد یہ فتاویٰ متعدد لوگوں نے نقل کیا اور اس کے بہت سے نسخے مختلف اسلامی ممالک — حجاز، مصر، شام اور روم وغیرہ — میں پہنچے اور پھیلے اور ممالک اسلامی کے علمائے دین و اصحاب افتائے اس سے استفادہ کیا۔

فتاویٰ عالم گیری کی تدوین و ترتیب کے بعد عالم گیر نے پورے ملک میں حکم جاری کر دیا تھا کہ عدالتی فیصلوں میں اسی کو سامنے رکھا جائے اور اسی کے مطابق فیصلے کیے جائیں۔ اس کے لیے ہندوستان کے مختلف شہروں اور علاقوں میں دیانت دار اور امین اہلِ علم قاضی مقرر کیے تاکہ وہ شریعت کی روشنی میں فیصلے صادر کرنے سے متعلق کسی نوع کی مداہنت یا کمزوری کا شکار نہ ہوں اور ہر معاملے میں دیانت دارانہ تحقیق و تدقیق کے بعد صحیح نقطۂ نظر تک پہنچنے کی کوشش کریں۔

بہر حال اورنگ زیب عالم گیر بہت سی خوبیوں کا مالک تھا اور برصغیر میں اسلامی احکام و اوامر کی نشر و اشاعت میں اس کا بڑا حصہ ہے۔ یہ بادشاہ ۱۰۲۸ھ میں پیدا ہوا۔ اپنے باپ شاہ جہان کو نظر بند کر کے چالیس سال کی عمر (۱۰۶۸ھ) میں تختِ ہند پر متمکن ہوا۔ پچاس برس بڑے رعب اور دبدبے کے ساتھ حکومت کی اور نوّے برس عمر پا کر ذوالقعدہ ۱۱۱۸ھ میں، دکن میں، فوت ہوا۔

اس کی قبر خلد آباد (دکن) میں ایک بزرگ شیخ زین العابدین کی قبر کے قریب ہے یہ ایک پہاڑی مقام ہے، جہاں بے شمار بزرگانِ دین، صوفیائے کرام اور مشاہیرِ اسلام مدفون ہیں۔

Marfat.com

عالم گیر کے حالات و سوانح، بہت سے تذکرہ نگاروں نے جمع کیے ہیں۔ متقدمین میں سے بختاور خان نے مرأۃ العالم تصنیف کی، محمد کاظم بن محمد امین شیرازی نے عالم گیر نامہ لکھا۔ جو اس کے تخت حکومت پر متمکن ہونے سے لے کر ابتدائی دس سال تک کے واقعات کو محیط ہے۔ مستعد خاں نے مآثر عالم گیری تالیف کی، عاقل خاں رازی اور خافی خاں نے منتخب اللباب اور طباطبائی نے سیر المتاخرین میں اس کے سوانح حیات جمع کیے۔ علاوہ ازیں اور بھی کئی کتابیں اس کے حالات اور اس کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں لکھی گئیں

اورنگ زیب کے اساتذہ

جب یہ واضح ہو چکا کہ اورنگ زیب عالم گیر اپنی بعض خصوصیات کی بنا پر شاہان ہند میں ممتاز مرتبہ کا حامل تھا اور اس کی بوقلموں خدمات اسلامیہ کا حلقہ وسعت پذیر تھا، تو مناسب ہو گا کہ اس کے اساتذہ کا ذکر بھی کر دیا جائے تاکہ مرتبین فتاویٰ عالم گیری کے علاوہ عہد عالم گیری کے دیگر فقہاد علما کے معلومات بھی سامنے آسکیں اور یہ بات بھی علم و ادراک کی گرفت میں آسکے کہ اس عظیم حکمران نے کن اونچی شخصیتوں سے کیا استفادہ کیا اور ان سے کس نوع کے فیوض حاصل کیے۔

مولانا عبد اللطیف سلطان پوری

اورنگ زیب کے اساتذہ میں سے ایک استاذ مولانا عبد اللطیف سلطان پوری تھے، جو حنفی المسلک تھے اور ان علما میں سے تھے جو علوم حکمیہ میں ید طولیٰ رکھتے تھے انھوں نے کتب درسیہ لاہور کے فاضل ترین عالم شیخ جمال الدین لاہوری سے پڑھیں۔ شیخ جمال الدین لاہوری اس عہد کے لاہور کی علمی فضا پر چھائے ہوئے تھے اور بلند مرتبہ اور عظیم شخصیت کے مالک تھے۔ انھوں نے منطق و فلسفہ علامہ فتح اللہ شیرازی سے پڑھا۔ پھر درس و تدریس اور ترویج علوم میں مشغول ہو گئے۔ "عمل صالح" اور "بادشاہ نامہ" کے بیان کے مطابق شاہ جہاں نے انھیں اپنے باپ جہانگیر کی زندگی میں اپنے بیٹے داراشکوہ کا معلم مقرر کیا تھا۔ شاہ جہاں ان کی انتہائی توقیر کرتا تھا اور انھیں کئی دیہات بھی بطور عطیہ دیے تھے۔ مرأۃ العالم کے مطابق شاہ جہاں نے انھیں اپنے بیٹے عالمگیر کا

Marfat.com

استاذ مقرر کیا۔ مرآۃ العالم کا مصنف بختاور خاں کہتا ہے کہ عالم گیر جذبۂ عقیدت و احترام سے مغلوب ہو کر عام طور سے کہا کرتا تھا کہ مولانا عبداللطیف میرے استاذ ہیں۔ مجھ پر ان کے بہت حقوق ہیں۔ میں نے ان سے علوم و فنون حاصل کیے ہیں۔ وہ مجھے دیگر اساتذہ کی نسبت بہت اہتمام اور کوشش سے پڑھاتے تھے اور مجھ پر بہت شفقت فرماتے تھے۔

مرآۃ العالم کے مطابق ان کی وفات ۱۰۴۲ھ میں ہوئی اور ان کے بعض ساتھیوں نے "آفتاب علم را آمد کسوف" کے الفاظ سے ان کی تاریخ وفات نکالی۔

"تذکرۃ العلماء" میں ہے کہ ان کی وفات ۱۰۳۶ھ میں ہوئی، لیکن یہ قابل اعتماد نہیں۔[۵۱]

تذکرہ علمائے ہند میں۔ ان کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

"ملا عبداللطیف سلطان پوری از معلمان اورنگ زیب عالم گیر بادشاہ بود۔ در معقولات و منقولات مہارت تمام داشت۔ سال یک ہزار و سی و شش ہجری وفات یافت

آفتاب علم را آمد کسوف

مادہ تاریخ فوتش یافتہ اند"[۵۲]

مولانا محمد ہاشم گیلانی

عالم گیر کے ایک استاذ شیخ علامہ محمد ہاشم بن محمد قاسم حسینی گیلانی تھے، جو بہت بڑے عالم اور نامور فاضل تھے۔ انھوں نے علوم حکمیہ کی تحصیل مرزا ابراہیم ہمدانی اور نصیر الدین حسین شیرازی سے کی۔ فقہ، حدیث اور علوم عربیہ کے لیے شیخ محمد العربی محدث، شیخ عبدالرحیم الحسائی اور علامہ حسام الدین اسفرائینی کے پوتے، شیخ علی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے۔ بارہ سال حرمین شریفین میں اقامت پذیر رہے۔ بعد ازاں ہندوستان تشریف لے آئے۔ یہاں آکر شیخ علی گیلانی سے فنون ریاضی اور طب کی تکمیل کی۔ عرصہ تک باقاعدہ طبابت کرتے رہے۔ پھر احمد آباد میں سکونت اختیار کر لی اور وہاں سلسلۂ تدریس شروع کیا، جس سے بہت سے تشنگان علوم نے اپنی علمی تشنگی

---

۵۱ نزہۃ الخواطر ج ۵۔ ص ۲۴۷، ۲۴۸

۵۲ تذکرہ علمائے ہند ص ۱۳۲

بجہانی۔ احمد آباد میں جب دائرۂ شہرت وسیع ہوا۔ اور دور دور تک لوگ متعارف ہو گئے تو ہندوستان کے مغل حکمران شاہ جہان نے انھیں احمد آباد کے عہدۂ صدارت پر متعین کر دیا۔ کئی سال اس عہدۂ جلیلہ پر فائز رہے۔ اس کے بعد شاہ جہان نے ان کو اپنے بیٹے اورنگ زیب عالم گیر کا استاذ مقرر کر دیا۔

شیخ محمد ہاشم کی کچھ تصنیفات بھی ہیں۔ مثلاً تفسیر بیضاوی پر تعلیقات اور تحریر الاقلیدس پر مقالۂ تاسعہ دنوں مقالہ تک حاشیہ۔

اسی سال عمر پا کر ۱۰۶۱ھ میں بمقام اورنگ آباد وفات پائی۔[1]

شیخ محی الدین بہاری

شیخ علامہ محی الدین بن عبد اللہ حنفی بہاری بھی عالم گیر کے اساتذہ کی فہرست میں شامل ہیں۔ یہ عظیم المرتبت علما اور اپنے زمانے کے مشہور فقہا میں سے تھے۔ بہار کے نواح میں پیدا ہوئے اور نو سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر اپنے والد گرامی مولانا عبد اللہ کے حلقۂ تلامذہ میں شریک ہونے کی سعادت حاصل کی اور سترہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے۔ اس کے بعد تدریس کی طرف عنان توجہ مبذول کی اور اپنے شہر ہی میں مسند درس کا آغاز کیا اور ایک مدت تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ پھر دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں شاہ جہان نے اپنے لڑکے اورنگ زیب عالم گیر کے معلم مقرر کر دیا۔ عالم گیر کو متواتر بارہ سال تعلیم دی۔ پھر علامہ وجیہ الدین علوی گجراتی کے پوتے شیخ حمید سے منسلک ہو گئے اور ان سے تصوف و طریقت کی تعلیم حاصل کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام اطراف سے منقطع ہو کر اپنے شہر میں گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کر لی اور زہد و عبادت میں مشغول ہو گئے۔ انھیں ملا موہن کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ تصنیف و تالیف سے بھی تعلق تھا۔ چنانچہ علم نحو کی مشہور کتاب کافیہ ابن حاجب کی، مبحث غیر منصرف تک فارسی زبان میں شرح لکھی۔ ان کی علمی و تدریسی زندگی سے متعلق مختلف تذکرہ نگاروں نے متعدد واقعات نقل کیے ہیں جو بڑے دلچسپ ہیں۔ مآثر الکرام کے مطابق ان کی وفات ۱۰۶۸ھ میں ہوئی۔

---

[1] نزہتہ الخواطر ج ۵۔ ص ۳۹۵

Marfat.com

مرأۃ العالم میں بختاور خاں کا کہنا ہے کہ یہ عالم گیر کے سریر آرائے مملکت ہونے کے پہلے سال ہی وفات پا گئے تھے۔ وفات کے وقت ان کی عمر پورا اسی سال تھی۔ بعض لوگوں نے ان کی تاریخ وفات خود انہی کے قول "استاذ الملۃ والدین" سے نکالی ہے[1]

حاجی قاسم خوش نویس

حاجی قاسم خوش نویس سے عالم گیر نے خط نسخ سیکھا۔ ان کا ذکر عالم گیر نامہ (فارسی) میں عالم گیری کے ساتویں سال جلوس (۱۰۷۴ھ) میں کیا گیا ہے۔ چند دیگر حضرات کے ساتھ بادشاہ نے اس سال انھیں بھی انعام و اکرام سے نوازا تھا۔ الفاظ یہ ہیں۔

"و تقویٰ شعار شیخ محمد اشرف لاہوری و سید ہدایت اللہ قادری و حاجی قاسم خوش نویس و شیخ جمال محدث و شیخ قطب و ملا فرو غی شاعر و چندے دیگر ہر کدام بانعام یک ہزار روپیہ بہرہ اندوز مرحمت گشت و پنج ہزار روپیہ بز مرہ نغمہ سنجان و سرود سرایان آں بزم مسعود عطا شد"[2]

حاجی قاسم خوش نویس کے لڑکے عبداللہ کو بھی چار ہزار روپیہ بطور انعام عطا کیا۔[3]

شیخ علی بن محمد مقیم

شیخ علی بن محمد مقیم خطاط سے عالم گیر نے خط نستعلیق کی مشق کی۔ یہ فاضل آدمی تھے اور "جواہر رقم" کے لقب سے مشہور تھے۔ مرأۃ العالم میں بختاور خاں کا بیان ہے کہ انھوں نے فن خطاطی اپنے والد (محمد مقیم) سے سیکھا۔ سلطان شاہ جہاں کے دور حکومت میں وارد ہند ہوئے۔ اس نے انھیں اپنے بیٹے عالم گیر کا اتالیق مقرر کیا اور "جواہر رقم" کے لقب سے نوازا۔ عالم گیر، تخت حکومت پر متمکن ہوا تو انھیں اپنے کتب خانے کا ناظر و مہتمم بنا دیا۔ جہاں یہ بہترین خطاط اور خط نستعلیق میں عدیم النظیر تھے، وہاں عمدہ شاعر بھی تھے۔ بطور مثال ان کا یہ شعر ملاحظہ ہو۔

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۵۔ ص ۴۰۰ [2] عالمگیر نامہ ص ۸۵۷ [3] ایضاً ص ۸۶۲

نفسم سوختۂ فریاد خموشی دارم تاکہ در گرد سرمہ فروشی دارم[1]

علامہ محمد شفیع یزدی

اس کے ایک استاذ علامہ محمد شفیع یزدی (نواب دانشمند خان) تھے جو اقلیم ہند کے مشہور فضلا میں سے تھے۔ منتخب اللباب میں ہے کہ یہ شاہ جہاں کے عہد حکومت میں ۱۰۶۰ھ میں بحری راستے سے سورت میں داخل ہوئے۔ شاہ جہاں کو معلوم ہوا تو اس نے اپنے ہاں بلایا اور نہایت عزت و احترام سے پیش آیا۔

عمل صالح میں، محمد صالح کہتا ہے انھوں نے اپنے وطن ہی میں تحصیل علم کی اور تجارت کی غرض سے وارد ہند ہوئے اور بڑا نفع حاصل کیا۔ واپس وطن جانے کے لیے سورت پہنچے تو شاہ جہاں نے طلب کیا اور بلند مناصب سے نوازا۔

مرأۃ جہاں نما کے مطابق، شاہ جہاں نے انھیں "بخشیگری" پر متعین کیا اور پھر ان کے منصب و عہدہ میں برابر اضافہ کرتا رہا، لیکن اپنے آخری ایام زندگی میں ان تمام مناصب سے علیحدہ ہو کر دہلی میں گھر کے گوشۂ عافیت میں بیٹھ گئے۔ جب عالم گیر تخت نشین ہوا تو انھیں "میر بخشیگری" کے منصب پر سرفراز کیا۔ عالم گیر نے ان سے شروع سے آخر تک امام غزالی کی معروف تصنیف احیاء علوم الدین پڑھی، اس کے علاوہ کچھ اور کتابیں بھی پڑھیں۔

مآثر الامرا میں مرقوم ہے کہ یہ بہت بڑے عالم اور بحر تحقیق کے غواص تھے۔ ہندو اور عیسائی اور افرنگی اہل علم کثیر تعداد میں ان کے گرد رہتے۔ ان کے علم و فضل سے مستفید ہوتے اور مختلف علوم و فنون کے بارے میں مذاکرات کا سلسلہ جاری رہتا۔ اس طرح ان کا حلقۂ تعارف اور دائرۂ اثر بہت بڑھ گیا اور یہ اہل علم کے لیے مرکز و مرجع کی حیثیت اختیار کر گئے۔ فلسفہ، تاریخ اور عمرانیات میں بالخصوص وسیع المعلومات اور کثیر المطالعہ تھے اور مختلف زبانوں کے جید عالم۔

مآثر عالم گیری میں مرقوم ہے کہ انھوں نے ۱۰۷۸ھ میں میر بخشیگری کا عہدہ سنبھالا

---

[1] نزہۃ الخواطر۔ ج ۵۔ ص ۲۸۴، ۲۸۵

Marfat.com

اور پھر تمام عمر اس عہدہ پر متعین رہے۔
ماٰثرالامرا کے مطابق ۱۰ ربیع الاول ۱۰۸۱ھ میں عہد عالم گیری میں وفات پائی

عالم گیر کے مرشد

شیخ سیف الدین سرہندی عالم گیر کے مرشد تھے۔ یہ ۱۰۴۹ھ میں بمقام سرہند پیدا ہوئے اور علم و طریقت کی آغوش میں پلے بڑھے۔ اپنے والد ماجد شیخ محمد معصوم سرہندی کے حکم سے جو انھوں نے اشارۂ غیبی کی بنا پر کیا، دہلی میں اقامت گزین ہو گئے۔ وہاں مرجع طالبین، اور مجمع سالکین بن گئے۔ دہلی ہی میں اورنگ زیب عالم گیر نے ان سے طریقت کی تعلیم حاصل کی۔ شریعت کے انتہائی پابند اور بدعت و خلافِ شرع امور کے بدرجہ غایت مخالف تھے۔ امت محمدیہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے ہر آن کوشاں رہتے۔ اسی بنا پر ان کے والد مکرم نے انھیں "محتسب الامۃ" کا لقب دے رکھا تھا۔

پابندیٔ شریعت اور اجتنابِ بدعت میں اس درجہ سخت تھے کہ ایک مرتبہ عالم گیر نے محل میں تشریف لانے کی دعوت دی۔ اتباعِ سنت کے نقطۂ نظر سے یہ دعوت قبول فرمائی۔ محل میں داخل ہوتے وقت دیکھا کہ قلعہ کی دیوار کے پتھروں پر کچھ تصویریں نقش ہیں۔ وہیں رک گئے اور قلعہ میں داخل ہونے میں توقف فرمایا۔ بادشاہ معاملے کو بھانپ گیا اور ان تصویروں کو توڑنے کا حکم دیا، چنانچہ تصویریں توڑی گئیں تو آپ محل میں داخل ہوئے۔

سلاطین و امرا پر ان کا انتہائی رعب تھا۔ وہ مؤدب ہو کر سامنے کھڑے رہتے اور کسی کو ان کی موجودگی میں بیٹھنے کی جرأت نہ ہوتی۔ بہت ہی عمدہ لباس زیب تن کرتے۔ ایک مرتبہ بعض لوگوں کے ذہن میں یہ بات ابھری جو زبان پر بھی آ گئی کہ یہ لباس فاخرہ ہے اور اس میں کبر پایا جاتا ہے، اس قسم کا لباس پہننا اولیاء اللہ کے لیے مناسب نہیں۔ فرمایا میرا کبر، کبریائے حق عز و جل کے ظل کے مترادف ہے۔ ان کا لنگر خانہ آنے جانے والوں کے لیے کھلا رہتا اور روزانہ تقریباً ہزار آدمی

لہ نزہۃ الخواطر ج ۵۔ ص ۱۷۵، ۱۷۶

کھانا کھاتے۔ اور ہر شخص کی طبعی رغبت و منشا کے مطابق کھانا دیا جاتا۔

۲۰ جمادی الاولیٰ ۱۰۹۶ھ میں ۷۴ سال عمر پاکر عہد عالمگیری میں فوت ہوئے اور سرہند میں دفن کیے گئے۔ بعض حضرات نے تاریخ وفات "ہے ہے ستون دین افتاد" سے نکالی ہے۔[1]

"تذکرۂ علمائے ہند میں سن وفات ۱۰۹۸ھ مرقوم ہے" در سال ہزار و نود و ہشت ہجری وفات یافتہ۔[2]

شیخ محمد معصوم

شیخ سیف الدین سرہندی کا ذکر آیا ہے تو ان کے والد مکرم شیخ محمد معصوم سرہندی کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔

شیخ محمد معصوم عمری نقشبندی سرہندی ۱۱ شوال ۱۰۰۷ھ یا ۱۰۰۹ھ کو سرہند میں پیدا ہوئے۔ عادات و اطوار، صورت و سیرت، تقویٰ و طہارت اور تصوف و سلوک میں بالکل اپنے والد گرامی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد بن عبدالاحد سرہندی کے مشابہ تھے۔ بعض کتب درسیہ اپنے برادر کبیر شیخ محمد صادق سے اور زیادہ تر اپنے والد محترم اور شیخ محمد طاہر لاہوری سے پڑھیں (جو ان کے دادا شیخ عبدالاحد بن زین العابدین سرہندی اور ان کے بعد مجدد الف ثانی کی رفاقت و صحبت سے فیض یاب ہوئے تھے اور لاہور کے مشہور فاضل تھے تاریخ وفات ۲۰ محرم ۱۰۴۰ھ ہے) علم طریقت و سلوک اپنے باپ سے حاصل کیا۔ قرآن مجید صرف تین مہینے میں حفظ کر لیا تھا۔ مجدد الف ثانی نے اپنے اس بیٹے کو ورع و تقویٰ کے مقامات عالیہ پر پہنچنے کی بشارت دی تھی جو پوری ہوئی۔ والد کی وفات کے بعد مسند سلوک و ارشاد پر فائز ہوئے۔ حرمین شریفین کا بھی سفر کیا اور حج و زیارت سے بہرہ ور ہوئے۔ عرصہ تک مدینہ منورہ میں قیام فرمایا۔ وطن واپس آئے تو تمام عمر درس و تدریس اور افادۂ عام میں صرف کر دی۔ زیادہ تر تفسیر بیضاوی، مشکوٰۃ، ہدایہ، عضدی اور تلویح کی تدریس فرماتے تھے۔ دنیائے اسلام کے

---

[1] نزہتہ الخواطر ج ۵۔ ص ۱۶۰، ۱۶۱
[2] تذکرہ علمائے ہند۔ ص ۸۴

Marfat.com

مختلف حصوں میں جن لوگوں نے ان سے شرف بیعت حاصل کیا، ان کی مجموعی تعداد نو لاکھ کے قریب ہے اور ان کے خلفا کی تعداد سات ہزار۔ اپنے والد (مجدد الف ثانی) کی طرح شیخ معصوم کے مکتوبات کا بھی ذخیرہ موجود ہے۔ یہ مکتوبات تین مجلدات میں پھیلے ہوئے ہیں، جن میں تصوف و طریقت کے اسرار و لطائف بیان کیے گئے ہیں۔ ان کی وفات ۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ میں سرہند میں ہوئی اور وہیں مدفون ہوئے۔[1]

بختاور خاں عالمگیر کا نامور سوانح نگار

بخت یاور خاں، جو بختاور خاں کے نام سے مشہور ہے، فاضل آدمی تھا اور عالمگیر کے خاص ندما و امراء ثقات و مشیرین اور حلقۂ رکاب میں سے تھا۔ تیس سال اس کی خدمت میں رہا۔ تاریخ و سیر اور ادب و انشا میں ماہر اور دین و دانش اور حسنِ کلام میں یکتا تھا۔ علما و فضلا سے تعلق خاطر رکھتا تھا۔ کئی کتابوں کا مصنف ہے۔ جن میں مرأۃ العالم بڑی قابل اعتماد اور بہترین کتاب ہے۔ ایک کتاب منتخب حدیقۂ سنائی، منتخب کلیات عطار اور منتخب مثنوی معنوی ہے، جس کو ایک ہی کتاب میں جمع کر دیا گیا ہے۔ اس لب لباب سہ کتاب است، ایک تاریخ الالفی ہے، جو احمد بن نصر اللہ ٹھٹھوی کے لیے لکھی۔ ایک اس کی بیاض بھی ہے جو بڑی نادر اور عمدہ چیز ہے۔ اس کی ایک تصنیف ریاض الاولیا ہے۔ جو حالات و اخبار مشائخ پر مشتمل ہے۔ خود بختاور خاں کے لیے متعدد علمائے دہر نے کتابیں لکھیں۔ مثلاً قاضی ابو بکر اکبر آبادی نے عربی زبان میں فقہ سے متعلق ایک کتاب تصنیف کی، جس میں مذہب امام ابو حنیفہ کے مطابق معمول بہ مسائل جمع کیے گیے ہیں اور بختاور خاں کے نام سے منسوب کی گئی ہے۔ پھر ملا محمد نافع اکبر آبادی نے خلاصۃ الخانیہ کے نام سے فارسی زبان میں مسائل فقہ حنفیہ پر محتوی کتاب تالیف کی۔ حکیم عبد اللہ اکبر آبادی نے جو مشہور عالم تھے اور علوم پر گہری نظر رکھتے تھے ۱۰۹۱ھ میں طب کے موضوع پر ایک رسالہ لکھا اور اسے "ہمدم بخت" کے نام سے موسوم کیا۔ بختاور خاں ۱۵ ربیع الاول ۱۰۹۶ھ میں ارض دکن میں فوت ہوا۔ عالمگیر نے اس

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۵۔ ص ۴۰۷، ۴۰۸

موت پر از حد حزن و ملال کا اظہار کیا۔ نمازِ جنازہ خود پڑھائی، جنازہ کو کندھا دیا اور مشایعت کی۔ پھر میّت کامل احترام کے ساتھ دہلی بھیجی گئی اور وہیں مدفون ہوا۔

فتاویٰ عالم گیری، جسے "فتاویٰ ہندیہ" کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے، اسی مشہور مغل حکمران اورنگ زیب عالم گیر کے زمانے میں مرتب کیا گیا اور اسی کے حکم اور سعی و کوشش سے معرضِ تصنیف میں لایا گیا اور پھر اسی کے نام سے منسوب ہوا، جس کے حالات گزشتہ سطور میں مختصر الفاظ میں بیان کیے گئے ہیں۔ یہ فتاویٰ اس دور کے معروف علمائے کرام اور مستند فقہائے عظام کی ایک بڑی جماعت نے مرتب کیا تھا۔ فتاویٰ عربی زبان میں ہے اور چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ مضامین و مندرجات کے اعتبار سے یہ فقہ کی نہایت مفصل کتاب ہے جو مختلف اوقات میں مختلف سائزوں پر زیورِ طبع سے آراستہ ہوتی رہی۔ مطبع نول کشور لکھنؤ بھی اسے چھاپ چکا ہے اور مطبع المجیدی کانپور سے حاجی محمد سعید تاجر کتب کلکتہ خلاصی ٹولہ نمبر ۸۵ اور دیگر مطابع بھی بڑے اہتمام و انصرام سے اس کی طباعت کا شرف حاصل کر چکے ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں اس کے ایک حصے کا ایک قلمی نسخہ بھی موجود ہے، جس کا نمبر ۲۵۰۹۸ ہے اور ۴۱۱ اوراق کو محتوی ہے، بہترین خطِ نسخ میں ہے۔ یہ نسخہ اپنے دامن صفحات میں مندرجہ ذیل مضامین کو سمیٹے ہوئے ہے۔

کتاب الدعوی، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربۃ، کتاب الودیعۃ، کتاب العاریۃ، کتاب الھبۃ، کتاب الاجارۃ، کتاب المکاتب، کتاب الولاء، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر، کتاب الماذون، کتاب الغصب،

گلستانِ فقہ

واقعہ یہ ہے کہ اسلامی ہند میں فتاویٰ عالم گیری کی ترتیب و تالیف بہت بڑی علمی خدمت ہے جو ایک نیک دل اور صاحب علم حکمران کی سعی بلیغ سے اس برصغیر کے فحول علما اور نامور فقہا کی ایک منظم جماعت کے ہاتھوں انجام دی گئی۔ اس اہم کام کا جس انداز سے

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۵۔ ص ۹۸، و مآثر عالم گیری وغیرہ۔

آغاز ہوا، جس نہج سے یہ مختلف منازل سے گزرا اور پھر جس اسلوب سے یہ تکمیل پذیر ہوا، اس کی مثال نہ صرف یہ کہ برصغیر پاک و ہند پیش نہیں کر سکتا، پوری دنیا اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔ اس کے مرتبین نے پیش آئند مسائل کا ایک دلآویز گلستان سجا دیا ہے اور اس کے صفحات پر مسائل گوناگوں کی ایک نکہت انگیز فقہی جنت بسا دی ہے۔ اس میں عبادات اور معاملات دونوں پہلوؤں کو وضاحت سے بیان کیا گیا ہے اور ہر مسئلے کے ہر گوشے کو مستند کتبِ فقہ کے حوالوں سے منقح کیا گیا ہے۔ تشنگی کسی حصے میں بھی حتی الامکان باقی نہیں رہنے دی گئی۔

ان سطور میں ہم اپنی محدود علمی استعداد اور قلیل بضاعتِ معلومات کے مطابق، اس فتاویٰ کے بارے میں انشاء اللہ درج ذیل امور پر اظہارِ خیال کریں گے:

- فتاویٰ کے مشمولات و مضامین۔
- اس کی علمی و فقہی اہمیت۔
- حصۂ عبادات اور حصۂ معاملات۔
- فتاویٰ کی خصوصیات۔
- فتاویٰ کی تصنیف کے اصل محرک و ساعی، اورنگ زیب عالمگیر اور اس کا ذوقِ علمی
- اس کے مرتبین کے حالات۔
- اس کے ترجمے اور مترجمین۔
- ان کتابوں کا تعارف جن سے اس کی ترتیب میں استفادہ کیا گیا۔

عین ممکن ہے، بعض چیزیں ہماری رسائی فہم سے بالا ہوں یا اس سلسلے کی کچھ باتیں ہمارے ذہن کی گرفت میں نہ آسکی ہوں اور معزز قارئین کچھ تشنگی محسوس کریں اور "ھل من مزید" کے طالب ہوں تو اس کے متعلق ہم اہلِ علم کے بابِ عالی پر دستک دیں گے کہ از راہ کرم وہ اس طرف عنانِ توجہ مبذول فرمائیں اور اس موضوع سے متعلق دلچسپی رکھنے والے حضرات کی سیرابیٔ ذہن کا مزید سامان فراہم کریں۔ نیز اس راقم السطور کی غلطیوں کی نشان دہی فرما کر اس عاجز کو بھی شکریہ کا موقع دیں اور خوانندگانِ محترم کی بھی صحیح علمی راہنمائی کریں۔

Marfat.com

مشمولات و مضامین

فتاویٰ عالم گیری جن مضامین و مشمولات پہ محیط ہے اس کی فہرست یہ ہے:

کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوٰۃ، کتاب الزکوٰۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح، کتاب الرضاع، کتاب الطلاق، کتاب العتاق، کتاب الایمان، کتاب الحدود، کتاب السرقۃ، کتاب السیر، کتاب اللقیط، کتاب اللقطۃ، کتاب الاباق، کتاب المفقود، کتاب الشرکۃ، کتاب الوقف، کتاب البیوع، کتاب الصرف، کتاب الکفالۃ، کتاب الحوالۃ، کتاب ادب القاضی، کتاب الشہادات، کتاب الرجوع عن الشہادۃ، کتاب الوکالۃ، کتاب الدعویٰ، کتاب الاقرار، کتاب الصلح، کتاب المضاربۃ، کتاب الودیعۃ، کتاب العاریۃ، کتاب الہبۃ، کتاب الاجارۃ، کتاب المکاتب، کتاب الولاء، کتاب الاکراہ، کتاب الحجر، کتاب الماذون، کتاب الغصب، کتاب الشفعۃ، کتاب القسمۃ، کتاب المزارعۃ، کتاب المعاملۃ، کتاب الذبائح، کتاب الاضحیۃ، کتاب الکراہیۃ، کتاب التحری، کتاب احیاء الموات، کتاب الشرب، کتاب الاشربۃ، کتاب الصید، کتاب الرہن، کتاب الجنایات، کتاب الوصایا، کتاب المحاضر والسجلات، کتاب الشروط، کتاب الحیل، کتاب الخنثیٰ، مسائل شتی، کتاب الفرائض

یہ ہیں وہ موٹے موٹے عنوانات، جو دیگر کتب حدیث و فقہ کی طرح "کتاب" کے لفظ سے بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں سے سوائے کتاب اللقیط، کتاب اللقطۃ، کتاب الاباق اور کتاب المفقود کے باقی تمام عنوانات میں الگ الگ "باب" مقرر کیے گئے ہیں اور ہر باب میں "فصل" کے تحت کچھ ذیلی عنوانات قائم کرکے مسئلہ زیر بحث سے متعلق بہت سے ضمنی مسائل کی وضاحت کی گئی ہے۔ مثلاً کتاب الطہارۃ سات ابواب پر مشتمل ہے۔ جنھیں باب اول، باب ثانی، باب ثالث، باب رابع کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔ پھر ہر باب کے تحت کچھ فصول ہیں، جنھیں فصل اول، فصل ثانی، فصل ثالث کے عنوان سے لکھا گیا ہے۔ زیادہ واضح الفاظ میں یوں سمجھیے:

Marfat.com

باب اوّل۔ وضو کے بیان میں۔

فصل اول۔ فرائضِ وضو کے بیان میں۔

فصل دوم۔ وضو کی سنتوں کے بیان میں۔

فصل سوم۔ مستحباتِ وضو کے بیان میں۔

پھر:

باب دوم۔ غسل کے بیان میں۔

فصل اوّل۔ غسل کے فرضوں میں۔

فصل دوم۔ غسل کی سنتوں میں۔

فصل سوم۔ ان چیزوں کے بیان میں جن میں غسل واجب ہوتا ہے۔

کچھ مقامات ایسے بھی ہیں، جہاں باب اوّل، باب دوم، باب سوم ہی لکھے گئے ہیں، ان کے تحت "فصل" کا لفظ یا تو بالکل نہیں ہے یا بہت کم ہے۔ مثلاً "کتاب القاضی" کا انداز یہ ہے:

پہلا باب۔ ادب وقضا کے معنی اور اس کے اقسام وشرائط کے بیان میں۔

دوسرا باب۔ منصب قضا اختیار کرنے کے بیان میں۔

تیسرا باب۔ دلائل پر عمل کرنے کی ترغیب۔

چوتھا باب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں صحابہ کرام اجتہاد کرتے تھے یا نہیں۔ اس میں علما کا اختلاف۔

پانچواں باب۔ قاضی کے تقرر اور اس کی معزولی کے بیان میں۔ وغیرہ وغیرہ۔

فتاوی عالم گیری میں اس بات کا تقریباً التزام کیا گیا ہے کہ ہر کتاب کے شروع میں مسئلۂ متعلقہ کے معنی ومطلب کی وضاحت کی گئی ہے۔ مثلاً کتاب الحوالہ، کتاب الشہادات، یا کتاب الوکالہ وغیرہ سب کے آغاز میں اس کی ضروری تصریح کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ حوالہ کے کیا معنی ہیں، شہادت کا کیا مطلب ہے اور وکالہ کسے کہتے ہیں۔

فتاویٰ کی فقہی اہمیت

فتاویٰ عالم گیری فقہ حنفی پر مشتمل ہے اور اس مسلک کی ایک ضخیم اور مفصل کتاب ہے۔ فقہی اعتبار سے اس کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں جو مسائل بیان کیے گئے ہیں وہ یا تو راجح اور مفتیٰ بہ ہیں یا ظاہر الروایت کے ہیں۔ یعنی فقہ حنفی کی ان چھ معروف کتابوں سے ماخوذ ہیں، جو امام محمد رحمہ اللہ کی تصنیف ہیں اور جنھیں ظاہر الروایت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ وہ ہیں، جامع الکبیر، جامع الصغیر، المبسوط، الزیادات، السیر الکبیر اور السیر الصغیر۔ یہ کتابیں علمائے فقہ میں بجا طور پر عظیم اہمیت کی حامل ہیں اور فقہ حنفی کی رفیع الشان عمارت انھی کتابوں کی بنیاد پر استوار ہے۔

اس کی فقہی اہمیت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ فقہ کی تمام اہم اور قابل ذکر کتابوں کا نچوڑ ہے اور اس کے مآخذ و مراجع فقہ میں بڑی وقعت کے مالک ہیں۔

مآخذ

فتاویٰ عالم گیری کے مآخذ یہ ہیں:

الوافی، الکافی، خزانۃ الفقہ (از امام ابو اللیث م ۳۸۳ھ) الملتقط، الزاد، الفتاویٰ الغیاثیہ، الفتاوی الحجۃ، فتاوی برہانیہ، فتاوی تاتارخانیہ (از عالم بن العلاء) منیۃ المصلی، کنزالدقائق، ھدایہ (از برھان الدین مرغینانی) شرح طحاوی، الذخیرہ، شرح منیۃ المصلی، المضمرات یا جامع المضمرات، البدائع، المغنی، عینی شرح ھدایہ، الخلاصہ، الفرائض الزاھدی (از ابو الرجاء مختار بن محمود، م ۶۵۸ھ) الظھیریہ، (از ظھیر الدین بخاری، م ۶۱۹ھ) المحیط (اس نام کی دو کتابیں ہیں، ایک المحیط الرضوانی، جو برھان الدین صدر الشریعہ کی تصنیف ہے دوسری المحیط جو السرخسی کی تالیف ہے) طحاوی، فتاوی قاضیخان، شرح وقایہ، التبیین (امام نسفی) المحیطین (غالباً اس سے المحیط البرھانی اور المحیط السرخسی مراد ہے) السراج الوھاج، الفتح القدیر (ابن الہمام) البحر الرائق (الجامع الصغیر (از امام محمد) الجامع الوجیز (الکردری ۸۱۲ھ) فتاوی سراجیہ (از اوشی الفرغانی، سال تصنیف ۵۶۹ھ)

الاختیار فی شرح المختار، کفایہ شرح ہدایہ (از جلال الدین خوارزمی) الجوہرۃ النیرۃ،
شرح قدوری (از ابوبکر الحدادی) القنیہ، المحیط السرخسی، النہر الفائق، المبسوط
(امام سرخسی) فتاوی شیخ الاسلام المعروف بخواہر زادہ) شرح المبسوط، العتابیہ،
خزانۃ المفتین (از امام حسین بن محمد السمنقانی۔ م ۷۴۰ھ) عینی شرح کنز، المغنی و
المزید، شرح منیہ (از ابن امیر الحاج) خزانۃ الفتاوی (از احمد بن محمد الحنفی صاحب
مجمع الفتاوی) الاسرار فی الاصول والفروع (از ابوزید عبید اللہ بن عمر الدبوسی
م ۴۳۰ھ) شرح الزیادات، النقایہ (از شیخ ابو المکارم) الصغری، شرح المجمع (از ابن
الملک) التجنیس صاحب ہدایہ، الفتاوی العتابیۃ المعروف بجامع الفتاوی، الفتاوی
الولوالجیہ، فتاوی الامام کرخی، الفتاوی الکبری (از حسام الدین عمر بن عبد العزیز
م ۵۳۶ھ) الفتاوی الصغری (از حسام الدین عمر بن عبد العزیز م ۵۳۶) الفتاوی الغرائب
فتاوی التمرتاشی، فتاوی العتابیہ (از ابو نصر عتابی) فتاوی قراخانی، الصیرفیہ
یا فتاوی اہو، مختار الفتاوی (از ابو الفضل مجد الدین الموصلی م ۶۸۳ھ) التنویر
شرح تلخیص جامع الصغیر، العنایہ شرح الہدایہ، شرح تلخیص جامع الکبیر، شرح
کتاب الاستحسان (کتاب الاستحسان، ثمنی کی ہے۔ اس کے شارح شمس الائمہ حلوانی ہیں) فتاوی
ابی الفتح (از مجد الدین ابو الفتح م ۶۳۲ھ) فتاوی الخجندی، فتاوی رشید الدین،
فتاوی نسفی، فتاوی فضلی، شرح الزیادات للعتابی (از ابو القاسم احمد بن محمد
العتابی م ۵۸۶ھ) الاسعاف (برہان الدین ابراہیم بن ابوبکر الطرابلسی م ۸۴۳ھ)
(یہ کتاب اوقاف کے مسائل و جزئیات کا مجموعہ ہے) المستصفی، شرح ادب القاضی، نوادر
ابن سماعہ، الواقعات الحسامیہ، فوائد نظام الدین، کتاب رزین، البحر الزاخر
فصول الاستروشنی (از امام مجد الدین ابو الفتح م ۶۳۲ھ) فوائد العلامۃ شیخ
الاسلام برہان الدین، شرح المبسوط، قدوری، ینابیع یعنی ینابیع الاحکام
(از اسفرائنی) شاہان، شرح الہدایۃ، شرح مقدمہ ابی اللیث، المحیط السرخسی
وقایہ، المصفی، الکفایہ، التہذیب (از شیخ احمد القلانسی) جامع الجوامع،

Marfat.com

جواہر الاخلاطی، الحصیری البرجندی، غایۃ البیان شرح ہدایہ، اقرار العیون، مختارات النوازل (از صاحب الہدایہ) شرح ہدایہ (از ابوالعباس احمد بن ابراہیم السروجی) المنتقی، الواقعات، المجتبی، التحریر شرح جامع الکبیر للحصیری (از جمال الدین محمود بن احمد البخاری المعروف بالحصیری م ۶۳۶ھ) البقالی، الفصول العمادیہ (از جمال الدین بن عماد الدین الحنفی) الحاوی المقدسی (از قاضی جمال الدین احمد بن محمد م ۵۹۳ھ یا ۶۰۰ھ) کفایہ شرح ہدایہ (از جلال الدین خوارزمی)، الصیام، شرح طحاوی انتہا

خصوصیات

فتاویٰ عالمگیری اپنے اندر کچھ خصوصیات رکھتا ہے اور چند ایسے اوصاف کا حامل ہے جو فقہ کی دوسری کتابوں میں نہیں پائے جاتے۔

اس کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ یہ صرف ایک شخص یا دو چار علما کی علمی کوششوں کا نتیجہ نہیں، بلکہ یہ علمائے دین اور فقہائے کرام کی ایک بڑی جماعت کی مساعی جمیلہ سے معرض تصنیف میں آیا۔ عالمگیر نے جن علمائے کرام کو اس کی ترتیب و تالیف کے لیے منتخب کیا، وہ یہی نہیں کہ اس دور کے علمی میدان میں اپنا حریف نہ رکھتے تھے، زہد و تقویٰ اور تدین و پارسائی میں بھی ان کا مقام بلند تھا۔ انھوں نے کمال محنت اور بدرجۂ غایت عرق ریزی سے یہ اہم فریضہ انجام دیا۔ اور چونکہ یہ علمائے فقہ کی ایک پوری جماعت کی تگ و تاز علمی کا نتیجہ ہے، اس لیے اس میں فقہی اعتبار سے غلطی کا امکان کم ہے۔

اس کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اسلامی ہندوستان میں علم فقہ کی یہ پہلی مفصل و مبسوط کتاب ہے، جو ایک دیندار بادشاہ کی ذاتی سعی و محنت سے لکھی گئی اور اس پر عمل کی مستحکم دیواریں تعمیر کی گئیں۔ اور پھر یہ کتاب کئی بار کتابت و طباعت کی منزلوں سے گزری، فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں اس کے ترجمے بھی کیے گئے، تاکہ اس کے مضامین و مندرجات سے زیادہ سے زیادہ لوگ مستفید ہو سکیں۔ اس کتاب کے علاوہ بھی مختلف حکمرانوں کے دور میں فقہا نے فتاوے ترتیب دیے اور اس دور کے حکمرانوں کے نام منسوب کیے۔ لیکن یا تو وہ ایک قلمی کتاب سے آگے کی منزل کو نہ پہنچ سکے یا پھر ان میں سے کوئی ایک

Marfat.com

قدم آگے بڑھ کر طباعت کے مرحلے سے گزرا بھی تو کماحقہٗ شہرت نہ حاصل کرسکا، لیکن فتاویٰ عالمگیری اس باب میں سب پر فوقیت لے گیا اور علمی دنیا میں ایک اونچے مقام پر سرفراز ہو گیا۔

اس کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں فقط حصۂ عبادات ہی کو اہمیت نہیں دی گئی، اس کا حصۂ معاملات بھی متعدد ضروری تفصیلات اور جزئیات پر مشتمل ہے اور اہم مسائل کو محیط ہے۔

چوتھی اور اہم خصوصیت اس کی یہ ہے کہ ہر مسئلہ کے ماخذ کا حوالہ دیا گیا ہے اور اگر اصل کتاب (جس کا حوالہ دیا گیا ہے) سامنے نہیں ہے اور مسئلہ دوسری کتاب سے نقل کیا گیا ہے تو "ناقلاً عن فلاں" کا لفظ لکھ کر اصل ماخذ کا ذکر کر دیا گیا ہے۔

بہر حال کتاب اپنے مآخذِ فقہی، مصادرِ علمی اور خصوصیاتِ گوناگوں کے اعتبار سے نہایت شاندار ہے۔

فتاویٰ عالمگیری کا سالِ تالیف

یقین اور قطعیت کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ فتاویٰ عالمگیری کی تصنیف و تالیف کا آغاز کب ہوا اور کتنی مدت میں یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا "عالم گیر نامہ" کے مصنف منشی محمد کاظم بن محمد امین نے ایک عنوان قائم کیا ہے۔

"آغاز سال دہم والائے دولت عالمگیری
مطابق سنہ ہزار و ہفتاد و ہفت، ہجری[۵]"

جیسا کہ گزشتہ سطور میں واضح کیا گیا ہے، عالم گیر نے چالیس سال کی عمر میں ۱۰۶۸ھ میں ہندوستان کی زمام حکومت ہاتھ میں لی اور ۱۰۷۷ھ میں وہ انچاس سال کی عمر کو پہنچے۔ چنانچہ اسی عنوان کے تحت عالم گیر نامہ میں گیارھویں سالِ جلوس کا بھی چند الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔ مرقوم ہے:

"در ہشتم شوال سالِ یازدہم از جلوس ہمایوں بظاہر دارالخلافہ رسید۔۔۔۔[۶]"

---

۵ عالمگیر نامہ (فارسی) ص ۱۰۳۰ مطبوعہ کالج پریس کلکتہ باہتمام ایشیاٹک سوسائٹی بنگالہ ۱۸۶۸ء ۶ ایضاً ص ۱۰۔۔

اس سے چند صفحات آگے چل کر بتایا گیا ہے :

"...... کرسن کرامت ترین منزل خمسین را کامیاب بمشات برکات داد و سعادات ساختہ......"[1]

یعنی قافلۂ عمر مبارک سیکڑوں برکات اور ہزاروں سعادات کے جلو میں پچاس کی منزل کو پہنچ گیا۔

اب اسی ضمن میں فتاویٰ عالم گیری کی ترتیب کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ "عالم گیر نامہ" کے فارسی الفاظ کا مفہوم یہ ہے۔

"اس داور رنگ زیبا کی بے شمار خدمات دینیہ اور متعدد امور اتباع شریعت میں سے ایک یہ ہے کہ اس وقت وہ بہت بڑے امر شرعی اور معاملہ دینی کی تکمیل میں مصروف ہے اور وہ اس طرح کہ تمام مسلمان، احکام دین متین کے سلسلے میں، اکابر علما اور ائمہ مذہب، فہم مسائل میں حنفی فقہ کے مطابق فتوے دیتے رہے، کیونکہ اسی کو معمول بہا سمجھا جاتا اور اسی کی روشنی میں عمل کے میدان میں قدم زن ہوا جاتا تھا۔ اب اس پر عمل نہیں ہو رہا ہے۔ اور جو مسائل کتب فقہ اور نسخہ ہائے فتاویٰ میں مذکور ہیں، ان میں فقہا اور علما میں اختلافات کی وجہ سے روایات ضعیفہ اور اقوال مختلفہ مخلوط ہو کر رہ گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ مسائل فقہ کا یہ سارا ذخیرہ کسی ایک ہی کتاب پر محتوی نہیں۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ جب تک بہت سی مبسوط اور مفصل کتابیں فراہم نہ ہوں کسی کو علم فقہ میں وسیع دست گاہ حاصل نہ ہو اور پورا استحضار نہیں ہو سکتا، نہ کوئی شخص حق صریح کو پا سکتا ہے، نہ استنباط مسئلہ مفتیٰ بہا کے قابل ہو سکتا ہے اور نہ حکم صحیح تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ اب بلاشبہ عالم گیر کے قلب و ضمیر پر یہ بات القا ہوئی کہ تمام بلند مرتبت علمائے فقہ کے جمع و اشتراک اور مجموعی کوشش سے یہ اہم کام کیا جائے اور اس کے کتب خانۂ خاص میں فن فقہ کا جو معتبر و مبسوط ذخیرہ اطراف و اکناف عالم سے فراہم کیا گیا ہے، اس کو مرکز

---

[1] عالم گیر نامہ فارسی، ص ۱۰۶۱/۱۰۶۲

توجہ ٹھہرایا جائے، تاکہ علمائے فقہ کامل تحقیق و تدقیق اور انیق غور و خوض سے ان مسائل کی جمع و تالیف کی خدمت سرانجام دیں اور سب کتابوں کو کھنگال کر ایسی جامع کتاب مرتب کریں جس کے تمام مسائل مفتیٰ بہا ہوں، تاکہ فتویٰ جاری کرنے کے باب میں قضاۃ اور مفتیانِ اسلام، اس موضوع سے متعلق تمام کتب اور مختلف ذخائر فقہ کے تتبع اور تفحص سے بے نیاز ہو جائیں۔

"اس عمدہ ترین مہم کو کامیابی سے سرانجام دینے کے لیے بادشاہ نے اس کے اہتمام و انصرام کی ذمہ داریاں شیخ نظام کے سپرد کیں، جو جامع فضائل معقول و منقول شخصیت ہیں۔ انھوں نے اس اہم کام کی تکمیل کے لیے کمر ہمت باندھ لی اور تمام اہل فضل و دانش کی متفقہ رائے سے پیش آئند مسائل فقہیہ کی جمع و تالیف میں مشغول ہو گئے۔ علما و فضلا کی جو جماعت دارالخلافہ میں موجود تھی اس عظیم خدمت میں مصروف ہو گئی۔ علاوہ ازیں کشور ہند کے ہر گوشے میں اطلاعات بہم پہنچا دی گئیں اور ان علوم میں جو حضرات مہارت و ممارست رکھتے تھے، بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے تاکہ ان کی مشاورت و موافقت سے یہ رفیع الشان کام مکمل ہو سکے۔ اس سلسلے میں ان کے لیے معقول وظائف اور مناسب عطیات کا بھی اور بادشاہ کے کتب خانۂ خاص سے کتابوں کا بھی بہترین انتظام کر دیا گیا ہے۔ اس کتاب کی تصنیف سے متعلق تمام مصارف خزانۂ شاہی سے پورے ہو رہے ہیں۔ جب یہ عمدہ ترین کتاب تکمیل و اتمام کے قالب میں ڈھل جائے گی اور اختتام کی صورت اختیار کر لے گی تو لوگوں کو تمام کتب فقہی سے بے نیاز کر دے گی اور اس کے اجر و ثواب کی برکتیں ابدالآباد تک اس شہنشاہِ ہند اورنگ زیب عالم گیر کے نامۂ اعمال میں ثبت و رقم ہوتی رہیں گی جو اپنی ذات اور ملکی کے اعتبار سے قدسی صفت انسان ہے"[۱]

یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ "عالم گیر نامہ" اورنگ زیب عالم گیر کے پہلے دس سالہ دورِ حکومت کے واقعات پر مشتمل ہے اور فتاویٰ عالم گیری کی جمع و تالیف کا

---

[۱] عالم گیر نامہ (فارسی) ص ۱۰۸۶، ۱۰۸۷

تذکرہ اس کتاب کے آخر یعنی دسویں سن جلوس میں کیا گیا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس فتاویٰ کی ترتیب اس وقت شروع ہوئی جب اورنگ زیب عالم گیر کو تخت ہند پر متمکن ہوئے دس سال کا عرصہ گزر چکا تھا اور وہ پچاس سال کی عمر کو پہنچ گیا تھا۔ لیکن فتاویٰ عالم گیری کی تالیف کا سلسلہ اسی سال ختم نہیں ہو گیا تھا، کیونکہ عالم گیر نامہ کے جس اقتباس کا ترجمہ ابھی دیا گیا ہے، اس کے آخری الفاظ یہ بتاتے ہیں کہ کتاب لکھی جا رہی ہے۔

ان الفاظ کا ترجمہ آپ پڑھ چکے۔ اصل الفاظ ملاحظہ ہوں:

"و چوں آں کتاب مستطاب صورت اتمام گیرد و پیرایۂ اختتام پذیرد، جہانیاں را از سائر کتب فقہی مغنی خواہد بود و برکاتِ اجر د ثوابش ابدالآباد در نسخہ حسنات شہنشاہ مؤید قدسی ملکات مثبت و مرقوم خواہد گشت"[1]

اس ضمن میں بختاور خاں نے مرأۃ العالم میں بھی قریب قریب یہی الفاظ تحریر کیے ہیں:

"چنانچہ قریباً دو لکھ روپیہ صرف لوازم ایں کتاب مستطاب کہ زیادہ از یک لکھ بیت باشد شدہ، انشاء اللہ ہر گاہ آرائش تمام و پیرایہائے اختتام یابد جہانیاں را از سائر کتب فقہی مغنی خواہد باشد"

مرأۃ العالم بھی اورنگ زیب کے عہد سلطنت کے ابتدائی دس گیارہ سال کے واقعات و حالات کو محیط ہے۔

عام طور پر مشہور ہے کہ فتاویٰ عالم گیری کی ترتیب و تدوین پر دو سال کی مدت صرف ہوئی۔ اگر یہ صحیح ہے تو اس کی تالیف کا آغاز ۱۰۷۷ھ یا ۱۰۷۸ھ میں ہوا اور تکمیل ۱۰۸۰ھ یا ۱۰۸۱ھ میں ہوئی۔!

عالم گیر کا کتب خانہ

اورنگ زیب عالم گیر علمی ذوق کا مالک تھا۔ اس کا اپنا ایک ذاتی کتب خانہ تھا

---

[1] عالم گیر نامہ، ص ۱۰۸۷

جو اُس دَور کے مطابق بڑا وسیع اور مختلف علوم و فنون سے متعلق کتابوں پر مشتمل تھا. فتاوٰی عالم گیری کی ترتیب و تالیف پر جو علما مقرر کیے گئے، وہ زیادہ تر اسی کتب خانے سے مدد لیتے تھے۔ چنانچہ عالم گیر نامہ کا مصنف رقم طراز ہے؛

"....کہ جمعے از علمائے پیرایۂ سریرا علی کتب معتبرہ و نسخ مبسوطۂ آں فن را کہ در کتاب خانۂ خاصۂ شریفہ بروزگان از اطراف و اکناف عالم فراہم آمدہ جلوہ گاہ انظار تتبع ساختہ، از روئے تحقیق و تدقیق و غوص و غور انیق بجمع و تالیف آں مسائل پرداختند....[1]"

آگے چل کر لکھا ہے کہ جو علمائے کرام، ترتیبِ فتاویٰ کا فرض انجام دے رہے ہیں، جہاں ان کے علمی مرتبے کے مطابق ان کے لیے وظائف و عطایا کا انتظام کیا گیا ہے، وہاں انھیں بادشاہ کے کتب خانۂ خاص سے کتابیں بھی مہیا کی جاتی ہیں۔ الفاظ یہ ہیں :

"....و ہمگی آں فریق بوظائفِ شائستہ و مواہب ارجمند کامیاب گشتہ بتقدیم آں امر مشغول شدند و از کتبے کہ بتمشیت آں امر را در کار شود نسخ صحیحہ از کتاب خانۂ خاصۂ شریفہ بفضلا حوالہ رفت....[2]"

عالم گیر کا یہ کتب خانہ اس کے آبا و اجداد کے زمانے سے چلا آرہا تھا اور مغلیہ خاندان کا ہر بادشاہ اپنے ذوقِ علمی کی روشنی میں انتہائی شوق سے اس کو ترقی دیتا اور اس میں اضافہ کرتا تھا۔ عالم گیر کے والد شاہ جہان کو بھی کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا اور یہی شوق عالم گیر کو بھی ورثے میں ملا اور اس نے اپنے پیش روؤں کے اس کتب خانے کو مزید وسعت دی۔ چنانچہ "ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے" میں "کتب خانے" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا گیا ہے، جس میں شاہانِ ہند اور شاہانِ مغلیہ کے کتب خانوں کے بارے میں خاصی تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ اس مضمون میں "عالم گیر کا کتب خانہ" کے ضمنی عنوان کے

---

[1] عالم گیر نامہ ص ۱۰۸۶ [2] ایضاً ص ۱۰۸۷

تحت بتایا گیا ہے کہ عالم گیر نے اپنے سے پہلے حکمرانوں کے کتب خانے میں مزید ترقی دی۔ مرقوم ہے:

"سلطان اورنگ زیب عالم گیر کے عہد میں اس کتب خانہ کو اور زیادہ ترقی ہوئی۔ اس کا ناظم محمد صالح تھا جو علیبنی خاں ترخان (سندھ) کا دوسرا لڑکا ہے اور مہتمم، مہابت خان کا پوتا محمد منصور مقرر ہوا۔ اس کو مکرمت خاں کا خطاب بادشاہ نے عطا فرمایا۔ ۱۰۶۹ھ میں اس کے مہتمم سید علی حسینی ہوئے۔ جیسا کہ ایک کتاب (قرآن شریف) کی مہر سے ظاہر ہوتا ہے، جو اس وقت رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے کتب خانہ میں موجود ہے۔"[1]

۱۔ شیخ نظام برہان پوری

جیسا کہ عالم گیر نامہ کے حوالے سے اوپر عرض کیا گیا ہے فتاویٰ عالم گیری کی ترتیب و تالیف پہ بہت سے علماء فقہا کو مقرر کیا گیا اور اس کا اہتمام اس دور کے مشہور عالم شیخ نظام برہان پوری کے سپرد کیا گیا اور انہی کے مشورہ سے اس عظیم کام کی انجام دہی کے لیے مختلف علما کو مامور و متعین کیا گیا تھا اس ضمن میں عالم گیر نامہ کے فارسی الفاظ کا ترجمہ پہلے دیا جا چکا ہے۔ اب اصل الفاظ ملاحظہ ہوں:

"...... وسرکردگی واہتمام ایں مہم صواب انجام بفضیلت مآب شیخ نظام کہ جامع فضائل معقول و منقول است، تفویض یافت کہ کمر سعی و اجتہاد بتمشیت ایں امر بستہ، باتفاق سائر اہل فضل و دانش جمع و تالیف آں مسائل نماید و گروہے از فضلا و علما کہ در پایۂ اورنگ خلافت بودند، بداں شغل شریف مامور شدند و در اطراف و اکناف کشور فضل پرور ہندوستان ہر جا کہ بسمت اشتہار و مہارت در علوم موسوم بود بموجب یرلیغ ہمایوں بجناب والائے سلطنت حاضر آمدہ...."[2]

مختلف تذکروں سے معلوم ہوتا ہے فتاویٰ عالم گیری کے مرتبین کا دائرہ بڑا

---

[1] ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے ص ۲۸۱،۲۸۰ شائع کردہ اعظم گڑھ ۱۳۸۳ھ (۱۹۶۳ء)

[2] عالم گیر نامہ ص ۱۰۸۶

Marfat.com

وسیع تھا، لیکن سوال یہ ہے کہ اس طویل فہرست میں کن کن خوش قسمت حضرات کے اسمائے گرامی مرقوم ہیں؟ اس کا جواب بہت مشکل ہے۔ کسی تذکرہ میں سب کے نام یکجا نہیں ملتے۔ بسیار تلاش و جستجو کے بعد جن علمائے عالی مقام کے نام ملے ہیں ان کے متعلق تفصیلی معلومات حاصل نہیں ہو سکے۔ جن بزرگوں کے نام اور ان کے بارے میں کچھ معلومات میسر آ سکے ہیں، وہ ذیل میں درج کیے جا رہے ہیں:

اس ضمن میں سب سے پہلے شیخ نظام برہان پوری کا نام آتا ہے۔ عالم گیر نامہ میں ان کے بارے میں جو الفاظ تحریر کیے گئے ہیں، وہ آپ کے مطالعہ میں آ چکے۔ اب دیگر تذکرہ نویسوں کے جمع کردہ معلومات بیان کیے جا رہے ہیں۔ نزہۃ الخواطر میں ان سے متعلق جو کچھ مرقوم ہے اس کا ترجمہ یہ ہے۔

"شیخ، عالم، فقیہ نظام الدین حنفی برہان پوری، اکابر فقہائے حنفیہ اور ان کے مشہور علما میں سے تھے۔ ان کا شمار ان بزرگوں میں ہوتا ہے، جو علوم میں متبحر کامل تھے اور جنھوں نے تحریر مسائل، نقل احکام اور محاسن فتویٰ نویسی میں خاص طور پر تحدید کی۔ ان کو قاضی نصیر الدین محدث برہان پوری سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ جب عالم گیر اپنے والد شاہ جہان کی طرف سے بلادِ دکن میں والی کی حیثیت سے متعین تھا تو اس نے شیخ نظام کو اپنے ساتھ وابستہ کر کے اپنے خاص ندیموں اور مشیروں میں شامل کر لیا تھا۔ بعد ازاں فتاوی ہندیہ کی ترتیب و تدوین کا وقت آیا تو دیگر فقہائے حنفیہ کی خدمات حاصل کر کے اس کا اہتمام ان کے سپرد کر دیا اور ان فقہا میں سے چار کو اس انداز سے ان کے نائب مقرر کیا کہ فتاوی کے چار حصے کر کے ان چار فقہا پر تقسیم کر دیے گئے۔ ان میں سے ایک قاضی محمد حسین جونپوری محتسب، دوسرے سید علی اکبر سعد اللہ خانی، تیسرے شیخ حامد جونپوری اور چوتھے مفتی محمد اکرم لاہوری تھے۔ شیخ نظام الدین نے اس خدمت جلیلہ کی انجام دہی کے لیے اپنی تمام مساعی وقف کر دیں۔ یہاں تک کہ اسے دو سال کی مدت میں مرتب کر دیا۔ اس کے نتیجے میں عالم گیر نے ان کے منصب میں بڑا اضافہ کیا اور ان کو، اس زمانے کے تمام تکلفات اور ان مروجہ درباری تسلیمات سے، جو بادشاہ کے ہاں حاضری کے وقت ضروری تھیں اور جنھیں "کورنش" سے تعبیر کیا جاتا تھا، مستثنیٰ قرار دے دیا۔"

"عالم گیر کے نزدیک شیخ نظام اس قدر اونچا علمی مرتبہ رکھتے تھے کہ وہ ان سے ہفتے میں تین دن امام غزالی کی معروف تصنیف احیاء علوم الدین، فتاویٰ عالم گیری اور بعض کتب سلوک سے متعلق مذاکرہ کرتا۔"

شیخ نظام الدین پورے چالیس سال عالم گیر سے وابستہ رہے اور اسّی سال سے زیادہ عمر پائی۔ ان کے ایک لڑکے عبداللہ تھے جنھوں نے اپنے باپ (شیخ نظام الدین) سے تعلیم حاصل کی اور اپنے زمانے میں بڑی تکریم و فضیلت حاصل کی۔[1]

مولوی رحمان علی مرحوم تذکرہ علمائے ہند میں شیخ نظام کے بارے میں لکھتے ہیں:

"شیخ نظام الدین برہان پوری تلمیذ قاضی نصیر الدین برہان پوری، بمرتبۂ اولیٰ کہ عالم گیر بنظم صوبہ دکن بعالم شہزادگی متعین بود، شیخ را با خود ملازم گرفتہ، شیخ قریب چہل سال بخدمتش ماندہ، بمنصب ہزار و پانصدی سرفرازی یافتہ، در فتاویٰ عالم گیری سعیِ فراواں نمود، از کورنش و دیگر تکلیفات معفو بود، باآنکہ سنین عمر از ثمانین تجاوز کردہ، در قویٰ تفاوت نداشت۔"[2]

یعنی شیخ نظام الدین برہان پوری، قاضی نصیر الدین برہان پوری کے شاگرد تھے۔ عالم گیر زمانۂ شہزادگی میں پہلی مرتبہ صوبۂ دکن کے عہدۂ نظامت پر متعین ہوا تو اس نے شیخ موصوف کو اپنے ساتھ وابستہ کر لیا۔ شیخ تقریباً چالیس سال اس کی خدمت میں رہے اور ایک ہزار پانسو کے منصب پر سرفراز ہوئے۔ انھوں نے فتاویٰ عالم گیری کی ترتیب میں از حد محنت و کوشش کی۔ کورنش اور دیگر تکلفاتِ درباری کی پابندی ان سے اٹھا دی گئی۔ باوجودیکہ عمر اسّی سال سے متجاوز ہو گئی تھی، قویٰ بالکل صحیح سالم تھے اور ان میں کوئی فرق نہ پڑا تھا۔

محبوب الالباب میں شیخ نظام الدین کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا گیا ہے کہ عالم گیر ان سے بڑی تکریم سے پیش آتا اور درباری آداب و تسلیمات کی تمام پابندیوں سے انھیں آزاد کر دیا تھا۔ الفاظ یہ ہیں:

"از کورنش و دیگر تکالیف نوکری معاف بود۔"[3]

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۵، ص ۴۲۰

[2] تذکرہ علمائے ہند ص ۲۴۲ - مطبوعہ نولکشور لکھنؤ ۱۹۱۴ء۔

[3] محبوب الالباب ص ۵۱۶۔

ذریعۃ الناظرین میں لکھا ہے کہ شیخ نظام بڑے عالم شخص تھے۔ عالم گیر جب اپنے دورِ شاہزادگی میں دکن میں متعین تھا تو اس نے ان کو اپنے سے منسلک کر لیا تھا اور پھر کبھی الگ نہیں کیا۔ شیخ موصوف اپنی خداداد صلاحیتوں اور بہترین استعداد کی وجہ سے سلطنت کے اہم مناصب پر فائز ہوئے۔

مرأۃ العالم میں بختاور خاں رقم طراز ہے کہ فتاویٰ عالم گیری کی ترتیب کے سلسلے میں علما کی سرکردگی شیخ نظام کو تفویض کی گئی:

"و سرکردگی ایں مہم اہم بقدوۃ الانام شیخ نظام تفویض یافت"[۱]

مآثر عالم گیری سے واضح ہوتا ہے کہ عالم گیر، شیخ نظام کی انتہائی تکریم کرتا اور اہم معاملات میں ان سے مشورہ لیتا تھا۔

فتاویٰ عالم گیری کی تدوین کے بارے میں مؤلف "مآثر عالم گیری" محمد ساقی ملقب بہ مستعد خاں لکھتا ہے:

"و چوں ہمگی ہمت والا نہمت براں مصروف بود کہ کافۂ اہل اسلام بمفتیٰ بہا مسائل علمائے مذہب حنفی عمل نمایند و مسائل مذکورہ در کتب فقہیہ بسبب اختلاف قضات و مفتیان بار دیات ضعیفہ و اقوال مختلفہ ایہما مخلوط است و معہذا مجموع آں را یک کتاب حاوی نیست و تا کتب بسیار فراہم نیاید و کس را استحضارے وافی و دستگاہے وسیع و تتبع کافی در علم فقہ نباشد استنباطے نتواند نمود۔ لاجرم عزم پادشاہ دین پناہ براں مصمم شد کہ گروہے از علمائے مشہور و فضلائے معروف ہندوستان کتب مطوّلہ معتبر آں فن را کہ در کتاب خانہ سرکار اقدس فراہم بود جلوہ گاہ انظار تتبع ساختہ استخراج مسائل مفتیٰ بہا نمودہ از مجموع آں نسخہ جامعہ ترتیب دہند تا ہم گناں را استکشاف مسائل معمول بہا بسہولت و آسانی دست دہد۔ و سرکردگی ایں مہم اہم بقدوۂ فضلائے انام شیخ نظام تفویض یافتہ و ہمگی آں فرقہ بوظائف شائستہ و مواہب ارجمند کامیاب گشتہ۔ چنانچہ قریب دو لک روپیہ صرف لوازم آں کتاب مستطاب کہ مسمّیٰ بفتاویٰ عالم گیری است گردیدہ و جہانیاں را از ساحہ

---

[۱] مرأۃ العالم ص ۲۷۴

کتب فقہی مفتیٰ شدہ[1]

اس عبارت کا مطلب و مفہوم یہ ہے کہ با ہمت بادشاہ کی یہ کوشش تھی کہ تمام اہلِ اسلام ان مسائل پر عمل کی دیواریں استوار کریں جو علمائے مذہب حنفیہ کے نزدیک مفتیٰ بہا ہیں اور چونکہ یہ مسائل فقہی کتابوں میں قاضیوں اور مفتیوں کے باہم اختلافات کی وجہ سے ضعیف روایات اور مختلف اقوال کے ساتھ خلط ملط ہو گئے ہیں اور یہ فقہی ذخیرہ کسی ایک ایسی کتاب میں موجود نہیں جو تمام مسائل پر حاوی ہو، لہٰذا تاوقتیکہ بہت سی کتابیں فراہم نہ ہوں اور مطالعہ میں نہ آئیں۔ پھر ان پر کسی کو پورا استحضار، وسیع دستگاہ اور علمِ فقہ میں کامل مہارت نہ ہو، وہ مسائل مستنبط کرنے اور ان کے مطابق حکم دینے کا اہل نہیں ہو سکتا۔

بلاشبہ پادشاہِ دین پناہ نے اس بات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ہندوستان کے مشہور علما اور معروف فضلا کی ایک جماعت کو حکم دیا کہ سرکاری کتب خانے میں جو کتابیں جمع کی گئی ہیں، ان کو سامنے رکھ کر مطولاتِ فقہ کی معتبر ترین کتابوں سے ایسی کتاب مرتب کریں اور ان سے وہ مسائل منتخب کریں جو مفتیٰ بہا ہوں تاکہ لوگوں کو معمول بہا مسائل تلاش کرنے میں سہولت حاصل ہو۔ اس جماعت علما کی سربراہی و صدارت شیخ نظام کو تفویض کی گئی اور اس اہم کام کی انجام دہی کے لیے علمائے کرام کے لیے مناسب وظائف اور معقول مواہب و عطیات مقرر کیے گئے۔ چنانچہ اس کتاب کی تدوین و ترتیب میں دو لاکھ روپے صرف ہوئے اور کتاب معرضِ وجود میں آئی تو "فتاویٰ عالم گیری" کے نام سے موسوم ہوئی۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کتاب نے لوگوں و علما و طلبا کو تمام کتبِ فقہ سے مستغنی اور بے نیاز کر دیا۔

شیخ نظام کے استاذ

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، شیخ نظام برہان پوری کے مفصل حالات کہیں مذکور نہیں، جو کچھ معلوم ہو سکا وہ پیش کیا جا رہا ہے۔ تذکروں میں ان کے استاذ قاضی نصیر الدین

---

[1] مآثر عالمگیری (فارسی)، ص ۵۲۹، ۵۳۰

Marfat.com

برہان پوری کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان کے مختصر حالات درج ذیل ہیں۔

قاضی نصیر الدین بن قاضی سراج محمد حنفی برہان پوری، فقہ، حدیث اور علوم عربیہ کے ممتاز علما میں سے تھے۔ ان کے زمانے میں کوئی شخص ان سے زیادہ عالم رجال و حدیث، متبع کتاب وسنت، صادق القول اور خوش اخلاق و بلند کردار نہ تھا۔ اپنے والد قاضی سراج محمد اور شیخ عثمان بن عیسیٰ سندھی سے تحصیل کی اور طویل عرصہ اپنے شیخ عثمان سے منسلک رہے۔ یہاں تک کہ علوم میں اس درجہ پختگی اور گہرائی حاصل کی کہ تمام معاصرین پر فوقیت لے گئے۔ اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ اٹھارہ سال کی عمر میں ایک مرتبہ ایک علمی بحث میں علامہ شکر اللہ شیرازی کو خاموش کرا دیا تھا۔

قاضی نصیر الدین اہل علم کے اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے، جو حدیث کو قیاس مجتہد پر ترجیح دیتے اور فرمان رسول کے مقابلے میں قیاس سے انکار کرتے ہیں۔ فرمایا کرتے، حدیث "علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل" موضوع ہے۔ اسی بنا پر ان کے خسر شیخ علم اللہ بیجاپوری نے انھیں کافر قرار دے دیا تھا اور ان پر فتویٰ لگا دیا تھا کہ انھیں قتل کر دیا جائے اور آگ میں جلا دیا جائے۔ اس فتوی پر عمل درآمد کرانے کی غرض سے شیخ علم اللہ بیجاپوری نے ایک محضر تیار کیا جس پر تمام علما سے مہریں ثبت کرائیں۔ صرف شیخ فضل اللہ برہان پوری اور شیخ عیسیٰ بن قاسم سندھی نے اس محضر کی تصویب و تصدیق سے انکار کیا۔ اس موقع پر عبدالرحیم بن بیرم خاں (یعنی خان خاناں) نے قاضی نصیر الدین کی مدد کی۔

ان علما نے یہ معاملہ شاہ ہند (جہانگیر) کے سامنے پیش کیا۔ اس نے ان دونوں (شیخ فضل اللہ برہان پوری اور شیخ عیسیٰ بن قاسم سندھی) کے نام حکم جاری کیا کہ دربار میں حاضر ہوں۔ اس کے بعد شیخ علم اللہ بیجاپور چلے گئے اور ابراہیم عادل شاہ بیجاپوری سے وابستہ ہو گئے اور قاضی نصیر الدین نے سفر حجاز کا ارادہ کیا۔ عبدالرحیم خان خاناں نے ان کا سامان سفر تیار کرایا اور ان کو سفر کی سہولتیں بہم پہنچائیں۔ وہ حرمین شریفین میں پانچ سال مقیم رہنے کے بعد ہندوستان واپس آئے۔ واپسی پر انگریزوں کی گرفت

میں آ گئے۔ کچھ عرصہ ان کے قبضے میں رہے۔ بعد ازاں انھیں رہا کر دیا گیا اور وہ ۱۰۲۴ھ میں بندرگاہ دابل میں داخل ہوئے، جو عادل شاہ کے زیرِ نگین تھی۔ عادل شاہ نے وہاں سے تین میل کی مسافت پر آگے بڑھ کے ان کا استقبال کیا اور انھیں باعزاز تمام دارالامارت میں لایا۔ جب جہانگیر بادشاہ بن اکبر بادشاہ نے ان کی حجاز سے واپسی کی خبر سنی تو ان کو اپنے دارالحکومت میں تشریف لانے کی دعوت دی اور تاکید کی کہ ہر حال میں قدم رنجہ فرمائیں، لیکن وہ برہان پور آکر اپنے گھر میں گوشہ نشین ہو گئے اور فیصلہ کر لیا کہ گھر کی چار دیواری سے باہر نہیں نکلیں گے۔ جہانگیر کا بیٹا خرم یعنی شاہ جہان برہان پور آیا تو انھیں وہاں سے آگرہ بھیجا۔ جہانگیر نے ان کی بہت تکریم کی۔ ایک طویل عرصے کے بعد اس نے انھیں برہان پور واپس جانے کی اجازت دی۔ وہاں آکر وہ گوشہ نشین ہو گئے۔ ان کی وفات ۱۰۳۱ھ میں ہوئی جیسا کہ "مآثرِ رحیمی" میں مذکور ہے۔[1]

تذکرہ علمائے ہند میں الفاظ کی کمی بیشی سے تقریباً اسی طرح ان کے حالات مرقوم ہیں۔ مثلاً لکھا ہے کہ قاضی نصیر الدین برہان پوری نے حرمین شریفین اور مقامات مقدسہ کی زیارت سے فارغ ہو کر پانچ سال کے بعد قصدِ وطن کیا تو ان کا جہاز فرنگیوں کے تسلط میں آگیا۔ فرنگیوں سے ان کی گفتگو ہوئی تو وہ ان کے کمالات سے بڑے متاثر ہوئے اور اپنے حاکم کے پاس لے گئے۔ لیکن قاضی نصیر الدین وہ آداب بجا نہ لائے جن کا حاکم کے سامنے بجا لانا ضروری تھا۔ ان لوگوں نے آداب بجا نہ لانے کی وجہ پوچھی تو فرمایا، جو آداب تم نے اپنے ذمے ضروری قرار دے رکھے ہیں، ہم ان کی پابندی نہیں کر سکتے۔

آگے چل کر لکھا ہے: جہانگیر نے ان کے متعلق سنا تو فرمان طلبی بھیجا اور حکیم خوشحال ولد حکیم ہمام کو تاکید کی کہ انھیں بہرصورت دارالخلافہ روانہ کر دیا جائے۔ وہ طوعاً و کرہاً بیجاپور سے اپنے وطن برہان پور پہنچے اور گھر سے باہر نہ نکلنے کا ارادہ کر لیا۔ اس زمانے میں شاہ جہان دکن کی صوبہ داری پر مامور تھا۔ وہ برہان پور آیا اور قاضی نصیر الدین کو

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۵، ص ۴۱۷، ۴۱۸

Marfat.com

طلب کیا۔ پہلے تو انھوں نے حاضری سے احتراز کیا۔ آخر شہزادہ شاہجہان کے پاس آئے مگر آدابِ شاہی بجا نہ لائے۔ شہزادے نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور کہا:

قاضی نصیر الدین ہم آپ سے ملنے کے لیے بہت بے تاب تھے اور آپ کی زیارت کے از حد مشتاق۔!

قاضی صاحب نے پوچھا۔ کس لیے"؟ کہا "آپ کے کمالات سن کر"

قاضی صاحب نے جواب دیا۔ اب مجھ میں وہ کیفیت باقی نہیں رہی۔

اس گفتگو سے اگرچہ مجلس میں کچھ ناخوشگواری کے آثار پیدا ہوئے تاہم شاہجہان نے قاضی نصیر الدین کو مجبور کر کے اپنے باپ جہانگیر کے پاس آگرہ بھیج دیا۔ وہاں پہنچے تو جہانگیر کی سواری باغ سے شاہی محل کی طرف جا رہی تھی۔ راستے میں ملاقات ہوئی اور تسلیمات بجا لانے کا ارادہ کیا۔ مگر بادشاہ نے جلدی سے ہاتھ پکڑ کر بغل میں لے لیا۔ چند روز بعد برہان پور جانے کی اجازت مل گئی اور بقیہ عمر، اللہ کی یاد میں بسر کر دی۔[1]

قاضی نظام کے ایک اور استاذ

شیخ نظام برہان پوری نے شیخ ابو تراب بن ابو المعالی بن علم اللہ حنفی صالحی امیٹھوی ثم بیجا پوری کے سامنے بھی زانوئے تلمذ تہ کیے۔ شیخ ابو تراب فقہ و اصول کے بلند پایہ علما میں سے تھے۔ یہ بیجا پور میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے شیخ علی محمد بن اسد اللہ علوی گجراتی سے تحصیل کی اور ایک عرصہ ان کے ساتھ منسلک رہے، یہاں تک کہ علوم میں اپنے تمام معاصرین پر فوقیت حاصل کر گئے اور ان کا شمار اپنے شہر کے اکابر علما میں ہونے لگا۔ پھر درس و افادۂ عام میں مشغول ہو گئے اور اس میں آدھی عمر صرف کر دی۔ اپنے زمانے میں شہر بیجا پور کی سیادتِ علمیہ کا منتہا نظر یہی تھے۔ فتاویٰ عالم گیری کے مرتب شیخ نظام الدین برہان پوری اور بہت علما نے ان کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہونے کا فخر حاصل کیا۔

---

[1] تذکرہ علمائے ہند (فارسی) ص ۲۳۸، ۲۳۹۔ اردو ترجمہ میں تاریخ برہان پور (ص ۱۵۳) کا حوالہ بھی دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو، تذکرہ علمائے ہند اردو ترجمہ ص ۵۲۱

Marfat.com

۲۰ صفر ۱۰۸۲ھ میں فوت ہوئے اور اپنے دادا شیخ علم اللہ کی قبر کے قریب دفن کیے گئے۔[۱]

۲۔ شیخ نظام الدین ٹھٹھوی سندھی

مرتبین فتاوی عالم گیری میں ایک عالم ٹھٹھ (سندھ) کے شیخ نظام الدین بن نور محمد بن شکر اللہ بن ظہیر الدین بن شکر اللہ حسینی ٹھٹھوی شامل ہیں۔ ان کا شمار سندھ کے ان علما میں ہوتا ہے، جو فقہ اور اصول میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ یہ ٹھٹھہ سے دہلی تشریف لائے اور فتاوی عالم گیری کی تدوین و تالیف میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ بعد ازاں یہ عالم گیر سے (فوجی) منصب کے طالب ہوئے لیکن اس نے یہ بات منظور نہ کی، اس لیے کہ وہ اہل علم کو فوجی خدمات پر مامور نہ کرتا تھا۔ اس نے ان کے لیے گراں قدر وظیفہ مقرر کر دیا مگر شیخ نظام الدین اس پر راضی نہ ہوئے اور ہمیشہ دارالخلافہ میں مقیم رہے۔[۲]

تذکرہ علمائے ہند میں ان کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

"سید نظام الدین ٹھٹھوی در فقہ از فقہا نام و در علوم اعلم کرام برآمدہ، بجذبہ طبع گرائیدہ سوئے شاہ جہاں آباد شتافت و در تالیف فتاوی عالم گیری بسے مشکلات حل کردہ۔ ٹھٹھہ شہریست از توابع سندھ"[۳]

یعنی سید نظام الدین ٹھٹھوی علم فقہ میں سب سے کامل اور دیگر علوم میں عالم اجل اور ماہر تھے۔ جذبہ رغبت طبع کی بنا پر شاہ جہان آباد (دہلی) تشریف لائے اور فتاوی عالم گیری کی تالیف میں بہت سے مشکل اور پیچیدہ مسائل کی عقدہ کشائی کی۔ ٹھٹھہ صوبہ سندھ کا ایک شہر ہے۔

تحفۃ الکرام کا بیان ہے کہ بعد ازاں انھوں نے وہاں سفر آخرت اختیار کیا۔[۴]

---

[۱] نزہۃ الخواطر ج ۵۔ ص ۱۳ [۲] ایضاً ج ۵۔ ص ۴۱۹، ۴۲۰ (مطبوعہ حیدر دکن ۱۳۷۵ھ / ۱۹۵۵ء)
[۳] تذکرہ علمائے ہند۔ ص ۲۸۸
[۴] تحفۃ الکرام (اردو ترجمہ) ص ۶۰۰ (شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ کراچی ۱۹۵۹ء)

Marfat.com

شیخ نظام الدین سندھ کے ایک بلند پایہ علمی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے آباؤ اجداد شیراز کے رہنے والے تھے، جنھوں نے بعد میں ہرات میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ اس خاندان کے ایک بزرگ قاضی شکر اللہ بن وجیہ الدین (یا وجیہ الدین) حدیث، فقہ، اصول اور علوم عربیہ کے جید علما میں سے تھے۔ علاوہ ازیں اتقا و تدین میں بھی انھیں بہرۂ وافر حاصل تھا۔ یہ بزرگ ۹۰۶ھ میں ہرات سے قندھار منتقل ہوئے۔ اکیس سال وہاں مقیم رہنے کے بعد ۹۲۷ھ میں سندھ کے ایک شہر ٹھٹھ تشریف لے گئے۔ اس زمانے میں سندھ کا حکمران شاہ بیگ تھا۔ اس نے ان کی خداداد صلاحیتوں اور حسنِ سیرت سے متاثر ہو کر انھیں ٹھٹھ کی مسند قضا پر فائز کر دیا۔ اس منصب کی ذمہ داریوں کو انھوں نے نہایت وقار و احترام اور دبدبہ و طنطنہ کے ساتھ انجام دیا۔ اس کا اندازہ اس واقعے سے کیجیے کہ شاہ بیگ کے بعد اس کا بیٹا شاہ حسن تختِ سندھ پر متمکن ہوا تو اس نے بعض تاجروں سے چند گھوڑے خریدے اور ان کی قیمت ادا کرنے میں عمداً تساہل اور تاخیر سے کام لیا۔ تاجروں نے ناامید ہو کر قاضی شکر اللہ سے رجوع کیا اور ان کی عدالت میں بادشاہ کے خلاف مدعی بن کر حاضر ہوئے۔ قاضی موصوف نے مدعا علیہ کی حیثیت سے بادشاہ کو عدالت میں طلب کیا۔ وہ عدالت میں حاضر ہوا تو اسے مدعی تاجروں کے ساتھ کھڑا ہونے کا حکم دیا گیا۔ دعویٰ پیش ہوا تو قاضی کے سوال کرنے پر مدعا علیہ بادشاہ نے تاجروں کے موقف کی تصدیق کی اور قیمت ادا نہ کرنے کا اقرار کیا۔ قاضی نے تاجروں کے حق میں فیصلہ دیا اور سلطان نے تاجروں کو قیمت ادا کر دی۔ فیصلے کے بعد قاضی شکر اللہ اپنی جگہ سے اٹھے، قاعدے کے مطابق آدابِ سلطانی بجا لائے اور سلطان کو اپنے پاس بٹھایا۔ اب بادشاہ نے تلوار نکالی جو اس نے قبا میں چھپا رکھی تھی اور اسے قاضی کے سامنے رکھتے ہوئے کہا: یہ تلوار میں نے آپ کے لیے رکھی تھی۔ اگر آپ صحیح فیصلہ نہ کرتے اور میرے لحاظ و آداب میں اپنے مقام کا خیال نہ رکھتے تو اس تلوار سے آپ کی گردن اڑا دیتا۔ اس کے بعد سلطان اس فیصلے پر اظہارِ مسرت کرتے ہوئے

Marfat.com

عدالت سے باہر نکل گیا۔ اس نے تاجروں کو صرف اس بنا پر قیمت ادا کرنے میں تساہل سے کام لیا تھا کہ وہ قاضی موصوف کو اپنے بارے میں آزمانا چاہتا تھا اور اسے یہ معلوم کرنا مقصود تھا کہ قاضی صحیح فیصلہ کرتا ہے یا نہیں۔ اس واقعہ سے کچھ عرصہ بعد قاضی شکر اللہ منصب قضا سے الگ ہو گئے اور لوگوں سے منقطع ہو کر گوشہ نشینی اختیار کر لی[۱]

تحفۃ الکرام میں تاریخ طاہری کے حوالے سے یہ تمام واقعہ بیان کر کے لکھا ہے کہ قاضی شکر اللہ نے بھی بادشاہ کی یہ بات سن کر، مسند کے نیچے سے برہنہ تلوار نکال کر دکھائی اور کہا، میں نے بھی یہ ارادہ کر رکھا تھا کہ مبادا بادشاہ خلافِ شریعت قدم اٹھائے اور کوئی شخص اس کو ٹوکنے کی جرأت نہ کرے تو میں خود اس تلوار سے سیاست شرعی بجا لاؤں گا[۲]

قاضی شکر اللہ اور ان کے خاندان کے بارے میں مشہور عالم و محقق پیر حسام الدین راشدی لکھتے ہیں

"قاضی سید شکر اللہ کی نسبت سے میر نظام الدین کا خاندان ٹھٹھہ میں سادات شکر اللہی شیرازی کے نام سے موسوم ہوا۔ اس خانوادہ کے تقریباً تمام افراد علم و فضل نیز دینی مرتبے کی وجہ سے یگانۂ روزگار ہوتے آئے ہیں۔ آج بھی ان کا خاندان اپنے قدیم محلے میں آباد ہے"[۳]

۳- شیخ ابوالخیر ٹھٹھوی

شیخ ابوالخیر بھی صوبہ سندھ کے مشہور علمی شہر ٹھٹھہ کے رہنے والے تھے اور فتاویٰ عالمگیری کے مرتبین میں سے تھے۔ تذکرہ علمائے ہند میں ان کے بارے میں مرقوم ہے

"شیخ ابوالخیر ٹھٹھوی در فتاویٰ عالمگیری شریک استنباط مسائل بود"[۴]

---

[۱] نزہۃ الخواطر ج ۴- ص ۱۳۸، ۱۳۹ [۲] تحفۃ الکرام اردو ترجمہ، ص ۵۹۲

[۳] ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ بابت ماہ جون ۱۹۴۷ء مضمون: "فتاویٰ عالمگیری کے دو سندھی مؤلفین اور ان کے اجداد" [۴] تذکرہ علمائے ہند ص ۲۶۱

Marfat.com

یعنی شیخ ابو الخیر ٹھٹھوی فتاویٰ عالم گیری کے سلسلے میں شریک استنباط مسائل تھے۔

نزہتہ الخواطر میں تحفۃ الکرام کے حوالے سے مولانا سید عبد الحی حسنی لکھنویؒ لکھتے ہیں:

الشیخ العالم الفقیہ ابو الخیر الحنفی التتوی السندھی احد العلماء المشہورین بالتفقہ، کان من نسل الشیخ فضل اللہ السندھی، ولاہ عالمگیر ابن شاہجہان الدہلوی السلطان الھند علی تدوین الفتاوی الھندیۃ[1]۔

یعنی شیخ عالم فقیہ ابو الخیر حنفی ٹھٹھوی سندھی، ان علما میں سے تھے جو علم فقہ میں خاص شہرت کے حامل ہیں۔ یہ شیخ فضل اللہ سندھی کی اولاد سے تھے۔ سلطانِ ہند عالم گیر بن شاہ جہان نے ان کو فتاویٰ ہندیہ (فتاویٰ عالم گیری) کی تدوین پر مقرر کیا۔

اب سوال یہ ہے کہ یہ شیخ فضل اللہ سندھی کون تھے؟ ان کے بارے میں نزہتہ الخواطر کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

الشیخ العالم الکبیر فضل اللہ الحنفی السندھی احد العلماء العاملین کان دائم الاشتغال بالدرس والافادۃ فی العلوم الدینیۃ[2]۔

"شیخ، عالم کبیر فضل اللہ حنفی سندھی، باعمل علما میں سے تھے۔ ہمیشہ درس وتدریس اور افادۂ علوم دینیہ میں مشغول رہتے تھے۔"

تذکرہ علمائے ہند کے مصنف فرماتے ہیں:

مخدوم فضل اللہ ٹھٹھوی، تحریر وقت، جامع فضائل قدسیہ، حاوی معارف انسیہ، محلیٰ حلیہ ورع وتقویٰ، ہموارہ بدرس علوم اشتغال داشت، معاصر مرزا عیسیٰ ومرزا باقی[3]۔

"مخدوم فضل اللہ ٹھٹھوی فاضل وقت، جامع فضائل قدسیہ، زیورِ ورع وتقویٰ سے آراستہ اور ہمیشہ درسِ علوم میں مشغول رہتے تھے۔ مرزا عیسیٰ اور مرزا باقی کے ہم عصر تھے۔"

"تذکرہ علمائے ہند کے اردو ترجمہ میں تحفۃ الکرام کے حوالے سے قاضی فضل اللہ کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے۔" ..... ان کی اولاد میں مخدوم ابو الخیر تھے ...[4]

---

[1] نزہتہ الخواطر ج ۵ ص ۱۸ [2] ایضاً ج ۴ ص ۲۵۹ [3] تذکرہ علمائے ہند ص ۲۷۳
[4] تذکرہ علمائے ہند اردو ترجمہ۔ ص ۵۵۹۔ بحوالہ تحفۃ الکرام

Marfat.com

شیخ ابوالخیر کا تعارف کراتے ہوئے پیر حسام الدین راشدی اپنے ایک مضمون بعنوان "فتاویٰ عالمگیری کے دو سندھی مؤلفین اور ان کے آباؤ اجداد" میں لکھتے ہیں۔

"یہ (شیخ ابوالخیر) ٹھٹھ کے مشہور عالم اور بزرگ علامہ مخدوم فضل اللہ کے فرزند تھے، جن کے متعلق تحفۃ الکرام میں ہے کہ:

"جامع فضائل قدسیہ، حاوی معارف انسیہ، محلی زیور ورع وتقویٰ بود، ہموارہ بدرس علوم اشتغال دارد۔"

یعنی مخدوم فضل اللہ وقت کے مقتدر عالم، قدسی فضائل کے جامع، علوم انسیہ کے ماہر اور تقویٰ و پرہیزگاری کے زیور سے آراستہ تھے ہمیشہ درس علم میں مشغول رہا کرتے تھے۔

تاریخ معصومی اور مآثر رحیمی میں بھی تھوڑے سے تغیر و تبدل کے ساتھ اسی طرح ان کی تعریف کی گئی ہے۔ وہ مرزا عیسٰی اور مرزا باقی ترخان کے معاصر تھے۔ ان کے فرزند مخدوم ابوالخیر کے لیے تحفۃ الکرام کا مصنف بیان کرتا ہے:

"در زمانہ خویش طالب علم کامل برآمدہ، در فتاویٰ عالمگیری شریک استنباط مسائل شدہ"

ان کے ایک فرزند تھے، ملا اسحاق، جو خود بھی بقول تحفۃ الکرام جامع کمالات تھے۔ ان کے ایک بیٹا کمال الدین ہوا جس کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔[۱]

۴۔ شیخ رضی الدین بھاگلپوری

شیخ رضی الدین بھاگلپوری کا اسم گرامی بھی مرتبین فتاویٰ عالمگیری کی فہرست میں شامل ہے۔ یہ عالم اور فقیہ تھا اور اپنے دور کے اکابر و فحول علما میں سے تھے۔ ترویج علوم میں مشغول رہتے اور اس باب میں اس درجہ ممتاز تھے کہ ان کی شہرت چار سو پھیل گئی اور حلقۂ علما میں ان کی فضیلت کا علم لہرانے لگا، جس سے متاثر ہو کر عالمگیر نے فتاویٰ عالمگیری کی تالیف کے سلسلے میں ان کی خدمات حاصل کیں اور ان کا مدد معاش وظیفہ مقرر کیا۔ ان کی ایک خوبی یہ تھی کہ یہ قواعد حرب اور سیاسیات ملکی میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے۔ عالمگیر نے

۱؎ ماہنامہ "معارف"، اعظم گڑھ، بابت ماہ جون ۱۹۴۷ء، ص ۴۲۲، ۴۲۳ بحوالہ تحفۃ الکرام، تاریخ معصومی اور مآثر رحیمی، نیز ملاحظہ ہو تحفۃ الکرام اردو ترجمہ، ص ۶۶۱۔

قاضی محمد حسین محتسب اور بختاور خاں نے ان کی سفارش کی، اس کو ان کی گوناگوں خوبیوں سے آگاہ کیا اور اس نے ان کو ۱۰۷۹ھ میں یک صدی منصب عطا کیا اور ۱۰۹۰ھ میں خان کے لقب سے ملقب کیا۔ اپنی مہارت جنگی کی وجہ سے جنگ اودی پور میں عساکر شاہی میں شامل ہوئے اور کفار سے شدید جنگ لڑی۔ پھر امیر حسن علی خاں کے نائب کی حیثیت سے اقطاع بہار کی تولیت ان کے سپرد کی گئی جس پر ایک مدت تک متعین رہے۔ ۱۰۹۶ھ میں سرزمین بہار میں فوت ہوئے[1]

ان کے بارے میں "مآثر عالم گیری" کے (فارسی) الفاظ ملاحظہ ہوں

شیخ رضی الدین از اشراف بھاگلپور بہار، فاضل متبحر در مؤلفین فتاوئ عالم گیری منخرط بود۔ سہ روپیہ یومیہ می یافت۔ چوں در اکثر فنونِ دیگر ہم دست داشت و سپاہ گری و عمل داری و ندیمی و از ہر جا خبر داری علاوۂ آں۔ بوساطت قاضی محمد حسین جون پوری محتسب حضور پُرنور و مقرب الخدمت بختاور خاں کمالاتش بعرضِ خدیو فضلا نواز ہنرور ان پرداز رسید، یک صدی منصب یافت و رفتہ رفتہ باسعادِ حسن علی خاں و امداد حُسنِ مساعی و سلیقہ، طالع توانان بمرتبہ امارت و خانی فائز گردید و مصدرِ کارہائے عمدہ شد۔ دستِ آخر در عہدِ فنا فرو خوابیدہ : ع

افسانہ ہا بہ بستنِ مژگان تمام شد[2]

۵۔ مولانا محمد جمیل جون پوری

فتاوئ عالم گیری کے مرتبین کی فہرست میں جون پور کے ایک علمی خاندان کے مشہور بزرگ اور بہت بڑے عالم مولانا محمد جمیل بن مفتی عبد الجلیل بن مفتی شمس الدین صدیقی بردوتوی جون پوری کا نام نامی بھی شامل ہے۔ یہ ہندوستان کے عظیم المرتبت علما میں سے تھے، جو ذی القعدہ ۱۰۵۵ھ میں شہر جون پور میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے شرح وقایہ اور مختصر المعانی تک درسی کتابیں شیخ محمد رشید بن مصطفیٰ عثمانی جون پوری سے پڑھیں اور باقی کتب درسیہ کے لیے شیخ نور الدین

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۱۴۹۔ نیز ملاحظہ ہو مآثر عالمگیری اردو ترجمہ، ص ۱۰۷، ۱۰۸ (شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی۔ اپریل ۱۹۶۲ء)

[2] مآثر عالمگیری، ص ۹۴

جعفر بن عزیز اللہ جون پوری کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔ تکمیل تعلیم کے بعد خود درس و افادہ کا سلسلہ شروع کیا۔ ذہن نہایت رسا، قوت ادراک انتہائی اخاذ، ملکۂ فراست بدرجۂ غایت تیز اور فکر بڑا پاکیزہ پایا تھا۔ کئی بہترین اور عمدہ تصنیفات اپنی یادگار چھوڑی ہیں، جن میں معانی و بیان کی معروف کتاب "مطول"، اور علم نحو کی شرح جامی کی بحث عطف پر حواشی شامل ہیں۔ علاوہ ازیں ایک رسالہ علم فقہ اور ایک تصوف کے بارے میں "تنبیہات جمیلی" اسپرد قلم کیا۔ ان کا بہت بڑا علمی کارنامہ فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب و تصنیف میں شمولیت ہے۔

ان کے شاگردوں کا حلقہ بھی خاصا وسیع ہے "گنج ارشدی" کے بیان کے مطابق شیخ غلام رشید بن محب اللہ جونپوری بھی ان کے حلقۂ درس میں شامل رہے اور انھوں نے ان سے مختصر المعانی اور مطول مع حاشیہ سید[1] علامہ سعد الدین تفتازانی کی شرح العقائد مع حاشیہ خیالی، شرح المطالع مع حاشیہ سید، حسامی، نور الانوار کے کچھ اجزا، شرح الوقایہ، ہدایۃ الفقہ، شیخ محمود بن محمد جون پوری کا رسالہ الجبر والاختیار، اور ان کے استاذ مکرم شیخ محمد رشید کی معروف تصنیف رشیدیہ پڑھیں۔

"بحر زخار"، کے بیان کے مطابق شیخ نظام الدین اورنگ آبادی، شیخ نور الہدیٰ امیٹھوی سید حسن رسول نما، اور بہت سے لوگوں نے ان سے تعلیم حاصل کی۔

جیسا کہ "گنج ارشدی" میں مذکور ہے، انھوں نے ۶ رجب ۱۱۲۳ھ میں، ۶۸ سال عمر پاکر جون پور میں وفات پائی اور مفتی محمد صادق کے قبرستان میں، اپنے والد ملا عبد الجلیل کی قبر کے پہلو میں، دفن کیے گئے[2]۔

ان کے تلامذہ کی فہرست میں مشہور عالم اور معروف عابد و زاہد مولانا نور الدین گنت پوری جون پوری کا نام بھی تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے[3]۔ انھیں مولانا نور الدین غازی پوری بھی کہتے ہیں، کیونکہ گنت پور، عملداری غازی پور میں واقع تھا۔

مولانا محمد جمیل کے اساتذہ میں مولانا نور الدین مداری کا نام بھی تاریخ کی کتابوں میں مذکور

---

[1] یعنی سید شریف علی بن محمد الجرجانی (متوفی ۸۱۶ھ) [2] نزہۃ الخواطر ج ۶، ص ۲۹۴، ۲۹۵
[3] ایضاً ص ۳۹۲

ہے۔ انھوں نے ان سے درسی کتابوں کے علاوہ انوار العلوم خاص طور سے پڑھنی شروع کی ابھی کتاب ختم نہ ہونے پائی تھی کہ استاذ یعنی مولانا نورالدین نے دہلی کا قصد کیا۔ شاگرد نے اس پر افسوس کا اظہار کیا۔ استاذ نے فرمایا۔ اب تمھیں درس کی ضرورت نہیں، مطالعہ کافی ہے[1]

ذہین و طباع اس درجہ کے تھے کہ ایک مرتبہ مطول کی کسی دقیق عبارت کا مطالعہ کر کے اپنے استاذ مولانا نورالدین کی خدمت میں گئے اور اس عبارت کا مطلب وضاحت سے بیان کیا۔ استاذ نے فرمایا: "اس عبارت کا مطلب میں نے آج تمھاری تشریح سے سمجھا[2]"

ان کی فطانت و ذہانت کی وجہ سے ان کے اساتذہ ان کو مُلا جلال اور مُلا شریف کہا کرتے تھے۔ جب دہلی گئے تو تمام علما پر ان کی علمی ہیبت طاری ہوگئی۔ اس ضمن میں مشاہیر جون پور کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"آں چناں جودت ذہن بود کہ اگر یک بار متن کسے کتاب میدید حاجت حاشیہ نماند ہر مطالب دقیق کہ پیش آید فوراً بقوت ذہن حل گردد، بارہا استادش فرمودے کہ مُلا جمیل را مماثل علامہ میر شریف و مُلا جلال گفتن بے جا نیست۔ وقتیکہ مُلا جمیل وارد دہلی شد، شہرۂ فضیلتش چناں شائع گردید و ہیبتش طاری شد کہ بہر درس کہ رسیدے درس موقوف گشتے روزے در مدرسۂ مُلا لطف اللہ دہلوی رفت، در یک سطر ہفت یا ہشت شبہات پیش نمود۔ مُلا لطف اللہ از جوابش عاجز آمدند[3]"

یعنی قوت ذہن اس درجہ تیز تھی کہ ایک بار کسی کتاب کا متن دیکھ لیتے تو حاشیہ کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت باقی نہ رہتی۔ جو بھی دقیق مطالب سامنے آتے فوراً قوت ذہن سے ان کی گرہیں کھل جاتیں۔ ان کے استاذ اکثر فرماتے کہ مُلا جمیل کو علامہ میر شریف اور مُلا جلال کے مماثل قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ مُلا جمیل جب وارد دہلی ہوئے تو ان کی فضیلت کا شہرہ اس قدر پھیلا اور علما پر اتنی ہیبت طاری ہوئی کہ جس حلقۂ درس میں چلے جاتے سلسلۂ درس موقوف ہو جاتا۔ ایک روز مُلا لطف اللہ دہلوی کے درس میں گئے تو زیر درس کتاب کی ایک سطر میں سات یا آٹھ شبہات وارد کیے اور مُلا لطف اللہ

---

[1] مشاہیر جون پور ص ۸۷۔ [2] ایضاً [3] ایضاً ص ۸۸۔

ان کا جواب دینے سے عاجز آ گئے۔

بہر حال مولانا محمد جمیل بہت بڑے عالم تھے اور درس و تدریس ان کا محبوب ترین مشغلہ تھا۔ جون پور کے محلہ مفتی میں ایک وسیع اور پختہ خانقاہ اور ایک مدرسہ تعمیر کرایا تھا، اس میں خود درس دیتے اور لوگوں کی اصلاحِ باطن فرماتے۔ لیکن اب یہ گہوارۂ علم اور مرکزِ روحانیت برباد ہو گیا ہے۔ اس سلسلے میں مصنفِ "مشاہیر جون پور" کے اصل الفاظ ملاحظہ ہوں۔ کس درجہ دردناک ہیں:

"چوں زمانہ دگرگوں شد، اکنوں آثاری ہم باقی نہ ماند۔ جز اینکہ برایں زمین کہ پیش دروازہ شاہ طفیل حسین است، کشت کاری می شود و چشم بصیرت مشاہدہ ہنجار دنیائی کند۔"[1]

یعنی زمانہ انقلاب کی اس قدر تیز لہروں کی زد میں آ گیا تھا اور رنگ دہر اس طرح بدل گیا ہے کہ اب اس درس گاہ اور خانقاہ کے کوئی آثار باقی نہیں رہے، سوائے اس کے کہ دروازہ شاہ طفیل حسین کے سامنے کی زمین پر کاشت کاری ہوتی ہے اور چشمِ بصیرت اس دنیائے ناہنجار کی عبرت ناکیوں کا مشاہدہ کرتی ہے۔

مولانا محمد جمیل جہاں ایک رفیع القدر عالم دین تھے، وہاں بہت بڑے صوفی بھی تھے اور لوگوں کے قلب و باطن کی اصلاح بھی کرتے تھے۔ دیوان عبدالرشید سے باقاعدہ بیعت تھے۔

"علاوہ فضائل صوری، صاحبِ کمالاتِ باطنی ہم بود و بیعت ارادت از دیوان عبدالرشید آورد۔"[2]

مولانا محمد جمیل کی بے شمار علمی خدمات میں سے فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب میں ان کی شمولیت، خاص اہمیت کی حامل ہے۔ اس کے لیے خود عالمگیر نے انھیں منتخب کیا۔ چنانچہ مشاہیر جون پور کے مصنفِ شہیر لکھتے ہیں:

"وقتیکہ عالمگیر بادشاہ دہلی جہت تدوین فتاوی منسوب باسم خود، فضلائے ناموران دیارِ ہند طلبید۔ از جون پور ملا جمیل را برگزید و ایشاں را بخود خواستہ شریک جمع اجتماع نمود۔"[3]

---

[1] مشاہیر جون پور ص ۸۹ [2] ایضاً ص ۸۸ [3] ایضاً ص ۸۸۔

Marfat.com

یعنی جب بادشاہ دہلی، اورنگ زیب عالم گیر نے ایسا فتاویٰ مرتب کرنے کی طرف عنانِ توجہ مبذول کی، جو اس کے نام کی طرف منسوب ہو تو اس نے دیارِ ہند کے نامور فضلا کو طلب کیا۔ اس ضمن میں جون پور سے ملا جمیل کو منتخب کیا اور ذاتی طور پر ان سے درخواست کی کہ وہ مرتبینِ فتاویٰ کی اس جماعت میں شریک ہوں۔

اس ہمہ اوصاف متصف عالم دین نے اس دنیا سے جب کوچ کیا تو حلقۂ اہل علم میں کہرام بپا ہو گیا۔ ان کی تاریخ وفات اس رباعی سے نکالی گئی ہے:

مُردملا جمیل علمش مُرد خانہ باقی نہ صاحب خانہ
بہر تاریخ فاضل نامی از فضیلت ربود افسانہ

تاریخ مشاہیر جون پور میں ان کے پسماندگان میں سے تین بیٹوں کا ذکر کیا گیا ہے، جو غلام معین الدین عرف شاہ امید علی، شاہ طفیل حسین اور شاہ یتیم الحسن کے نام سے موسوم ہیں۔

۶۔ قاضی محمد حسین جون پوری

قاضی محمد حسین، جون پور کے رہنے والے تھے۔ ان کا شمار اُس دور کے بہت بڑے علما و فقہا کے زمرہ میں ہوتا تھا۔ فقہ اور اصول میں انھیں خصوصیت سے بہرۂ وافر حاصل تھا۔ شاہ جہاں کے زمانۂ حکومت میں جون پور کے عہدۂ قضا پر متمکن ہوئے۔ اورنگ زیب عالم گیر تخت نشین ہوا تو اس نے اپنے اوائل عہدِ حکومت میں انھیں الہ آباد منتقل کر دیا اور وہاں کی مسندِ قضا ان کے سپرد کی گئی۔ بعد ازاں اُن کے منصب میں اضافہ کر کے انھیں فوج کے محکمۂ احتساب پر متعین کیا گیا۔ یہ ان خوش نصیب علما کی جماعت میں سے ہیں، جنھوں نے فتاویٰ عالم گیری کی تدوین میں اپنے علم و تحقیق کے جوہر دکھائے[۱]۔

فرحۃ الناظرین کے مصنف نے ان کی بہت تعریف کی ہے اور لکھا ہے:

"از علم و ہنر بہرۂ وافر داشت"[۲]

---

[۱] نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۳۶۴ [۲] فرحۃ الناظرین ص ۸۴

تذکرہ علمائے ہند میں ان کے تعارف و تذکرہ کے ضمن میں یہ الفاظ لکھے گئے ہیں:

"قاضی محمد حسین جون پوری از علم و فضل نصیبے وافر داشت۔ در عہد شاہ جہاں قاضی جون پور بود و در اوائل عہد عالم گیر بقضائے الہ آباد ممتاز شدہ۔ در سن ہفتم جلوس عالم گیر بحضور آمدہ۔ با ضافہ منصب و احتساب لشکر سرفراز گردید و در تالیف فتاویٰ عالم گیری بسے سعی نمودہ[1]"

یعنی قاضی محمد حسین جون پوری علم و فضل میں حصہ وافر رکھتے تھے۔ شاہ جہان کے عہد حکومت میں جون پور کے قاضی تھے۔ عالم گیر کے آغاز عہد بادشاہت میں الہ آباد کے قاضی مقرر ہوئے اور اس کے ساتویں سال جلوس میں اس کے حضور تشریف لائے۔ اضافہ منصب سے سرفراز کیے گئے اور محتسب لشکر مقرر ہوئے۔ فتاویٰ عالم گیری کی تالیف میں ان کی مساعی بہت زیادہ ہیں۔

مآثر عالم گیری سے معلوم ہوتا ہے، ان کی وفات ۱۰۸۰ھ میں ہوئی۔ کیونکہ جلوس عالم گیری کے تیرھویں سال یعنی ۱۰۸۰ھ کے واقعات کے ضمن میں بتایا گیا ہے۔

"قاضی محمد حسین کے انتقال کی وجہ سے سید احمد خاں پسر سید محمد قنوجی کو خدمت احتساب عنایت ہوئی۔ اہل دربار جو حضور شاہی میں ہاتھ سر پر رکھ کر آداب کے لیے جھکتے تھے، ان کو حکم ہوا کہ مسنون طریقہ پر سلام کیا کریں[2]"

نزہۃ الخواطر میں ان کی وفات کے بارے میں یہ الفاظ مرقوم ہیں:

مات فی الثالث عشر من جلوس عالمگیر علی سریر الملک نحو سنۃ سبعین و الف[3]

یعنی عالم گیر کے سریر آرائے سلطنت ہونے کے تیرھویں سال ۱۰۷۶ھ کے قریب فوت ہوئے۔

یہ سال وفات صحیح نہیں کیونکہ عالم گیر کا تیرھواں سال جلوس ۱۰۷۶ھ نہیں، ۱۰۸۰ھ ہے۔ اس حساب سے ان کا سن وفات ۱۰۸۰ھ ہونا چاہیے۔

---

[1] تذکرہ علمائے ہند ص ۲۰۵ [2] مآثر عالمگیری اردو ترجمہ۔ شائع کردہ نفیس اکیڈمی۔ کراچی ص ۱۱۲

[3] نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۳۶۴

Marfat.com

۷۔ مفتی وجیہ الدین گوپامئوی

مفتی وجیہ الدین بن علیمی بن آدم بن محمد صدیقی گوپامئوی، شیخ جعفر بن نظام الدین عثمانی امیٹھوی کی اولاد سے تھے۔ بہت بڑے عالم تھے۔ ان کی ولادت انوالسکے دور ۲۔ رجب بوقت شب ۱۰۰۵ھ میں گوپامئو میں ہوئی۔ اپنے دادا شیخ جعفر رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علما سے تعلیم حاصل کی اور علم و تصوف کی گود میں پرورش پائی۔ ان کے والد شیخ علیمی بہت بڑے عالم اور صاحب افتا ہو گئے تھے۔ ان کی وفات کے بعد اپنے وطن گوپامئو میں مسند افتا پر فائز ہوئے۔ "مرأۃ جہاں نما" کے مطابق فتاویٰ عالم گیری کے مصنفین کی جماعت میں شریک تھے۔ انھوں نے فتاویٰ عالم گیری کے چوتھے حصے کی تکمیل کی اور یہ اہم خدمت انجام دینے کے لیے دس فقہا ان کے زیر نگرانی کام کرتے تھے۔

مفتی وجیہ الدین رحمہ اللہ نے اشاعت علم کے لیے سلسلۂ درس شروع کر رکھا تھا جو ایک چشمۂ صافی کی حیثیت رکھتا تھا اور جس کا دائرہ اثر و افادہ بہت وسیع تھا۔ جن حضرات نے ان سے استفادۂ علم کیا، ان میں شیخ محمد آفاق لکھنوی، قاضی عصمت اللہ بن عبدالقادر عمری اور ان کے علاوہ بے شمار اہل علم شامل ہیں۔

مفتی وجیہ الدین، تصنیفی میدان میں بھی خاص شہرت کے حامل ہیں۔ ان کی تصانیف میں سے حصن حصین کی شرح، خیالی اور مطول پر تعلیقات اور تصوف سے متعلق رسائل حلقۂ علما میں بڑی مشہور چیزیں ہیں۔[1]

کہتے ہیں ان کو علم معانی و بیان سے خصوصیت سے دلچسپی اور ذہنی لگاؤ تھا۔

"خصوصاً در علم معانی و بیان عدیم المثال عصر بود۔"[2]

فتاویٰ عالم گیری کی ترتیب و تدوین میں انھوں نے جو محنت کی اس کا اندازہ معارف (اعظم گڑھ) کی اس عبارت سے بآسانی ہو سکتا ہے۔ مرقوم ہے:

"زمخشری کی قسطاس کا ایک قلمی نسخہ خدا بخش خاں لائبریری (پٹنہ) میں۔۔۔

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۵، ص ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲

[2] معارف اعظم گڑھ (دسمبر ۱۹۴۶ء) بحوالہ فرحۃ الناظرین ص ۸۵

Marfat.com

لکھا ہوا موجود ہے۔ اس پر شیخ وجیہ الدین کے ہاتھ کی ہوئی کوئی عبارت ہے۔ کاتب اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد لکھتا ہے:

"عبارت منقول از دستخط مولانا وجیہ الدین رئیس علمائے فتاویٰ عالمگیری"

عبارت کا یہ آخری ٹکڑا واضح کرتا ہے کہ فتاویٰ عالمگیری کی تالیف میں مفتی وجیہ الدین گوپامئوی کا بہت بڑا حصہ تھا اور وہ اس میں کوئی ممتاز حیثیت رکھتے تھے اگرچہ اس کی نوعیت کچھ بھی ہو۔[۱]

یہ خاندانی طور پر صاحب افتا تھے۔ ان کے والد شیخ علیلی بھی مفتی تھے جو اپنے والد مفتی آدم کی وفات کے بعد مسندِ افتا پر فائز ہوئے تھے۔[۲]

مفتی وجیہ الدین گوپامئوی کے دو بھائی اور تھے۔ ان دونوں بھائیوں کے نام معلوم نہیں ہوسکے۔ وہ بھی عالم تھے لیکن سب سے مشہور عالم اور مرجع خلائق یہی تھے۔[۳]

ان کی وفات ۵، جمادی الاخری ۱۰۸۲ھ کو دہلی میں ہوئی اور جسدِ مبارک دہلی سے ان کے وطن گوپامئو لے جایا گیا اور وہیں دفن کیے گئے۔[۴]

۸۔ سید محمد بن محمد قنوجی

شیخ عالم کبیر محمد بن محمد بن محمد گدائی بن سید ملک بن عماد الدین بن حسین بن علاء الدین علی بن محمد بن ضیاء الدین الحسینی الحلی دہلوی ثم قنوجی، مشہور علما میں سے تھے۔ ولادت و تربیت قنوج میں ہوئی۔ بڑے ہوئے تو حصولِ علم کے لیے رختِ سفر باندھا اور قاضی عبدالقادر عمری لکھنوی کے حلقۂ درس میں شریک ہوگئے اور ان سے درسی کتابیں پڑھیں۔ پھر الہ آباد گئے اور شیخ محب اللہ الہ آبادی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان سے علم حاصل کرنے کے بعد اپنے وطن واپس آگئے اور گھر میں گوشہ نشین ہوگئے اور عبادت و افادہ کے لیے اپنے آپ کو اس طرح وقف کر دیا کہ دنیوی معاملات کے لیے کبھی گھر کی چار دیواری سے باہر قدم نہ نکالتے تھے۔ اس زمانے میں تختِ ہند پر

---

[۱] معارف اعظم گڑھ دسمبر ۱۹۴۶ء [۲] نزہۃ الخواطر ج ۵، ص ۲۹۹۔

[۳] ایضاً [۴] ایضاً ص ۴۳۱

مغل حکمران شاہ جہان متمکن تھا۔ اس نے اپنے سریر آرائے سلطنت ہونے کے پینتیسویں سال انھیں اپنے ہاں بلایا اور پھر اس رفیع المرتبت عالم کو زندگی کے آخری سانس تک اپنے ساتھ رکھا اور اس اثنا میں کسی وقت بھی اپنے سے جدا نہ ہونے دیا۔ شاہ جہان کی وفات کے بعد اس کے بیٹے اورنگ زیب عالم گیر کی مصاحبت میں چلے گئے۔ عالم گیر ان سے ہفتے میں تین روز احیاء علوم الدین، کیمیائے سعادت اور فتاویٰ عالم گیری سے متعلق مذاکرہ کرتا اور ان کے علم و فضل سے فیض یاب ہوتا۔[۵۱]

خوافی خاں مآثر الامرا میں کہتا ہے۔ شاہ جہان نے ان کو اکبر آباد تشریف لانے کی دعوت دی۔ یہ وہاں گئے اور اس کے بادشاہت سے معزول ہونے کے بعد سے لے کر اس کی موت تک اسی کے پاس رہے۔ پھر عالم گیر نے ان کو اپنے خاص مصاحبوں اور ندیموں میں شامل کر لیا۔ عالم گیر ان سے بہت تکریم سے پیش آتا اور ہفتے میں تین دن فتاویٰ عالم گیری، احیاء علوم العلوم، کیمیائے سعادت اور حدیث و فقہ اور سلوک و تصوف کی دیگر کتابوں کے بارے میں مذاکرہ کرتا اور مختلف مسائل سے متعلق باقاعدہ بحث میں حصہ لیتا۔

عالم گیر کے دل میں ان کا اس درجہ احترام تھا اور وہ ان سے اتنا فیض حاصل کرتا کہ انھیں "استاذ" کے لفظ سے پکارتا اور کہا کرتا کہ "یہ میرے بھی استاذ ہیں اور میرے والد کے بھی استاذ ہیں۔"[۵۲]

ان میں ایک بہت بڑی خوبی کی بات یہ تھی کہ باوجود ہندوستان کے دو عظیم بادشاہوں سے اس درجہ قریب ہونے کے امارت و منصب کے کبھی خواہاں نہیں ہوئے اور ہمیشہ علما کی خاص نوع کی وضع قطع اور ہیئت و شکل کو اپنائے رکھا اور کسی لمحہ بھی اس دائرہ خاص سے باہر نہیں نکلے۔ حالانکہ یہ اپنے شہر میں صاحب جائداد، معقول مالی حیثیت رکھنے والے اور کئی گاؤں کے مالک تھے۔[۵۳]

---

۵۱ عمل صالح ج ۳ ص ۷۹، نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۲۵۳

۵۲ مآثر الامراء ج ۳ ص ۸۱۵، نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۲۵۳-۲۵۴

نواب سید صدیق حسن خاں نے بھی اپنی معروف تصنیف ابجد العلوم میں ان کا ذکر کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

السید محمد قنوجی، هو من سادات رسول دار کان استاذ عالمگیر اورنگ زیب ومن صالحاته الباقیة عمارة بیت المسافرین الذی لم یعهد مثله فی هذه الدیار، وله بستان فیه مقبرة عظیمة فیها قبره. کان له الید الطولی فی العلوم الریاضیة والعربیة الف حاشیة علی المطول وکان معظما ذا جاه وثروة ودولة عظمی، جامعا بین ریاسة العلم والحکومة والشماتة[1] له اعقاب فی تلك البلدة. لکن کلهم جهلاء متشیعون[2]،

یعنی سید محمد قنوجی، سادات رسول دار سے تعلق رکھتے تھے۔ اورنگ زیب عالم گیر کے استاذ تھے۔ ان کی بہترین یادگاروں میں سے مسافر خانے کی ایک عمارت ہے جس کی اس نواح میں کوئی نظیر نہیں ہے۔ ان کا ایک باغ ہے جس میں ایک بہت بڑا قبرستان ہے۔ اسی قبرستان میں ان کی قبر ہے۔ علوم ریاضیہ اور علوم عربیہ میں انھیں بڑی دسترس حاصل تھی۔ انھوں نے (معانی و بیان کی مشہور کتاب) المطول پر حاشیہ تحریر فرمایا۔ بہت بڑے صاحب عزت و جاہ، صاحب ثروت اور صاحب مال و دولت تھے۔ علم و حکومت اور شہامت کی ریاست و دولت ان کی ذات میں سمٹ آئی تھی۔ اس شہر (قنوج) میں ان کے ورثا بھی ہیں۔ مگر وہ سب کے سب نا اہل ہیں۔

درحقیقت سید محمد قنوجی کی شہرت علمی سے متاثر ہو کر ہی مغل حکمران شاہ جہان نے انھیں اپنے ہاں بلایا تھا۔ اس کی وفات تک یہ اس کے پاس رہے۔ شاہ جہاں کی

---

[1] ابجد العلوم میں "والشماتة" لکھا ہے۔ غالباً یہ تصحیف ہے۔ اصل لفظ "والشہامة" ہے۔ عبارت کا سیاق بھی یہی چاہتا ہے۔ لہٰذا ہم نے ترجمے میں اسی لفظ کو باقی رکھا ہے۔

[2] ابجد العلوم ص ۹۰۳

[3] تذکرہ علمائے ہند میں ان کا ذکر حرف المیم کے ضمن میں بھی کیا گیا ہے، اور حرف سین کے ضمن میں بھی۔ حرف سین میں یہ الفاظ ہیں: "سید محمد قنوجی از فرقہ سادات رسول دار، اوستاد اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ۔ ماہر علوم ریاضیہ و ادبیہ بود۔ حاشیہ مطول از تصانیف اوست" ملاحظہ ہو تذکرہ علمائے ہند ص ۸۳

Marfat.com

وفات اکبرآباد (آگرہ) کے قلعہ میں اس کے ایام نظر بندی میں ہوئی۔ اس وقت سید محمد قنوجی ان کے پاس موجود تھے۔ جلوس عالمگیری کے آٹھویں سال ۱۰۷۵ھ کے واقعات کے ضمن میں شاہ جہاں کے حادثۂ وفات کا ذکر کرتے ہوئے مآثر عالمگیری کا مصنف لکھتا ہے:

"چھبیسویں رجب (۱۰۷۵ھ) شب دوشنبہ کو مرض کا شدید حملہ ہوا اور خاقان عادل نے روضۂ جنت کی راہ لی۔ اس حادثہ کے بعد نواب تقدس مآب بیگم صاحبہ کے حکم کے موافق رعداندازخاں، خواجہ بہلول، سید محمد قنوجی اور قاضی قربان علی غسل خانہ میں حاضر ہوئے اور اعلیٰ حضرت کی تجہیز و تکفین کے سامان سے فراغت حاصل کر کے نعش مبارک برج مثمن کے دروازہ سے حصار کے باہر لائے۔ ہوش دار خاں صوبہ دار جنازہ کے ہمراہ ہوا اور تابوت کو دریائے جمنا کے اس پار لے جا کر مہد علیا ممتاز الزمان کے روضہ میں لے گئے۔ روزہ کے اندر جنازہ کی نماز پڑھی گئی اور اس گنبد کے اندر نعش پیوند خاک کر دی گئی ۔"[1]

شاہ جہاں کا زمانۂ نظر بندی، سید محمد قنوجی کی رفاقت میں گزرا۔ اس کی وفات بھی ان کے سامنے ہوئی۔ تجہیز و تکفین اور جنازہ کے انتظامات وغیرہ میں بھی شامل رہے۔

عالمگیر نامہ میں سید محمد قنوجی کی انتہائی تعریف کی گئی ہے اور ان کے فضل و تقویٰ کا بہترین الفاظ میں اعتراف کیا گیا ہے۔ شاہ جہان کی وفات کے سلسلے میں مرقوم ہے۔

"بالجملہ بعد از سنوحِ ایں واقعۂ ملامت اثر، بموجب اشارۂ نواب تقدس خورشید احتجاب ملکۂ جہاں بیگم صاحب رعداندازخاں قلعہ دار و خواجہ بہلول بدرونِ غسل خانہ حاضر آمدند و گھڑی دروازہ ہائے قلعہ کشودہ، باحضار سید محمد قنوجی کہ فضل و تقوی، با شرف فقر و سیادت فراہم دارد و درایام انزوائے اعلیٰ حضرت خلد آرام گاہ پیوستہ مسعادت اند وز خدمت آں حضرت بود و قاضی قربان کہ شغل قضائے مستقر الخلافہ باد تعلق داشت کس فرستادند کہ آمدہ بامر تجہیز و تکفین پردازند۔"[2]

پورا واقعہ ذکر کیے لکھا ہے۔

---

[1] مآثر عالمگیری اردو ترجمہ ص ۷۲

[2] عالمگیر نامہ (فارسی) ص ۹۳۳، ۹۳۲-

"...... و سید محمد و قاضی قربان و سائر صلحا و اتقیا بر جنازہ آں محفوف انوار مغفرت نماز گزارند و نعش مطہر را بدرون گنبد بردہ بجوار رحمت ایزدی سپردند[1]"

شاہ جہاں کی وفات اور تدفین کے بعد صدقات و خیرات اور ختم قرآن وغیرہ کا سلسلہ شروع ہوا تو اس میں بھی سید محمد قنوجی موجود تھے۔

"...... و بر حسب امر اعلیٰ وظائف و خیرات و مبرات و ختمات قرآن بتقدیم رسانیدند و مکرر مجلس مولود با ئینی کہ برائے سلاطین نامدار و خواتین عالی مقدار درخور و سزاوار باشد منعقد ساختہ، باتفاق اہل استحقاق و اطعام صلحا و علما روح مقدس آں حضرت را مسرور و راحت بخشیدند و بسید محمد و قاضی محمد قربان و زمرۂ مشائخ و ارباب فضل و اصحاب تقوےٰ اکرامات سنیہ بجائے آوردند[2]"

شاہ جہاں کی وفات کے بعد ان کی خدمات اورنگ زیب عالم گیر نے حاصل کرلیں۔ وہ ان کا بڑا قدردان تھا۔ اس نے مختلف مواقع پر ان کو انعام و اکرام اور خلعت سے نوازا۔ ایک مرتبہ انھیں ایک خدمت کے صلے میں دو ہزار روپے عطا کیے۔

"...... و سید محمد قنوجی بانعام دو ہزار روپیہ سرفرازی یافتند[3]"

ایک مرتبہ ایک ہزار روپیہ انعام دیا۔

" و سید محمد قنوجی و میر ابراہیم ولد میر نعمان مرحوم و شیخ قطب و نعمت خاں ہر یک بانعام یک ہزار روپیہ کامیاب نوازش گشت[4]"

تقسیم انعام و خلعت کے سلسلے میں ایک مرتبہ پھر ایک ہزار روپیہ عطا کیا۔

" و سید محمد قنوجی و ملا عوض وجیہ و میر سیدی شاہ ہر کدام بانعام یک ہزار روپیہ مباہی گردید[5]"

ایک دفعہ عالم گیر نے انھیں چار ہزار روپیہ بطور انعام عطا کیا۔

" و سید محمد قنوجی بانعام چار ہزار روپیہ کامیاب عنایت پادشاہانہ گردیدند[6]"

---

[1] عالم گیر نامہ (فارسی) ص ۹۳۴ [2] ایضاً ص ۹۳۵ [3] ایضاً ص ۳۴۷
[4] ایضاً ص ۳۹۷ [5] ایضاً ص ۴۲۷، ۴۲۸ [6] ایضاً ص ۱۰۶۲

Marfat.com

عالم گیر بعض نہایت اہم مواقع پر انھیں اپنے ساتھ رکھتا اور ان پر بہت اعتماد کا اظہار کرتا تھا۔ چنانچہ اس کے گیارھویں سالِ جلوس ۱۰۷۸ھ میں رجب کی بیس تاریخ کو اس کے لڑکے شاہ زادہ محمد اعظم کی شادی کی رسوم کا آغاز ہوا اور ۱۰ شعبان کو نکاح کی تقریب منعقد ہوئی تو انھیں وکیلِ نکاح مقرر کیا گیا۔ مآثر عالم گیری میں ہے:

"شاہ زادہ محمد اعظم پانچ گھڑی رات گزرنے کے بعد بے حد شان و شوکت کے ساتھ اپنی حویلی سے قبلۂ عالم کے حضور میں حاضر ہوئے۔ جہاں پناہ مسجد میں تشریف لائے اور قاضی عبدالوہاب نے میر سید محمد قنوجی کی وکالت و ملا عوض وجیہ و شیخ سیف اللہ سرہندی کی شہادت میں خطبہ نکاح پڑھا اور چھ لاکھ روپیہ دین مہر قرار پایا۔"[۱]

جلوس عالم گیری کے سولھویں سال (۱۰۸۳ھ) میں شاہ زادہ مراد بخش کی دختر دوست دار بانو بیگم سے شاہ زادہ محمد سلطان کا نکاح ہوا تو عالم گیر کی طرف سے سید محمد قنوجی اس کے گواہ مقرر کیے گئے۔

"جہاں پناہ دادرنگ زیب عالم گیر) نے محل خواب گاہ میں اپنے دست مبارک سے شاہ زادہ کے سر پر مروارید کا سہرا باندھا اور فرزند کا ہاتھ پکڑے ہوئے مسجد میں تشریف لائے۔ قاضی القضاۃ قاضی عبدالوہاب نے محمد یعقوب کی وکالت و ملا عوض وجیہ و میر سید محمد قنوجی کی شہادت میں خطبۂ نکاح پڑھا اور دو لاکھ روپیہ دین مہر قرار پایا۔ شجاعت خاں، شیخ نظام، دریا خاں، بختاور خاں و خدمت گار خاں اس مجلس عقد میں حاضر تھے۔"[۲]

تذکرہ علمائے ہند میں مولوی رحمان علی نے ان کا ذکر بڑے اچھے انداز میں کیا ہے۔ لکھتے ہیں:

میر سید محمد قنوجی ہموارہ بدرس علوم دینی و نشر معارف یقینی اشتغال داشت۔ شاہ جہان بادشاہ در آخر ایام سلطنت بخواہش و اعزاز طلبیدہ، بقربت خویش اختصاص داد۔ بعدش عالم گیر بکمال نیاز از اکبر آباد طلبیدہ، بشرف تخصیص اعزاز مختص فرمود۔ معتقد حجۃ الاسلام غزالی، بخصوص احیاء علوم الدین پیش وے دیدہ۔ دو ہفتہ سہ روز بمذاکرہ علوم

---

[۱] مآثر عالم گیری اردو ترجمہ ص ۹۴ [۲] ایضاً ص ۱۳۸

در خدمت شاہی مجلس افادہ گرم داشتی و در تالیف فتاویٰ عالم گیری مساعی جمیلہ بکار برد[1]

یعنی میر سید محمد قنوجی ہمیشہ درس علوم دینی اور اشاعت معارف یقینی میں مشغول رہے۔ شاہ جہان بادشاہ نے ان کو اپنے آخری زمانہ حکومت میں انتہائی خواہش و اکرام کے ساتھ اپنے پاس طلب فرمایا اور اپنی قربت سے سرفراز کیا۔ اس کی وفات کے بعد عالم گیر نے بڑے ہی عجز و نیاز مندی سے ان کو اکبر آباد (آگرہ) سے اپنے پاس بلایا اور خصوصی اعزاز سے مختص کیا۔ حجۃ الاسلام امام غزالی کی تصنیفات بالخصوص احیاء علوم الدین ان کے پیش نظر رہتی۔ ہفتہ میں تین روز مجلس شاہی کے مذاکرۂ علوم میں سرگرم افادہ رہتے۔ فتاویٰ عالمگیری کی تالیف میں بڑی مساعی جمیلہ فرمائیں۔

بہر کیف ان کی زندگی کے مختلف واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ اپنے دور کے عظیم انسان تھے بہت بڑے عالم و محقق تھے اور اصحاب علم اور ارباب حکومت کے ہاں بڑی عزت و تکریم کے حامل تھے۔

ان کی وفات ۱۱۰۱ھ میں ہوئی[2]

اولاد

سید محمد قنوجی کے تین بیٹے تھے۔ ایک کا نام سید احمد تھا، ایک کا سید شریف خاں اور ایک کا میر عبدالکریم۔ تینوں بڑے منتظم اور قابل تھے اور عالم گیر کے حلقۂ ملازمین و منسلکین میں شامل۔

ان کے حالات تفصیل سے تو نہیں مل سکے تاہم جو کچھ معلوم ہو سکا وہ یہ ہے کہ سید احمد کو قاضی محمد حسین محتسب (جو مرتبین فتاویٰ عالم گیری میں سے ہیں) کے انتقال کے بعد محتسب مقرر کیا گیا[3]

سید شریف کے متعلق مآثر عالمگیری میں جلوس عالم گیری کے تیسویں سال (۱۰۹۷ھ)

---

[1] تذکرہ علمائے ہند۔ ص ۲۱۵

[2] نزہۃ الخواطر ج ۶۔ ص ۳۴۵ بحوالہ تبصرۃ الناظرین نیز دیکھیے تذکرہ علمائے ہند اردو ترجمہ، ص ۴۴۸

[3] مآثر عالم گیری اردو ترجمہ، ص ۳۱۲

Marfat.com

کے حالات کے ضمن میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی انتظامی صلاحیتوں کے مالک اور لائق شخص تھے۔ اس سال کثرتِ باراں کی وجہ سے شدید قحط پڑا تھا۔ اس موقع پر انھوں نے قابلِ قدر خدمات انجام دیں۔ اس سلسلے میں مآثر عالمگیری کا مصنف لکھتا ہے۔

"اس زمانے میں کثرتِ بارش کی وجہ سے زمین پر دریا بہنے لگے اور قحط نمودار ہوا۔ حوالیٔ شہر سے غلہ کی رسد بند ہوئی رعایا میں ماتم پڑ گیا۔ لاکھوں بندگانِ خدا کی جانیں ضائع ہوئیں۔ مکانات، دریا اور جنگل مردہ اجسام سے پٹ گئے۔ لشکر گاہ کا یہ حال ہو گیا کہ شب کو دولت خانہ شاہی کے گرد مردہ اجسام کے انبار لگ جاتے تھے، جن کو جاروب کش و خاک روب روزانہ گھسیٹ کر دریا میں ڈالتے تھے۔ صبح سے شام تک لاشوں کی بار برداری کا سلسلہ جاری رہتا۔ زندہ اشخاص کو مردہ اجسام کے کھانے سے پرہیز نہ رہا۔ مُردوں کی لاشوں سے کوچے اور تمام راستے پٹ گئے۔ بارش کے طویل سلسلے نے گوشت پوست کو گلا دیا تھا۔ ورنہ مردوں کی بدبو سے آب و ہوا خراب ہو کر بقیہ زندہ افراد کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیتی"

"چند ماہ بعد بارش کا زور گھٹا اور دریا کی طغیانی کم ہوئی اور اطراف و جوانب سے غلہ پہنچنے لگا۔ سردار خاں کے بجائے سید شریف خاں پسر زندۃ المشائخ پیر سید محمد قنوجی استاذ اعلیٰ حضرت فردوس آشیانی جو فضل و کمال و عقل و شعور میں مشہور و معروف تھے، کروڑ گنج کی خدمت پر مامور ہوئے۔ بادشاہ رعایا پرور کے حسنِ نیت سے گرانی رفع ہوئی اور ملک میں غلہ ارزاں ہو گیا۔"[1]

عالم گیر نے سید شریف کو امجد خاں کا لقب عطا کیا تھا، نزہۃ الخواطر میں ہے:

سید الشریف محمد امجد بن محمد بن محمد الحسینی قنوجی نواب امجد خاں۔ سید محمد قنوجی کے بیٹے تھے۔ ان کا شمار اس عصر کے نامور علما کے زمرہ میں ہوتا تھا۔ علوم و فنون اور طریقت اپنے باپ سید محمد قنوجی سے حاصل کیے اور ایک عرصہ تک ان کے ساتھ منسلک

---

[1] مآثر عالمگیری (اردو ترجمہ) ص ۲۹۲، ۲۹۳

Marfat.com

پھر اورنگ زیب عالمگیر کے مقربین میں شامل ہو گئے۔ اس نے ان کو قاضی محمد حسین جون پوری کی وفات کے بعد ۱۰۷۶ھ میں محکمۂ احتساب پر فائز کر دیا اور امجد خان کا لقب عطا کیا۔ طویل مدت تک اس عہدہ پر متعین رہے۔ پھر صدارت ہند کے منصب پر فائز کر دیے گئے۔[1]

تذکرۂ علمائے ہند میں ان کا ذکر ان الفاظ سے کیا گیا ہے:

"مولوی امجد علی قنوجی، از اکابر فضلا و اعاظم علمائے قنوج، شاگرد رشید مولوی علی اصغر قنوجی کثیر الدرس والتالیف بود۔ حاشیہ صدرا، در علم حکمت از تو الیف مشہورہ اوست۔ تاریخ وفاتش معلوم نہ شد۔"[2]

سید محمد قنوجیؒ کے تیسرے بیٹے سید میر عبدالکریم قنوجی منقولات و اصول اور علوم عربیہ کے مشہور علما میں سے تھے۔ یہ عالمگیر کی طرف سے برہان پور میں جزیہ وصول کرنے کے منصب پر متعین تھے۔ اس ضمن میں ان کی سرگرمیاں عالمگیر کے نزدیک اس درجہ قابل قدر تھیں کہ ان سے متاثر ہو کر اس نے دکن کے چار علاقوں سے وصولی جزیہ کی خدمت بھی ان کے سپرد کر دی۔ علم و فضل کی فراوانیوں کے علاوہ یہ سخاوت، عفت، اتقا، نیکی اور حسن اخلاق کی نعمت سے بھی مالا مال تھے۔[3]

سید عبدالکریم میں ایک خوبی یہ بھی تھی کہ درسیات میں بھی ماہر تھے اور سلسلۂ تدریس جاری رکھتے تھے۔ اس باب میں تذکرہ علمائے ہند کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"سید عبدالکریم قنوجی ابن سید محمد قنوجی در عہد عالمگیر مشغول بدرس و افادات بود۔"[4]

مآثر عالمگیری میں بھی ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ ایک جگہ جلوس عالمگیری کے ستائیسویں سال (۱۰۹۴) کے واقعات میں بتایا گیا ہے:

---

1. نزہۃ الخواطر جلد ۶، ص ۲۸۳، ۲۸۴
2. تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۸۳
3. نزہۃ الخواطر، جلد ۶، ص ۱۶۱
4. تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۷۰

Marfat.com

"میر عبد الکریم کو امانت ہفت چوکی کی خدمت کے ساتھ جائے نماز خانہ کی داروغگی بھی عطا ہوئی"[51]

تلامذہ

سید محمد قنوجی کے تلامذہ کا بھی ایک حلقہ تھا، جن میں مشہور عالم شیخ علی اصغر قنوجی شامل ہیں۔ ان کا سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک منتہی ہوتا ہے نہایت نیک، متقی، اور پرہیزگار تھے۔ طریقت و تصوف میں شیخ پیر محمد بن اولیا چشتی لکھنوی سے منسلک تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد واپس قنوج تشریف لے آئے تھے اور امور دنیا سے الگ ہو کر سلسلۂ تدریس شروع کر دیا تھا۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اور تصوف و سلوک وغیرہ علوم سے متعلق کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ۱۰۵۱ھ میں قنوج میں پیدا ہوئے اور ۸۹ سال عمر پا کر ۱۵ شعبان ۱۱۴۰ھ میں وفات پائی۔ پورے ساٹھ سال مسندِ تدریس بچھائے رکھی اور بے شمار لوگوں نے ان سے علمی استفادہ کیا۔[52]

۹- مولانا حامد جون پوری

شیخ علامہ حامد جون پوری، کبار فقہاء میں سے تھے۔ انھوں نے اکثر درسی کتابیں سید محمد زاہد بن محمد اسلم ہروی سے اور بعض علامہ محمد شفیع یزدی سے پڑھیں۔ حصولِ علم اور بحث و اشتغال میں مصروف رہتے۔ یہاں تک کہ اپنے شیوخ کی زندگی ہی میں علوم و فنون میں مہارت پیدا کر لی تھی۔ ان کی قابلیت کی بنا پر شاہ جہان بادشاہ نے روزانہ ان کے لیے باقاعدہ وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ اس کے بعد عالمگیر نے فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کے سلسلے میں ان کی خدمات حاصل کر لیں اور اپنے لڑکے محمد اکبر کا [illegible] بھی مقرر کیا۔ مولانا حامد جون پوری شیخ سلطان محمود عثمانی جون پوری کے پوتے تھے۔

---

[51] مآثر عالمگیری اردو ترجمہ، ص ۲۵۵

[52] تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۴۱، و نزہۃ الخواطر ج ۶، ص ۱۸۷

[53] نزہۃ الخواطر ج ۶، ص ۶۰

تذکرہ علمائے ہند میں بھی ان کا تعارف تقریباً اسی طرح کرایا گیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

"ملا حامد جون پوری اکثر کتب متداولہ از محمد زاہد دیدہ و بعض علم در خدمت دانشمند خان استفادہ نمودہ۔ در عہدِ شاہجہان بسلکِ روزینہ داران منسلک بود و در عہدِ عالمگیر داخل مؤلفینِ فتاویٰ شدہ بتعلیم شاہزادہ محمد اکبر سرفرازی یافتہ" ۱؎

اساتذہ

مولانا حامد جون پوری، ان خوش قسمت علما میں سے ہیں، جنھوں نے بڑے اونچے درجے کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی۔ ان کے اساتذہ میں سید محمد زاہد ہروی بھی ہیں جن کا شمار مشاہیرِ ہند میں ہوتا ہے۔ یہ اتنے ذہین اور تیز فکر عالم تھے کہ تیرہ سال کی عمر میں مسندِ تدریس اور منصبِ افتا پر فائز ہو گئے تھے۔ پہلے ان کا رابطہ شاہجہان سے ہوا۔ بعد ازاں (۱۰۷۷ھ) میں عالمگیر نے فوج کا محکمۂ احتساب ان کے سپرد کر دیا۔ اکبر آباد (آگرہ) میں مسندِ درس پر فائز رہے۔ منطق و فلسفہ اور علومِ عقلیہ میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ متداول درسی کتابوں میں سے شرح المواقف، شرح التہذیب اور بحث تصور و تصدیق تک رسالہ قطبیہ پر حواشی لکھے۔ اور ۱۱۰۱ھ میں وفات پائی۔ ۲؎

اولاد

مولانا حامد جون پوری کے ایک بیٹے کا نام شیخ علامہ یوسف تھا، جو اکابر علمائے حنفیہ میں سے تھے۔ یہ جون پور میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ اپنے عظیم القدر باپ مولانا حامد جون پوری سے تعلیم حاصل کی اور بڑا نام پیدا کیا۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد سلسلۂ درس شروع کیا اور وسعتِ مطالعہ و کثرتِ معلومات کے سبب منصبِ افتا پر متمکن ہوئے اور اکابر علمائے عصر کی جماعت سے گردانے گئے۔ اس دور میں شیخ محمد افضل جون پوری کے مدرسہ میں فنِ تدریس میں ان کا کوئی مدِ مقابل نہ تھا۔ اور اس مدرسہ کی ریاستِ علمیہ کا منتہائے نظر یہی تھے۔ ان کی قبر چھاچک پور

۱؎ تذکرہ علمائے ہند، ص ۲۶۴

۲؎ نزہۃ الخواطر، ج ۶، ص ۳۰۷، ۳۰۸ و تذکرہ علمائے ہند فارسی، ص ۱۸۷، ۱۸۸۔

Marfat.com

میں ہوئے۔[1]

۱۰۔ مولانا جلال الدین مچھلی شہری

شیخ، عالم، فقیہ جلال الدین جعفری ہاشمی مچھلی شہری۔ قاضی ثناء اللہ جعفری زینبی ہاشمی کی نسل سے تھے۔ ان کا سلسلۂ نسب حضرت جعفر طیار بن ابو طالب تک پہنچتا ہے۔ مچھلی شہر میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ میدانِ تعلیم میں آئے تو فقہ و اصول میں خاص امتیاز حاصل کیا۔ خود درس و تدریس کا چشمۂ فیض جاری کیا، جس سے عرصہ تک لوگ مستفیض ہوتے رہے۔ بعد ازاں بادشاہِ ہند عالمگیر کے حکم سے فتاویٰ عالمگیری تصنیف کرنے والے علمائے کرام کی جماعت میں شمولیت اختیار کر لی۔ کہتے ہیں تنہا انھوں نے فتاویٰ عالمگیری کی ایک جلد تصنیف کی۔[2]

۱۱۔ قاضی علی اکبر الہ آبادی

شیخ، عالم، فقیہ، قاضی علی اکبر حسنی حنفی الہ آبادی، فقہ، اصول اور علومِ عربیہ کے نامور اور سربر آوردہ علما میں سے تھے۔ پہلے سعد اللہ خاں[3] وزیر نے ان سے قرب پیدا کیا اور

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۴۲۳ (بحوالۂ تجلی نور)۔ [2] ایضاً ج ۶ صفحہ ۵۶۔

[3] یہ سعد اللہ خاں لاہوری کے نام سے مشہور ہیں۔ چنیوٹ کے باشندے تھے۔ نہایت نیک عالم اور دانا تھے۔ حافظِ قرآن تھے۔ علامہ یوسف کیا ہی لاہوری کے شاگرد تھے۔ عرصہ تک مسجد وزیر خاں (لاہور) میں درسِ علوم دیتے رہے۔ لوگوں سے الگ تھلگ اور امرا سے دُور رہتے تھے۔ شاہ جہان کے سریر آرائے سلطنت ہونے کے چودھویں سال لاہور آیا تو ان کے اوصاف سے مطلع ہوا اور موسوی صدر کے ذریعے اپنے ہاں تشریف لانے کی درخواست کی، چنانچہ یہ اتوار کے روز ۱۷ رمضان ۵۰ھ میں اس کے پاس گئے۔ بعد ازاں بادشاہ نے ان کی قابلیت سے متاثر ہو کر بہت سے مناصب دیے اور انھوں نے نہایت مشکل مہمات انجام دیں۔ بادشاہ ان پر بہت اعتماد کرتا تھا اور یہ وزرا میں وہ شخص تھے جو ادب و انشا، تدبیر و سیاست، نظم و نسق، عذوبتِ لسان، حلاوتِ کلام، اصابتِ رائے اور شجاعت و بہادری میں یگانۂ روزگار تھے۔ ۲۶ رجمادی الاخریٰ ۱۰۶۶ھ میں بعارضۂ قولنج وفات پائی۔ بادشاہ نے ان کی وفات پر بہت حزن و ملال کا اظہار کیا۔ (نزہۃ الخواطر ج ۵، ص ۱۵۴، ۱۵۵)

اپنے بیٹے لطف اللہ خاںؒ کے لیے معلم مقرر کیا۔ لطف اللہ خاں طویل مدت تک ان کی خدمت میں رہا اور علوم و معرفت کا بہت بڑا ذخیرہ ان سے حاصل کیا۔ پھر ان کا عالمگیر سے قرب و تعلق پیدا ہو گیا اور اس نے ان کو اپنے بیٹے کا اتالیق مقرر کر دیا۔ عالم گیر کو علوم دینیہ میں ان کی وسعت نظر، استحضار، تقویٰ الٰہی اور بے پناہ نیکی کا علم ہوا تو انھیں لاہور کے محکمۂ قضا پر متعین کر دیا گیا اور پھر وہ اپنی پوری زندگی اسی عہدۂ رفیعہ پر فائز رہے۔ قضا کے سلسلے میں نہایت قابل قدر کردار کے مالک تھے اور اس منصب جلیلہ میں ان کو بڑی عظمت حاصل تھی۔ لوگوں پر کڑی نگرانی رکھتے۔ حدود و تعزیرات کے اجرا کے باب میں صاحب عزیمت تھے۔

مآثر الامرا میں خوافی خان کہتا ہے کہ امرائے دولت ان سے ناراض رہتے لیکن عالم گیر کی ہیبت اور دبدبے کی وجہ سے کسی کو ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے اور ہاتھ بڑھانے کی جرأت نہ تھی۔ اسی اثنا میں امیر قوام الدین اصفہانی کو لاہور کا والی مقرر کیا گیا اس نے نظام الدین کوتوال کو اشارہ کیا کہ ان پر قابو پائے۔ کوتوال نے اپنے آدمیوں کی طاقت سے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قاضی علی اکبر اور ان کے بھانجے سید فاضل کو قتل کر دیا گیا۔ جب یہ بات عالم گیر کو معلوم ہوئی تو اس نے قوام الدین اور نظام الدین کوتوال کو ان کے مناصب سے علیحدہ کر دیا۔ اس کے بعد کوتوال مذکور کو قاضی کے ورثا کے حوالے کر دیا گیا۔ انھوں نے اس کو بطور قصاص کے قتل کر دیا۔ پھر عالم گیر نے قاضی شیخ الاسلام مفتی کو حکم دیا کہ امیر قوام الدین کے مقدمہ کا شریعت کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ لیکن ان کے ورثا نے اس کو معاف کر دیا۔

قاضی علی اکبر مصنف بھی تھے اور مختلف علوم پر ان کی گہری نظر تھی۔ فارسی زبان

لہ سعد اللہ خان وزیر کی وفات کے وقت لطف اللہ خاں گیارھویں سال میں تھا۔ یہ بھی باپ کی طرح فضل و کمال، شجاعت و بسالت اور علم و فضل میں بہت معروف تھا۔ باپ کی وفات کے بعد شاہ جہاں نے اسے اپنی تربیت میں لے لیا تھا۔ عالم گیر نے زمام سلطنت ہاتھ میں لی تو درجہ بدرجہ اس کو بہت ترقی دی۔ ۱۱۱۴ھ میں عہدِ عالم گیری میں فوت ہوا۔ (نزہتہ الخواطر ج ۶ / ص ۲۴۴)

کی مشہور درسی کتاب فصول اکبری اور عربی زبان میں اصول اکبری اور اس کی شرح ان کی تصنیفات میں سے ہیں۔ یہ دونوں کتابیں علم صرف سے متعلق ہیں۔

یہ علما کی اس بلند مرتبت جماعت سے تعلق رکھتے تھے، جن کو عالمگیر نے فتاویٰ عالمگیری کی تدوین پر متعین کیا۔

قاضی علی اکبر الہ آبادی ۱۰۹۰ھ میں قتل کیے گئے۔[1]

مآثر عالمگیری میں ان کا ان الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے:

"دار السلطنت لاہور کے واقعہ نگار نے اطلاع دی کہ سید علی اکبر قاضی شہر، اپنی دیانت و طبیعت کی سختی و تیزی کی وجہ سے کسی کے آگے سر نہیں جھکاتا تھا۔ قاضی مذکور کی وضع کے خلاف اس کا ہمشیر زادہ سید فاضل نامی اپنی کم عقلی کی وجہ سے دست دراز و بدزبان تھا۔ لاہور کے حکام یعنی ناظر و کوتوال شہر اس شخص کے دست و زبان سے تنگ آگئے تھے اور مجبور ہو کر اس کی جان لینے کے خواہاں ہوئے"!

"قاضی مذکور نے بھی اس فتنہ و آشوب میں امیر قوام الدین ناظم لاہور کے ہاتھوں بے حد ذلت و رسوائی کے ساتھ اپنی جان دی"!

"ناظم لاہور قوام الدین اور نظام الدین کوتوال دونوں اشخاص خدمت و خطاب سے برطرف فرمائے گئے۔ نظام الدین کوتوال لاہور ہی میں ختم ہوا اور قوام الدین حضورِ شاہی میں طلب کیا گیا۔ قوام الدین کے بجائے بادشاہ زادہ محمد اعظم ناظم پنجاب مقرر ہوئے اور طرۂ مرصع کے عطیہ سے سرفراز فرمائے گئے۔ لطف اللہ خان کو صوبے کی نیابت عطا ہوئی اور اس امیر کے تغیر سے ابو نصر خاں کو خدمت عرض مکرر پر مقرر فرمایا گیا"!

"قوام الدین خاں اجمیر میں آستانۂ والا پر حاضر ہوا۔ محکمۂ شرعیہ میں مقدمہ دائر ہوا اور قوام الدین روزانہ عدالت میں ذلیل و خوار ہونے لگا۔ آخر کار پسر سید علی اکبر مرحوم، اعزۂ دربار کی سفارش سے دعوئ قصاص طلبی سے باز آیا۔ خان مذکور کو خود ہی اپنے حال پر رحم آیا

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۵، ص ۲۸۱

اور اس نے جلد سے دنیا کو خیر باد کہا۔[1]

۱۴۔ قاضی عبدالصمد جون پوری

فتاویٰ عالمگیری کے مصنفین کی فہرست میں قاضی عبدالصمد جون پوری بھی شامل تھے۔ قاضی موصوف نہایت فاضل آدمی تھے اور فقہ و اصول کے چوٹی کے علماء میں سے تھے۔ ہندوستان کے معروف عالم علامہ محمد رشید بن مصطفیٰ عثمانی جون پوری کے بھتیجے اور شاگرد تھے۔ ایک عرصہ تک ان سے وابستہ رہے یہاں تک کہ تمام علوم و فنون میں سب سے فوقیت لے گئے۔ پھر دہلی گئے اور علمائے کرام کی اس جماعت میں شریک ہو گئے جو فتاویٰ عالمگیری کی تصنیف پر مامور تھے۔ بعد ازاں دکن کے ایک شہر میں عہدۂ قضا پر متعین کر دیے گئے اور خاصی مدت اس عہدہ پر فائز رہے۔ پھر لکھنؤ منتقل ہو گئے اور وہاں آٹھ سال قیام پذیر رہے۔ بادشاہ نے انھیں کئی گاؤں عطا کیے۔ ۲۷ رجب کو بلادِ دکن میں وفات پائی اور ان کی نعش ایک گاؤں رسولا بادی میں لائی گئی اور وہیں قاضی باغ (حدیقۃ القاضی) میں مدفون ہوئے۔ باغ پہاڑ میں اسی طرح مرقوم ہے۔[2]

ان کے استاذ

مناسب معلوم ہوتا ہے یہاں قاضی عبدالصمد جون پوری کے استاذِ مکرم علامہ محمد رشید کا تعارف بھی چند الفاظ میں کرا دیا جائے۔ یہ محمد مصطفیٰ بن عبدالحمید عثمانی جون پوری کے لڑکے تھے۔ فقہ، اصول اور تصوف وغیرہ تمام اصنافِ علم میں کامل مہارت رکھتے تھے۔ مشہور بزرگ شیخ سری بن مفلس سقطی عثمانی کی اولاد سے تھے۔ اٹھارہ واسطوں سے ان کا سلسلۂ نسب شیخ سری تک پہنچتا ہے۔ علامہ محمد رشید ۱۰ ذوالقعدہ ۱۰۰۰ھ کو "برونہ" نامی ایک گاؤں میں پیدا ہوئے جو اعمالِ جون پور میں واقع تھا۔ ان کی والدہ شیخ نورالدین بن عبدالقادر صدیقی بردونی کی بیٹی تھیں۔ انھوں نے اپنے ننھیال

---

[1] مآثرِ عالمگیری (اردو ترجمہ) ص ۲۰۸

[2] نزہۃ الخواطر ج ۶، ص ۱۵۲

میں پرورش پائی اور مختلف اساتذہ سے علوم کی تمام ابتدائی اور انتہائی کتابیں پڑھیں۔ دیگر علوم کے علاوہ تصوف و طریقت سے بھی کامل وابستگی رکھتے تھے۔ خرقہ طریقت دورِ طفولیت ہی میں اپنے والدِ محترم سے زیب و تن کیا۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ تصوف و سلوک اور اذکار و اشغال سے شدید اشتغال کے باوصف، علوم سے سلسلۂ تعلق منقطع نہیں کیا۔ طویل مدت تک درس و افادہ میں منہمک رہے۔ بعد ازاں مطالعۂ کتبِ حقائق میں مشغول ہو گئے۔ اور شیخ محی الدین ابن العربی کی تصنیفات کو خصوصیت سے مرکزِ توجہ ٹھہرایا۔

امرا و اغنیا کے ساتھ اختلاط سے دامن کشاں رہتے تھے۔ اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ جب ان کا شہرۂ کمال شاہجہان بادشاہ تک پہنچا تو اس نے ملاقات کی خواہش ظاہر کی اور ایک مکتوب کے ذریعے اپنے ہاں تشریف لانے کی استدعا کی لیکن انھوں نے انکار کر دیا اور کسی صورت میں اپنے گھر کی چار دیواری سے باہر نکلنے پر آمادہ نہ ہوئے۔

ان کے کچھ مسلکی مختارات تھے، جن پر پابندی سے عمل کرتے۔ مثلاً سری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام پر سختی سے عامل تھے۔ فجر کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان تھوڑی دیر اضطجاع کرتے یعنی دائیں جانب لیٹتے۔ وفات کے وقت اپنے بیٹوں کو وصیت کی کہ اس زمانے کے رواج کے مطابق موت کے بعد انھیں عمامہ نہ پہنایا جائے، نہ ایصالِ ثواب کی غرض سے کوئی چار پایہ ذبح کر کے اس کا گوشت پکایا جائے، نہ تین دن سے زیادہ افسوس کیا جائے اور نہ پختہ قبر بنائی جائے بلکہ مٹی کی کچی قبر بنائی جائے۔

یہ بہترین مصنف بھی تھے۔ عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں کتابیں لکھیں۔ فنِ مناظرہ کی مشہور کتاب رشیدیہ انہی کی تصنیف ہے، جو باقاعدہ درسِ نظامیہ میں شامل اور علما و طلبا میں متداول ہے۔ شرح ہدایۃ الحکمہ اور شیخ اکبر کی اسرار المخلوقات پر ایک شرح سپردِ قلم فرمائی۔ عربی زبان میں خلاصۃ النحو کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی۔ فارسی زبان میں زاد المساکین اور مقصود الطالبین بھی ان کی تصنیفات میں سے

ہیں۔ ان کا ایک دیوان بھی ہے جو بہت سے اشعار پر مشتمل ہے۔ ملفوظات بھی ہیں جو شیخ نصرت جمال ملتانی نے گنج ارشدی میں جمع کیے ہیں۔ علاوہ ازیں مودود بن محمد حسین جون پوری نے بھی ان کے ملفوظات جمع کیے ہیں۔

جمعہ کے روز ۹ رمضان ۱۰۸۳ھ میں (۸۳ سال عمر پا کر) فوت ہوئے

ان کی وفات بھی عجیب طرح واقع ہوئی۔ فجر کی سنتوں سے فارغ ہو کر فرض پڑھنے لگے تھے کہ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ ان کے حالات "گنج ارشدی" میں مرقوم ہیں۔[1]

۱۴۳۔ مولانا ابو الواعظ ہرگامی

علامہ ابو الواعظ بن عماد الدین بن محمد اسماعیل بن قاضی عماد الدین احمد عمری بداونی ہرگامی نہایت فاضل آدمی تھے اور اپنے دور کے مشہور علما میں سے تھے۔ موضع ہرگام میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے۔ تمام عمر تعلیم و تدریس اور تشنگان علوم کو فائدہ پہنچانے میں صرف کر دی۔ مآثر الکرام کے بیان کے مطابق ان کے شاگردوں میں شیخ مربی بن ثناء اللہ بلگرامی کا اسم گرامی شامل ہے۔

تذکرۃ الانساب میں مرقوم ہے کہ عالمگیر بادشاہ نے بھی ان سے تعلیم حاصل کی۔

مولانا ابو الواعظ کے دادا عماد الدین اس خاندان کے پہلے شخص ہیں جو ہرگام میں آ کر آباد ہوئے۔ انھوں نے وہاں کے قاضی سے شرفِ تلمذ حاصل کیا اور اس کی بیٹی سے شادی کی اور پھر وہیں گھر بنا لیا اور مستقل رہائش اختیار کر لی۔

مشہور عالم شیخ محب اللہ الہ آبادی مولانا ابو الواعظ کے چچا زاد تھے۔

آمدنامہ کی روایت کے مطابق، مولانا ابو الواعظ، فتاویٰ عالمگیری کے مصنفین میں شامل تھے۔[2]

ان کے چچا زاد بھائی مولانا محب اللہ الہ آبادی بہت بڑے عالم اور کتب

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۵، ص ۳۶۷ تا ۳۷۰۔

[2] نزہۃ الخواطر، ج ۵، ص ۳۴، ۳۵۔

مشائخ چشتیہ میں سے تھے۔ سوموار کے روز ۲ صفر ۹۹۶ھ میں علاقہ خیر آباد کے ایک گاؤں صدر پور میں پیدا ہوئے اور حصولِ علم میں مصروف ہو گئے۔ پھر لاہور آ گئے۔ وہاں مفتی عبدالسلام لاہوری سے پڑھنا شروع کیا۔ اس زمانے میں شیخ محمد میر سائیں سیوستانی اور وزیر سعد اللہ خاں ان کے ہم درس تھے۔ سعد اللہ خاں عہدِ شاہ جہانی میں وزارتِ عظمیٰ پر فائز ہوا تو اس نے ان دونوں ہم درس دوستوں کو دار السلطنت تشریف لانے کی دعوت دی۔ شیخ محمد میر سائیں نے زہد و قناعت کی زندگی اختیار کر لی تھی، لہٰذا انھوں نے تو اس دعوت کا کوئی جواب نہ دیا۔ البتہ شیخ محب اللہ اس کے پاس دہلی گئے۔ سعد اللہ خاں نے عہدۂ نظامت ان کے سپرد کیا اور ان کے وطن الٰہ آباد بھیج دیا جیسا کہ ذیل الوفیات میں مرقوم ہے۔

بحرِ زخار کی روایت ہے کہ شیخ محب اللہ طلبِ رزق کے سلسلے میں الٰہ آباد سے دہلی آئے اور سابق تعلقات کی بنا پر نواب سعد اللہ خاں سے ملے اور اس کی وساطت سے منصبِ نظامت پر متعین ہوئے لیکن بعد ازاں ان کی کیفیاتِ قلبی اس طرح بدلیں اور طبیعت نے ایسا رخ اختیار کیا کہ تمام علائقِ دنیا سے منقطع ہو کر اللہ سے تعلق جوڑ لیا اور عبادت و زہد کو زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنا لیا۔ عازمِ گنگوہ ہوئے اور طریقۂ چشتیہ کے مطابق شیخ ابو سعید بن نور حنفی گنگوہی سے منسلک ہو گئے اور طویل عرصہ تک وہاں رہے۔ زندۂ مشیخت کو پہنچے اور اپنے گاؤں صدر پور واپس آ گئے۔ کچھ مدت وہاں اقامت پذیر رہنے کے بعد الٰہ آباد چلے گئے اور وہاں دریائے جمنا کے کنارے کٹیا بنا کر بیٹھ گئے اور فقر و فاقہ کی زندگی اختیار کر لی۔ پھر اللہ نے ایک اور انقلاب پیدا کیا۔ ابوابِ رزق وا کیے اور مختلف انواعِ نعمت سے نوازا۔ اس کے بعد پورے بیس سال مسندِ ارشاد پر متمکن رہے۔

بعد ازاں ان کی زندگی نے ایک اور پلٹا کھایا اور شیخ محی الدین ابن عربی کے بعض اقوال کی اس انداز سے تشریح کی کہ لوگوں میں ان کے بارے میں کئی رائیں پیدا ہو گئیں۔ ایک یہ کہ یہ بہت بڑے عارف ہیں اور معارفِ صحیحہ بیان کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ

عارف تو ضرور ہیں لیکن تعبیر میں اس درجہ ٹھوکر کھا گئے ہیں کہ الحاد و زندقہ کی وادی میں جا گرے ہیں۔ تیسرے یہ کہ شدید گمراہی میں مبتلا ہیں اور لوگوں کو گمراہی کی تلقین کرتے ہیں۔

بہر حال مولانا ابوالواعظ ہرگامی کے یہ چچازاد بھائی مولانا محب اللہ الہ آبادی بہت بڑے عالم تھے اور متعدد اونچے پایہ کی کتابوں کے مصنف اور شارح تھے۔

۹ رجب ۱۰۵۸ھ میں الہ آباد میں فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے۔[۱]

مولانا محب اللہ کے تذکرہ میں شیخ محمد میر کا ذکر بھی آیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے بارے میں بھی چند سطور تحریر کر دی جائیں۔

شیخ محمد میر عمری سیوستانی لاہوری بہت بڑے بزرگ اور مقاماتِ عالیہ اور کراماتِ جلیلہ کے حامل تھے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی اولاد سے تھے۔ ۹۵۷ھ میں سیوستان میں پیدا ہوئے اور عمر کی کچھ منزلیں وہیں طے کیں۔ پھر حصولِ علم کے لیے واردِ لاہور ہوئے اور مفتی عبدالسلام لاہوری کے حلقۂ درس میں شریک ہو گئے۔ طریقت کے لیے شیخ خضر سیوستانی کے بابِ عالی پہ دستک دی اور انہی کے اشارے سے لاہور آئے۔ اس وقت ان کی عمر ۲۵ سال تھی۔ پورے چالیس سال لوگوں سے الگ اور دنیا سے منقطع ہو کر متوجہ الی اللہ رہے۔ یہاں تک کہ اللہ نے ان کے لیے حقائق و معارف کے دروازے کھول دیے اور علمائے راسخین کے زمرہ میں شامل ہو گئے۔ لوگ ان کی طرف دوڑے اور ملوک و سلاطین نے ان کے حضور سر جھکا دیے۔ بے نیازی کا یہ عالم تھا کہ نہ کسی کی نذر قبول کرتے اور نہ کسی سے تحائف وصول فرماتے۔ معمولی کپڑے اور سادہ کھانے پر اکتفا فرماتے۔

عمل صالح میں محمد صالح کمبوہ نے نہایت احترام سے ان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ پورے ساٹھ سال لاہور میں اقامت گزین رہے اور بے شمار لوگ ان سے مستفیض ہوئے ——— شاہ جہان بادشاہ نے کشمیر سے واپسی پر ان کی

---

۱ تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو۔ نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۳۲۲ تا ۳۲۵۔ نیز دیکھیے تذکرہ علمائے ہند (فارسی) ص ۱۷۵

Marfat.com

زیارت کا شرف حاصل کیا اور ان کے فضل و کمال کی فراوانیوں سے بہت متعجب اور متاثر ہوا۔

۲۰ ربیع الاول ۱۰۴۵ ہجری کو لاہور میں وفات پائی۔ ان کی قبر میاں میر لاہور میں مرجع خلائق ہے۔[1]

شاگرد

مآثر الکرام میں فتاوی عالمگیری کے اس مرتب یعنی مولانا ابوالواعظ کے حلقۂ درس کا بھی ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے ان کے شاگردوں میں سید مربی بن عبدالغنی بلگرامی کا اسم گرامی بھی تذکروں میں مرقوم ہے۔ سید مربی بن عبدالغنی بن طیب بن عبدالواحد حسینی بلگرامی اللہ کے نیک بندوں میں سے تھے اور عظیم القدر عالم تھے۔ بلگرام میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ قرآن مجید حفظ کیا اور سید اسماعیل حسینی بلگرامی سے تحصیل علم کی۔ پھر عازم قنوج ہوئے اور شیخ یٰسین قنوجی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے۔ اس کے بعد ہرگام گئے اور باقی درسی کتابیں مولانا ابوالواعظ ہرگامی سے پڑھیں۔ تحصیل علم کے بعد اپنے شہر بلگرام تشریف لے گئے اور اپنے آپ کو درس و افادۂ عام کے لیے وقف کر دیا۔ سید مربی بن عبدالغنی کے جاری کردہ چشمۂ علم سے شیخ محمد عاقل ازرولوی، سید طفیل محمد بلگرامی اور بہت سے لوگوں نے اپنی علمی پیاس بجھائی۔

سید مربی کا انتقال پیر کے روز ۱۴ شعبان ۱۱۱۷ھ کو ہوا۔[2]

تذکرہ علمائے ہند میں ان کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

"سید مربی بلگرامی عالم عارف بود۔ خلائق ازو منتفع می شدند۔ بہزار و یکصد و ہفدہ ہجری وفات یافت"۔[3]

۱۴۔ مفتی ابوالبرکات دہلوی

فتاوی عالمگیری کے مرتبین کی طویل فہرست میں دارالسلطنت دہلی کے مفتی ابوالبرکات

---

[1] نزہۃ الخواطر، ج ۵ ص ۲۹۲ [2] نزہۃ الخواطر ج ۶، ص ۳۶۸

[3] تذکرہ علمائے ہند (فارسی) ص ۲۷۶

کا نام نامی بھی اُس دور کے مختلف تذکروں میں مرقوم ہے۔ اس عالم کبیر اور فقیہ نامدار کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

مفتی ابوالبرکات بن حسام الدین بن سلطان بن ہاشم بن رکن الدین بن جمال الدین بن سماء الدین حنفی دہلوی۔ مفتی ابوالبرکات کا شمار اس زمانے کے کبار فقہائے حنفیہ میں ہوتا تھا۔ دہلی میں پیدا ہوئے یہ شہر اس زمانے میں علماء فقہا کے عظیم مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ اسی شہر کی علمی فضاؤں میں ان کی پرورش ہوئی اور بڑے بڑے علمائے کرام کے فیضِ صحبت سے بہرہ اندوز ہوئے۔ عمر کی کچھ منزلیں طے کیں تو عہدِ عالمگیری میں پہلے دہلی کی مسندِ افتا پر پھر اسی شہر کی مسندِ قضا پر متمکن کیے گئے۔

فقہی مسائل سے متعلق ان کی ایک تصنیف ہے، جس کا نام "مجمع البرکات" ہے اور دو عظیم جلدوں کو محتوی ہے۔ اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

الحمد للہ الذی نور قلوب الموحدین بنور التوحید والایمان الخ

اس کی وجہ تالیف انھوں نے ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

لما کانت الروایات اشتاتا متفرقۃ جمعتہا جمعا لیسھل الوقوف بہا ورتبتہا ترتیبا لیتیسر الاطلاع علیہا فی ھذا المختصر الخ

مجمع البرکات کی تالیف سے مفتی ابوالبرکات ۹ ذی الحجہ ۱۱۰۶ھ میں فارغ ہوئے فقہ اور اصول میں انھیں ید طولی حاصل تھا۔ "شمس التواریخ" کے بیان کے مطابق اسی وجہ سے یہ فتاویٰ عالمگیری کے مصنفین کی خوش بخت جماعت میں شامل ہوئے[۱]

۵۱۔ شیخ احمد بن ابوالمنصور گوپامئوی

عالم و فقیہ الشیخ احمد بن ابوالمنصور خطیب گوپامئوی، اکابر فقہائے حنفیہ میں سے تھے۔ گوپامئو کے علمی خطے میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ اپنے والد شیخ ابوالمنصور اور شیخ علامہ احمد بن ابوسعید حنفی امیٹھوی سے علم حاصل کیا۔ ہمیشہ علمی مباحث میں مشغول رہے اور ان کا شمار فقہ اور علومِ عربیہ کے نامور علما میں ہونے لگا۔ اسی وجہ

---

[۱] نزہۃ الخواطر، ج ۶، ص ۴

سے عالمگیر نے فتاویٰ عالم گیری کی ترتیب کے لیے ان کی خدمات حا
ایک روپیہ یومیہ اور کچھ غلہ ان کا وظیفہ مقرر کیا ، جس کا عالمگیر کی طرف سے ایک
تحریری دستاویز کی صورت میں ان سے عہد کیا گیا ۔ اس پر ۱۱ ذی قعدۃ الحرام ۱۰۷۸
کی تاریخ مرقوم ہے ۔ اس دستاویز میں لکھا گیا ہے کہ یہ وظیفہ انھیں شیخ وجیہ الدین گوپامو
کی تصدیق سے دیا جاتا ہے ۔

کہتے ہیں شیخ احمد بن ابو المنصور نے اپنے شیخ و استاذ شیخ احمد بن ابو سعید امیٹھوی
کی معیت میں حجاز کا سفر بھی کیا اور حج کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے اور وہیں وفات
پائی ۔ یہاں یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ شیخ احمد بن ابو سعید امیٹھوی نے دو مرتبہ سفر حجاز
کیا ۔ ایک مرتبہ ۱۱۰۲ھ میں حجاز گئے اور پانچ سال تک وہاں قیام فرما رہے ۔ دوسری
مرتبہ ۱۱۱۲ھ میں گئے ۔ یہ معلوم نہیں کہ شیخ احمد بن ابو المنصور ان کے ساتھ پہلی مرتبہ
حجاز گئے یا دوسری مرتبہ[1]

ان کے استاذ

ان کے استاذ الشیخ علامہ احمد بن ابو سعید امیٹھوی بہت بڑے عالم اور ہندوستان
کی مشہور شخصیت ہیں اور یہ وہی بزرگ ہیں ، جنھیں "ملا جیون" کے نام سے موسوم
کیا جاتا ہے ۔ بروز منگل مورخہ ۲۵ شعبان ۱۰۴۷ھ کو شہر امیٹھی میں پیدا ہوئے ۔
علم و فضل کی گود میں تربیت پائی اور اپنے والد مکرم کے حلقۂ درس میں شامل ہو گئے ۔
حافظہ اس درجہ تیز تھا کہ سات سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کر لیا ۔ پھر کتب درسیہ
کی تقدیم و تاخیر کا لحاظ کیے بغیر حصول علم میں مشغول ہو گئے ۔ ۱۳ سال کی عمر کو پہنچے
تو والد فوت ہو گئے اور اکثر کتب درسیہ شیخ محمد صادق ستر کھی سے اور بعض مولانا
لطف اللہ کا کوروی سے پڑھیں ۔ بائیس سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے پھر
اپنے شہر ہی میں سلسلۂ تدریس شروع کر دیا ۔ دہلی میں بھی خاصا عرصہ مقیم رہے اور
وہاں درس دیتے رہے ، جس سے لوگوں نے بہت فائدہ اٹھایا ۔ ۵۵ سال کی عمر

---

[1] نزہۃ الخواطر ، ج ۶ ، ص ۲۱ ، ۲۲

Marfat.com

میں حرمین شریفین گئے اور فریضۂ حج ادا کیا۔ وہاں خاصی مدت قیام کیا۔ پھر واپس ہندوستان آ گئے اور چھ سال بلادِ دکن میں اورنگ زیب عالم گیر کی فوجی چھاونیوں میں اقامت پذیر رہے۔ ۱۱۲۰ھ میں دوبارہ سرزمینِ حجاز تشریف لے گئے اور مناسک حج ادا کیے۔ ایک مرتبہ والد کی طرف سے اور ایک مرتبہ والدہ کی جانب سے! وہاں نہایت غور و فکر سے اور شروح سامنے رکھ کر صحیحین کا درس بھی دیا۔ ۱۱۱۷ھ میں وطن واپس آئے۔

ملا جیون، متعدد بہترین اور مشہور کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں سب سے مشہور تفسیر احمدی ہے، جو ۱۰۶۴ھ میں (اپنے شہر امیٹھی میں) اس وقت لکھنا شروع کی جب ان کی عمر صرف ۱۶ برس تھی۔ وہ طالب علمی کا زمانہ تھا اور حسامی پڑھتے تھے۔ کتاب کی تصنیف سے ۱۰۶۹ھ میں فارغ ہوئے۔ اس وقت بھی طالب علم تھے۔ اور شرح المطالع زیرِ درس تھی۔ اصولِ فقہ کی نور الانوار معروف کتاب بھی ان کی تصنیف ہے، جو درسِ نظامیہ میں باقاعدہ پڑھائی جاتی ہے۔ یہ کتاب اپنی جگہ نہایت اہم کتاب ہے (قیام مدینہ منورہ کے دوران صرف دو مہینے میں تصنیف کی۔ یعنی یکم ربیع الاول ۱۱۰۵ھ میں لکھنا شروع کی، اور ۷ جمادی الاولیٰ ۱۱۰۵ھ میں مکمل کر لی۔ علاوہ ازیں مناقب الاولیا اور آدابِ احمدی وغیرہ کئی کتابیں ان کی تصنیفات میں شامل ہیں۔ عربی اور فارسی کے بہت اچھے شاعر بھی تھے۔

بہرحال ملا جیون نہایت ذکی، تیز ذہن اور تفسیر، حدیث، فقہ، اور اصول فقہ کے بہت بڑے عالم تھے۔ منگل کی رات ۹ ذی القعدہ، ۱۱۳۰ھ کو (۸۳ سال عمر پا کر) دہلی میں فوت ہوئے اور وہیں زاویۂ میر محمد شفیع دہلوی میں دفن کیے گئے۔ پھر پچاس روز کے بعد وہاں سے جسدِ مبارک نکال کر آبائی شہر امیٹھی میں منتقل کیا گیا اور اپنے مدرسہ میں سپردِ خاک کیے گئے[1]

تذکرہ علمائے ہند میں مولوی رحمان علی نے ان کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے:

---

[1] تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر، ج ۶، ص ۱۹ تا ۲۱

Marfat.com

"ملا جیون امیٹھوی ، نام او شیخ احمد بن ابی سعید بن عبداللہ بن عبدالرزاق بن خاصہ خدا ، الصدیقی نسباً ، الحنفی مذہباً ، المکی اصلاً ، الصالحی بطناً ، الامیٹھوی مولداً ۔ قوتِ حافظہ بغایتہ داشت کہ قصیدہ بشنیدن یک بار یاد می گرفت و عبارت کتب درسیہ بلامعانیہ کتاب زبانی می خواند ۔ اولاً قرآن مجید حفظ کردہ ۔ کتب درسیہ از علمائے عصر خود تحصیل نمودہ ۔ فاتحہ فراغ بخدمت ملا لطف اللہ ساکن کوڑہ جہان آباد ، خواند ۔ پس ازاں بحضور محی الدین اورنگ زیب پادشاہ باریاب شدہ ۔ بادشاہ موصوف بتعظیم و توقیر پیش آمدہ ۔ بحلقہ تلامذہ وے درآمد و تا زندگی پا از جادۂ ادبش بیرون نہاد ۔ ہم چنیں اولادِ بادشاہ موصوف مراعی آداب ش بودند ۔ ملا محمد وح الذکر عمر عزیز ش را با فادۂ درس و تصنیف صرف نمودہ ۔ بزیارت حرمین شریفین مشرف شدہ ۔ از غرہ ربیع الاول سن یازدہ صد و پنج ہجری تسوید نور الانوار شرح منار آغاز کردہ ، بہ ہفتم جمادی الاولی سالِ مذکور در حرم شریف مدینہ منورہ بلا اعانتِ کتابے باختتام رسانیدہ ۔ و تفسیر احمدی در شرح آیاتِ احکامی از تصانیف شہیرہ اوست ۔ در یازدہ صد و سی ہجری بدہلی وفات یافتہ نعش او بہ امیٹھی آوردہ ، دفن کردند ۔ طاب اللہ ثراہ و جعل الجنۃ مثواہ۔[1]

۱۶ ۔ مولانا عبدالفتاح صمدانی

فتاویٰ عالمگیری مرتب کرنے والے علمائے کرام کی بلند بخت جماعت کے ایک اہم رکن ، مشہور فقیہ و عالم مولانا الشیخ ابوالفرح عبدالفتاح بن ہاشم حسینی صمدانی تھے ۔ ان کا شمار دورِ گذشتہ کے مشاہیر فقہائے ہند میں ہوتا ہے ۔ انھوں نے مرکزِ علم جون پور میں سید محمد جون پوری سے اخذِ علم کیا ۔ پھر دہلی تشریف لے گئے ۔ وہاں سید محمد زاہد بن محمد اسلم حنفی ہروی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے اور علم و فضل میں یہاں تک ترقی کی کہ علمائے عظام کی اس جماعت میں شرکت کرنے کی سعادت سے بہرہ اندوز ہوئے جنھوں نے فتاویٰ عالمگیری تصنیف کرنے کی اہم علمی و فقہی خدمت انجام دی ۔ مولانا عبدالفتاح صمدانی اس جماعت کے وہ سرگرم رکن تھے کہ جنھوں نے اپنی تمام مساعی

---

[1] تذکرہ علمائے ہند ، ص ۴۵

اس کام کے لیے وقف کردیں۔[1]

اساتذہ

مولانا عبدالفتاح کے اساتذہ میں سے ہمیں صرف دو علمائے کرام کا علم ہو سکا ہے۔ ایک سید محمد زاہد ہروی کا اور دوسرے مولانا سید محمد جون پوری کا۔ سید محمد زاہد ہروی اگرچہ اصلاً علاقہ کابل کے باشندے تھے لیکن ہندوستان میں پیدا ہوئے اور یہیں تعلیم حاصل کی۔ منطق و فلسفہ میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ ذہانت، فطانت اور ذکاوت میں عدیم النظیر تھے۔ تیرہ سال کی عمر میں فتویٰ و تدریس کے قابل ہو گئے تھے۔ شاہ جہان بادشاہ سے بھی ان کا تعلق رہا اور اورنگ زیب عالمگیر سے بھی! تمام عمر درس و تدریس میں صرف کردی۔ شرح المواقف، شرح التہذیب، رسالہ قطبیہ وغیرہ، کتابوں پر انھوں نے حواشی لکھے۔ یہ وہ کتابیں ہیں جو درسِ نظامیہ میں متداول ہیں اور باقاعدہ پڑھائی جاتی ہیں۔ شاہ جہان نے ان کی قابلیت سے متاثر ہو کر رمضان ۱۰۶۴ھ میں کابل میں سوانح لکھنے پر متعین کیا۔ ان کی وفات ۱۱۰۱ھ میں شہر کابل میں ہوئی۔[2]

مولانا عبدالفتاح عمدانی کے دوسرے استاذ سید محمد جون پوری کے حالات افسوس ہے، معلوم نہیں ہو سکے۔

۱۷۔ قاضی عصمت اللہ لکھنوی

فتاویٰ عالمگیری کے ایک مولف قاضی عصمت اللہ عمری لکھنوی تھے، جو قاضی عبدالقادر عمری لکھنوی کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ اٹھارہ واسطوں سے ان کا سلسلہ نسب مشہور بزرگ اور شہرۂ آفاق صوفی حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ سے جا ملتا ہے۔ قاضی عصمت اللہ بڑے فاضل آدمی تھے۔ لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور اسی شہر میں پرورش پائی۔ اپنے والدِ مکرم قاضی عبدالقادر عمری لکھنوی اور مفتی وجیہ الدین گوپاموی (دیکھیے ازمرتبین فتاویٰ عالمگیری) سے تعلیم حاصل کی۔ طریقت و سلوک کی

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۶، ص ۱۵۶ (بحوالہ عزیز التواریخ)

[2] تفصیلات کے لیے دیکھیے نزہۃ الخواطر ج ۶، ص ۳۰۶ تا ۳۰۸

Marfat.com

منزلیں طے کرنے کے لیے شیخ پیر محمد سلونی سے منسلک ہوئے۔ پھر بادشاہ ہندوستان عالمگیر سے رابطہ پیدا ہو گیا تو اس نے ان کو مراد آباد کا والی مقرر کر دیا۔ اس عہدہ پر خاصی مدت فائز رہے۔ بعد ازاں مختلف شہروں میں منتقل ہوتے رہے۔ بڑے سخی، ایثار پیشہ اور مستحقین پر مال و دولت خرچ کرنے والے تھے۔ علما و مشائخ کا اس درجہ خیال رکھتے کہ ان کو خراجی زمین کے ایک لاکھ کاشت کار (جن کے ساتھ کثیر تعداد میں مویشی بھی تھے) دیے اور اپنی جاگیروں سے سات گاؤں عطا فرمائے۔ طلبا سے تعلقِ خاطر کا یہ عالم تھا کہ روزانہ دو سو طلبائے علم کو کھانا کھلاتے اور رمضان شریف میں روزانہ ایک ہزار آدمی کو اپنے لنگر سے کھانا مہیا کرتے۔ یہ عظیم القدر عالم دین بھی فتاویٰ عالمگیری کے مصنفین میں سے تھے۔

قاضی عصمت اللہ لکھنوی کی وفات ساحل نربدہ پر ۱۲ رجب ۱۱۱۳ھ کو اس وقت ہوئی جب وہ بلادِ دکن سے لوٹ رہے تھے۔ وفات کے وقت ان کی عمر ۷۶ سال تھی[1]۔

تذکرہ علمائے ہند میں ان کا ذکر ان الفاظ سے کیا گیا ہے:

"مولوی عصمت اللہ لکھنوی، خلفِ اکبر مولوی عبدالقادر و مریدِ شیخ پیر محمد سلونی۔ وے حافظِ قرآن و عالمِ علوم عربیہ بود و در علم و عمل از برادرانِ خود فوقیت داشت۔ لباسِ سپاہیانہ را عشا وہ حال خود ساختہ بصورت اغنیاء در صحبت بادشاہ مستور بود۔ دوم رجب سال یک ہزار و یک صد و سیزدہ ہجری، شبِ شنبہ براہِ دکن در موضع بربندہ وفات یافتہ و ہفتہ ہم شوال سنِ مذکور بروز جمعہ در موضع بھدانوہ متصل بلدہ لکھنؤ مدفون کردندش۔ نقلہ اللہ بدار النعیم، تاریخ رحلت ولیست[2]۔"

اساتذہ

سطور بالا میں قاضی عصمت اللہ لکھنوی کے اساتذہ اور مرشدوں میں تین حضرات

---

[1] نزہتہ الخواطر ج ۶، ص ۱۷۹، ۱۸۰ (بحوالہ بحرِ زخار)

[2] تذکرہ علمائے ہند، ص ۱۴۰

کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ایک مفتی وجیہ الدین گوپامئوی کا۔ دوسرے ان کے والد مولانا عبدالقادر عمری لکھنوی کا اور تیسرے پیر محمد سلونی کا۔ مفتی وجیہ الدین گوپامئوی کے حالات پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ دوسرے دو حضرات کا تعارف سطور ذیل میں کرایا جاتا ہے:

ان کے والد گرامی مولانا عبدالقادر عمری لکھنوی، فضلائے ہند اور اپنے دور کے اکابر علما میں سے تھے۔ ایک روایت کے مطابق ۹۹۶ھ میں لکھنؤ میں اور ایک روایت کے ۹۹۴ھ میں کسمنڈی میں پیدا ہوئے جو لکھنؤ کے قریب ایک گاؤں تھا۔ قرآن مجید حفظ کرنے کے بعد حصولِ تعلیم کی غرض سے لاہور اور دیگر بلادِ ہند کا سفر کیا۔ تکمیلِ تعلیم کے بعد شہر لکھنؤ میں مسندِ درس بچھائی اور بے شمار لوگوں کو زیورِ علم سے آراستہ کیا، جن میں شیخ پیر محمد سلونی، سید محمد شفیع دہلوی، سید محمد قنوجی، شیخ قطب الدین سہارن پوری، سید غلام مصطفیٰ اشرفی جائسی، شیخ محمد زمان کاکوروی، شیخ مجتبیٰ قلندر لاہوری، سید حسن رسول نما دہلوی، قاضی معین الدین مہوفوی، قاضی شرف الدین لکھنوی، قاضی عبداللطیف بہرائچی، قاضی حبیب اللہ سندیلوی، مولانا عبداللہ سندیلوی، مولانا رکن الدین محدث دہلوی، شیخ فتح اللہ قنوجی، مولانا جعفر صدر پوری، مولانا علیم اللہ کجندوی، مولانا ابوسعید لکھنوی، شیخ مرتضیٰ نواب مختار خاں امیر بنگالہ، شیخ صدر الدین لکھنوی، اور بہت سے لوگ شامل ہیں۔[1]

مولانا عبدالقادر لکھنوی کی وفات ۸۲ سال کی عمر میں ۲۷ رشعبان ۱۰۷۶ھ میں ہوئی۔ قبر لکھنؤ میں ہے۔ بعض لوگوں نے ان کی تاریخِ وفات "رضی اللہ" سے نکالی ہے۔[2] شیخ رفیع الدین مرادآبادی کے حالات میں جو رسالہ لکھا گیا ہے اس میں اس طرح مرقوم ہے۔

شیخ پیر محمد سلونی، ان کے مرشد روحانی تھے، جن کا شمار مشہور مشائخ ہند میں ہوتا تھا۔ ان کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ پیر محمد بن عبدالنبی بن ابوالفتح بن ہداد بن من اللہ بن بہاء الدین عمری جون پوری، ثم سلونی۔ ۹۹۶ھ میں سلون شہر میں پیدا ہوئے اور بغرضِ حصولِ علم مانک پور کا سفر کیا اور اس سلسلے میں اپنی تمام مساعی وقف کر دیں۔ قیام مانک پور کے دوران میں ان کی ملاقات شیخ عبدالکریم بن سلطان مانک پوری سے ہوئی۔ شیخ اپنے

---

[1] نزہۃ الخواطر، ج ۵، ص ۲۳۴ (بحوالہ راحۃ الارواح) [2] ایضاً۔

مدرسے جا رہے تھے کہ انھوں نے ان سے پوچھا آپ کون سی کتابیں پڑھتے ہیں؟ کہا ہدایۃ الفقہ اور تفسیر بیضاوی۔ ! فرمایا۔ میرے پاس آؤ۔ جو چاہو! میں تمھیں پڑھاؤں گا۔ ؟ لیکن پیر محمد سلونی چونکہ شیخ عبدالکریم کے مرتبۂ علم اور ان کے مذہب و مشرب سے واقف نہ تھے، لہٰذا ان کی بات کی طرف عنانِ توجہ مبذول نہ کی۔ اتنے میں اپنے استاذ کی خدمت میں پہنچے اور درس کے لیے ان کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھے تو نہ خود پڑھنے پر قادر ہو سکے اور نہ استاذ پڑھانے پر۔ ! استاذ کو اس غیر متوقع صورت حال سے بڑا تعجب ہوا اور اس کی وجہ دریافت فرمائی۔ انھوں نے وہ سارا واقعہ بیان کیا جو ان کے اور شیخ عبدالکریم کے درمیان پیش آیا تھا۔ اب استاذ نے شاگرد کو ساتھ لیا اور شیخ عبدالکریم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے طالبِ معذرت و عفو ہوئے۔ بعد ازاں پیر محمد سلونی شیخ عبدالکریم سے چھ مہینے وابستہ رہے۔ ان سے ہدایہ اور بیضاوی پڑھی اور طریقت و سلوک حاصل کیا۔ جب تصوّف و ارشاد کی منزلیں طے کر چکے تو شیخ عبدالکریم نے ان کو اپنا خلیفہ مقرر کر لیا اور ان کے شہر سلون بھیج دیا۔

اس زمانے میں بے شمار غیر مسلم، پیر محمد سلونی کے وعظ و نصیحت اور توجّہِ خاص سے حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ اس کا اندازہ اس سے کیجیے کہ اس دور میں ہندوؤں کا ایک گروہ جو سناسیوں کے نام سے موسوم تھا، ہندوستان کے مختلف علاقوں میں گھوم رہا تھا۔ ان سے انھوں نے کہا تم کس کی عبادت کرتے ہو۔ ؟ انھوں نے جواب دیا، ہم بتوں کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ ! یہ سن کر انھوں نے ان لوگوں کو تبلیغِ اسلام کی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ بہر حال یہ تلقین و ارشاد میں مصروف رہے اور سید علاء الدین سندیلوی اور سید بدر الدین بریلوی ایسے بے شمار مشائخ نے ان سے استفادہ کیا۔ عالمگیر کو ان کی نیکی اور تدین کا پتہ چلا تو اس نے دو گاؤں بطور جاگیر عطا کیے، جو اب تک ان کے ورثا کی ملکیت میں ہیں جن سے حکومت نے تعرض نہیں کیا ان کی وفات ۲۲ محرم الحرام ۱۰۹۹ھ کو سلون شہر میں ہوئی اور وہیں دفن کیے گئے۔[۱]

---

[۱] نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۹۵، ۹۶۔

۱۸۔ قاضی محمد دولت فتح پوری

فتاویٰ عالمگیری کے یہ مرتب یعنی قاضی محمد دولت فتح پوری، اپنے عصر کے فاضل علمائے حنفیہ میں سے تھے۔ ان کا سلسلہ نسب یہ ہے۔ قاضی محمد دولت بن محمد یعقوب بن فرید بن سعد اللہ بن احمد بن حافظ الدین انصاری سہالوی۔ ان کے والد محمد یعقوب شیخ محب اللہ عمری الہ آبادی کے بھانجے تھے اور دادا حافظ الدین، شیخ قطب الدین بن عبدالحلیم سہالوی کے بھی دادا تھے۔ قاضی محمد دولت، شیخ محمد عاشق بن عبدالواحد کرانوی کے چچا اور علامہ شیخ کمال الدین فتح پوری کے والد تھے۔

قاضی محمد دولت موضع سہالی میں پیدا ہوئے۔ وہیں نشوونما ہوئی اور وہیں شیخ قطب الدین بن عبدالحلیم سہالوی سے علم حاصل کیا۔ الرسالۃ القطبیہ کے بیان کے مطابق شیخ شہید نے انہیں متبنیٰ بنا لیا تھا۔ شیخ قطب الدین کی شہادت کے بعد ۱۱۰۳ھ میں یہ سہالی سے فتح پور منتقل ہو گئے اور وہاں اپنے سسر ابوالرافع الحسامی کے گھر میں رہنے لگے۔ وہاں سے دہلی گئے اور فتاویٰ عالمگیری کے زمرۂ مؤلفین میں شامل ہو گئے۔ چونکہ یہ شیخ محب اللہ الہ آبادی سے تعلق قرابت رکھتے تھے، اس لیے سید محمد الحسینی قنوجی نے عالمگیر سے ان کی سفارش کی اور اس نے ان کو شہر سورت کے محکمۂ قضا پر متمکن کر دیا۔ اغصان الانساب کی روایت کے مطابق قاضی مقرر ہو کر سورت جا رہے تھے کہ اثنائے سفر میں راہزنوں کے چنگل میں پھنس گئے اور قتل کر دیے گئے۔[1]

ان کے استاذ

قاضی محمد دولت فتح پوری کے استاذ علامہ شیخ قطب الدین شہید بن عبدالحلیم بن عبدالکریم انصاری سہالوی معقول و منقول کے اکابر اور نامور علما میں سے تھے۔ سہالی میں پیدا ہوئے اور وہیں پلے بڑھے۔ سہالی ایک گاؤں ہے، جو لکھنؤ کے نواح میں واقع ہے۔ صغر سنی میں ہی حصول علم میں مشغول ہو گئے تھے۔ ان کے اساتذہ کا حلقہ

---

[1] نزہۃ الخواطر، ج ۶، ص ۳۰۳

Marfat.com

بڑا وسیع ہے، جن میں قاضی عبدالقادر لکھنوی کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔ یہ نہایت ذہین و فطین بھی تھے اور انتہائی نیک اور متقی بھی۔ سلسلۂ چشتیہ سے منسلک تھے۔ صائم الدہر اور قائم اللیل تھے۔ تہجد میں ایک ہی رات میں پورا قرآن مجید ختم کر لیتے۔ ساتھ ہی طلبا کو بھی باقاعدہ تعلیم دیتے۔ البتہ منگل اور جمعہ کے روز تدریس کی چھٹی کرتے اور ان دو دنوں میں تصنیف و تالیف میں مصروف رہتے۔ ان کی تصنیفات کا دائرہ بھی وسیع تھا لیکن اکثر تصنیفات ان کی شہادت کے موقع پر ضائع ہو گئیں۔ جو کسی طرح محفوظ رہ گئی ہیں، وہ یہ ہیں: الامور العامہ پر حاشیہ، التلویح پر حاشیہ، شرح حکمت العین پر حاشیہ، شرح العقائد العضدیہ پر حاشیہ، شرح العقائد النسفیہ پر حاشیہ، مطول پر حاشیہ اور ایک رسالہ تحقیق دار الحرب۔

ان کے تلامذہ کی فہرست بھی بڑی طویل ہے اور اس میں بڑے بڑے جیّد اور فاضل حضرات کے اسمائے گرامی شامل ہیں۔

شیخ قطب الدین کو شہادت کی موت نصیب ہوئی۔ وہ اس طرح کہ یہ انصاری برادری سے تعلق رکھتے تھے جو سہالی میں ایک بااثر برادری تھی۔ وہاں ایک دوسری برادری بھی تھی جو عثمانی کہلاتی تھی۔ ان دونوں برادریوں کے درمیان جائداد میں شراکت کے بارے میں جھگڑا پیدا ہو گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عثمانی برادری نے مولانا قطب الدین پر دھاوا بول دیا، ان کے گھر میں گھس آئے، مکان کو آگ لگا دی اور مولانا کو قتل کر دیا۔

دوسری روایت یہ ہے کہ شیخ قطب الدین کے دادا نے ایک مفلس اور مالی اعتبار سے کم حیثیت آدمی کو اپنی زمین میں جگہ دی۔ پھر آہستہ آہستہ اس کی اولاد مال دار ہو گئی اور سہالی کے نواح میں کئی دیہات ان کی ملکیت میں آ گئے۔ بعد میں ان کے درمیان جھگڑا پیدا ہو گیا، جس کے نتیجے میں شیخ قطب الدین ان کے ہاتھوں شہید ہو گئے۔ ان کا مکان نذر آتش کر دیا گیا اور ان کے بیٹے نظام الدین جو چودہ سال کی عمر کے تھے، گرفتار کر لیے گئے۔ ان کے دوسرے بیٹے محمد سعید جو (فتاویٰ عالمگیری کے مرتبین میں سے تھے) اپنے اہل و عیال اور بھائیوں سمیت لکھنؤ چلے گئے۔ پھر عالمگیر بادشاہ سے ملے اور

اس سے تمام واقعہ بیان کیا۔ عالمگیر نے ان کو لکھنؤ میں ایک محل عطا کیا جس میں ایک فرنگی تاجر رہائش رکھتا تھا۔ اور اب اپنے وطن واپس چلا گیا تھا۔ اسی وجہ سے یہ محلہ فرنگی محل کے نام سے مشہور ہوا۔

یہ ۱۱۰۳ھ کا واقعہ ہے، شیخ قطب الدین رحمہ اللہ ۶۳ سال کی عمر میں شہید کیے گئے۔[1]

شیخ شہید کی اولاد

شیخ قطب الدین شہید کی اولاد میں سے دو لڑکے بہت مشہور اور نامور عالم تھے ایک محمد سعید (جو مصنفینِ فتاویٰ عالمگیری کی جماعت میں شامل تھے اور جن کے حالات آئندہ سطور میں بیان کیے جائیں گے) دوسرے شیخ نظام الدین لکھنوی۔ (چونکہ یہ باپ کی شہادت کے بعد مستقل طور سے لکھنؤ منتقل ہو گئے تھے، اس لیے لکھنوی کہلائے) بہت بڑے علامہ، علوم وفنون میں یگانہ، تحقیق و کاوش میں بے نظیر اور اصول، منطق اور علمِ کلام میں عدیم المثال تھے۔ بے شمار علما کے استاذ اور اوصاف حمیدہ کے مالک تھے۔ علوم میں وسعتِ نظر اور فنونِ متنقدمین پر بدرجہ غایت عبور رکھنے والے، عارف زاہد، مجاہد، عبادت گزار، بلند اخلاق و متواضع اور منکسر المزاج تھے اور لوگوں کے ہمدرد و خیر خواہ اور ان سے انتہائی انس و تعلق رکھتے تھے۔ ان کا اندازِ تدریس اتنا دلکش اور مؤثر تھا کہ طلبا ان پر ٹوٹ پڑتے۔ ہندوستان میں بہت سے مدارس میں انھوں نے مسندِ درس بچھانے کی سعادت حاصل کی۔

ان کے اساتذہ میں ملا علی قلی جائسی، حافظ امان اللہ بن نور اللہ بنارسی، شیخ غلام نقشبند بن عطاء اللہ لکھنوی وغیرہ جلیل القدر علما شامل ہیں۔ چالیس سال کی عمر میں شیخ عبدالرزاق بن عبدالرحیم حسینی بانسوی سے بیعت ہوئے اور ان سے تصوف و طریقت کی تعلیم حاصل کی۔ سید غلام علی الحسینی بلگرامی سبحۃ المرجان میں لکھتے ہیں کہ میں ۱۹ ذی الحجہ ۱۱۴۸ھ میں لکھنؤ گیا اور شیخ نظام الدین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں نے ان کو سلف صالحین کے طریقے

---

[1] تفصیلات کے لیے دیکھیے نزہتہ الخواطر ج ۶، ص ۲۳۰-۲۳۱ (بحوالہ سبحۃ المرجان اور الرسالۃ القطبیہ) نیز ملاحظہ ہو تذکرہ علمائے ہند (فارسی) ص ۱۶۷، ۱۶۸

پر پایا۔ ان کی پیشانی پر نورِ تقدیس چمک رہا تھا۔

ان کے تلامذہ کا حلقہ بڑا وسیع ہے، جن میں سید کمال الدین عظیم آبادی، سید ظریف عظیم آبادی، علامہ کمال الدین فتح پوری، شیخ عبداللہ امیٹھوی، مولانا محمد مالکی تلمسانی، شیخ حمداللہ بن شکراللہ سندیلوی اور خود ان کے بیٹے ملک العلما عبد العلی محمد وغیرہ بے شمار حضرات اجلّۂ علما شامل ہیں۔

شیخ نظام الدین بہترین مصنف بھی تھے۔ ان کی تصنیفات میں سے مسلم الثبوت کی دو شرحیں، منار الاصول پر شرح، تحریر الاصول پر شرح، المبارزیہ کی شرح، شرح ہدایۃ الحکمۃ پر حاشیہ، الشمس البازغہ پر حاشیہ، شرح العقدیہ پر حاشیہ وغیرہ ہیں۔ ان متعدد حواشی کے علاوہ اپنے شیخ عبدالرزاق کے حالات میں فارسی زبان میں مناقب رزاقیہ کے نام سے ایک کتاب بھی تصنیف کی۔

ستر سال سے زائد عمر پا کر جمعرات کے روز ۸ر جمادی الاخریٰ ۱۱۶۱ھ کو وفات پائی۔

بعض حضرات نے "ملک بود بیک حرکت ملک شد" سے تاریخِ وفات نکالی ہے۔[۵]

۱۹ — مولانا محمد سعید سہالوی

شیخ محمد سعید سہالوی، شیخ قطب الدین شہید انصاری سہالوی کے دوسرے لڑکے یہ فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب میں شامل تھے۔ علم و فضل میں یکتا تھے۔ موضع سہالی میں پیدا ہوئے اور وہیں عمر کی ابتدائی منزلیں طے کیں۔ اپنے والد شیخ قطب الدین شہید سے اخذ علم کیا اور کئی سال ان کی صحبت میں بسر کیے۔ باپ کی شہادت کے بعد سلطان اورنگ زیب عالمگیر کے پاس گئے، ان دنوں وہ بلادِ دکن میں تھا۔ اس سے باپ کی شہادت سے متعلق واقعہ بیان کیا۔ اس نے ان کو لکھنؤ شہر میں ایک رفیع الشان محل عطا کیا جو اس سے قبل ایک فرنگی تاجر کے پاس تھا اور جسے چھوڑ کر وہ اپنے وطن واپس چلا گیا تھا۔ اسی لئے اسے فرنگی محل کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

---

[۵] تفصیلات کے لیے دیکھیے نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۳۸۴ تا ۳۸۵ بحوالہ الرسالۃ القطبیۃ و سبحۃ المرجان)

نیز ملاحظہ ہو تذکرہ علمائے ہند (فارسی)، ص ۲۴۱، ۲۴۲

Marfat.com

مولانا محمد سعید عالم گیر سے مل کر سہالی گئے، اہل و عیال، بہن بھائیوں اور اعزہ و اقارب کو ساتھ لیا، مال و متاع سمیٹا اور لکھنؤ فرنگی محل میں آ کر سکونت پذیر ہو گئے۔ بعد ازاں دار الخلافہ میں جا کر عالم گیر سے ملے۔ انتہائی باحیا، صاحب عفت اور عالم باعمل تھے۔ یہ وہ عالم دین تھے جنھوں نے فتاویٰ عالمگیری کی تالیف میں شریک ہونے کا شرف حاصل کیا۔ عین عالم شباب میں شاہ عالم کے عہد حکومت میں فوت ہوئے۔[1]

تذکرہ علمائے ہند میں ان کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

"ملا محمد سعید سہالوی پسر دوم ملا قطب الدین الشہید، بعد شہادت پدر خود با محضر مظلومی جہت استغاثہ دہ دادرسی بحضور محی الدین اورنگ زیب عالم گیر بادشاہ، بملک دکن رفتہ، از بارگاہ شاہ موصوف، فرمان معافی فرنگی محل کہ از امکنہ مشہورہ بلدہ لکھنؤ بود، حاصل نمودہ، مراجعت بوطن کردہ بذریعہ اہالیان نزدل تعمیل فرمان مذکور بر فرنگی محل قبضہ نمودہ ہمہ فرزندان ملای شہید را در آں جا مقیم ساخت۔ بعد چندی مرۂ بعد اولیٰ بغرض استحکام فرمان معافی فرنگی محل وغیرہ بخدمت بادشاہ روانہ شدہ، بحصول اسناد دیگر کامیاب شدہ۔ آں ہا روانہ وطن کردہ، بمکہ معظمہ رفتہ بلحوق عوارض جسمانی ازیں عالم فانی بملک جاودانی خرامیدہ۔

نزدل امکنہ لاوارث و منضبطہ را بہ محاورہ اہل دفتر لکھنؤ گویند۔[2]

"یعنی ملا محمد سعید سہالوی، ملا قطب الدین شہید کے دوسرے بیٹے تھے۔ اپنے والد کی شہادت کے بعد محضر مظلومی لے کر بغرض استغاثہ محی الدین اورنگ زیب عالم گیر کی خدمت میں ملک دکن گئے اور بادشاہ سے فرنگی محل کی معافی کا فرمان، جو لکھنؤ کی مشہور عمارات میں سے تھا، حاصل کیا اور وطن واپس جا کر لوگوں کے ذریعے فرمان مذکور کی تعمیل میں، فرنگی محل پر قبضہ کیا اور ملائے شہید کے تمام بیٹوں کو اس میں آباد کیا۔ کچھ دنوں بعد دوبارہ فرنگی محل کے فرمان معافی کے استحکام کے لیے بادشاہ کی خدمت میں گئے اور دوسری اسناد حاصل کر کے ان کو وطن بھیجا اور خود مکہ معظمہ تشریف لے گئے، وہیں بیمار ہوئے اور ملک جاودانی کو سدھارے"

"نزدل۔ لکھنؤ کی دفتر زبان میں لاوارث اور منضبطہ زمین کو کہتے ہیں"

---

[1] نزہتہ الخواطر ج ۶، ص ۱۰۳، ۱۱۳ (بحوالہ آثار الاول اور الرسالۃ القطبیہ)

[2] تذکرہ علمائے ہند ص ۱۹۰

۳۰۔ شیخ محمد غوث کاکوروی

کاکوری کے مردم خیز خطہ کے رہنے والے علامہ شیخ محمد غوث کاکوروی، نہایت فاضل آدمی تھے۔ صاحب تذکرۃ الانساب، نجم الدین خاں کاکوروی کے بیان کے مطابق یہ نسباً بڑے اونچے مرتبے کے مالک تھے ان کا سلسلہ نسب چھبیس واسطوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ تک جا پہنچتا ہے۔ جو یہ ہے۔

شیخ محمد غوث بن ابوالخیر بن ابوالمکارم بن عبدالغفار بن عبدالسلام بن مٹھی بن چھاند بن نظام الدین بن بہاءالدین بن ابوبکر بن درویش علی بن احمد جام بن شیخ جام بن ابوطالب بن محمد شاہ بن محمد رضا بن موسیٰ بن عمران بن عثمان بن حنیف بن اسفندیار بن ابوالحسن بن ابوتراب بن رضی الدین بن محمد بن محمد بن علی بن ابوطالب۔

شیخ محمد غوث علم و عمل اور فضل و کمال کی فضا اور مشیخت کی گود میں ۱۰۵۶ھ میں بمقام کاکوری پیدا ہوئے اور وہیں کے علمی ماحول میں پرورش پائی۔ علوم کی مختصر اور چھوٹی کتابیں شیخ محمد زمان کاکوروی سے پڑھیں اور مطولات کے لیے شیخ ابوالواعظ ہرگامی (مرتب فتاویٰ عالمگیری) اور شیخ قطب الدین شہید بن عبدالحلیم سہالوی کے باب عالی پر دستک دی۔ کتب احادیث شیخ یعقوب بنانی لاہوری سے پڑھیں۔ پھر عالمگیر بادشاہ سے رابطہ پیدا ہوا تو اس نے ان کو فتاویٰ عالمگیری کی تدوین پر مقرر کر دیا اس طرح یہ اہل علم کے اس زمرہ میں شرکت کرنے کی سعادت سے بہرہ یاب ہوئے، جو اس اہم خدمت کی انجام دہی پر مامور تھا۔ بعد ازاں ارض اودھ میں جزیہ وصول کرنے پر مقرر کیے گئے۔ اس کے علاوہ تدریس اور افادۂ عام کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔

ان کی وفات ۱۱۱۸ھ میں ہوئی[1]

اساتذہ

شیخ محمد غوث کاکوروی کے اساتذہ میں سے شیخ ابوالواعظ ہرگامی ران کے حالات

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۳۴۹

مرتبین فتاویٰ عالمگیری کی فہرست میں بیان ہو چکے ہیں) اور شیخ قطب الدین شہید سہالوی ہیں (ان کے حالات بھی بیان ہو چکے) ان دونوں بزرگوں کے علاوہ شیخ محمد زمان کاکوروی اور شیخ یعقوب بنانی لاہوری بھی ان کے اساتذہ میں سے ہیں۔ شیخ محمد زمان کاکوروی کا سلسلۂ نسب یہ ہے۔ محمد زمان بن محمد رضا بن محمد اشرف بن عبدالقدوس بن شہاب الدین بن نظام الدین بھیکہ العلوی کاکوروی۔ شیخ محمد زمان کاکوروی اکابر علما میں سے تھے سرزمین کاکوروی میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ بچپن ہی میں حصول علم میں مشغول ہو گئے تھے۔ اس سلسلے میں مختلف علاقوں اور شہروں کا سفر کیا۔ قاضی عبدالقادر عمری لکھنوی سے اخذ علم کیا۔ پھر سلوک و طریقت کے لیے شیخ پیر محمد لکھنوی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بعدازاں درس و افادہ میں مصروف ہو گئے اور بے شمار لوگوں کو فیض پہنچایا۔ جن میں شیخ عبدالغفور اشرفی ھیاگلپوری، شیخ علی اصغر قنوجی، شیخ محمد غوث کاکوروی اور ان کے علاوہ بہت سے لوگ شامل ہیں[1]۔

شیخ محمد غوث کاکوروی کے ایک استاذ مولانا یعقوب بنانی لاہوری تھے۔ ان سے انھوں نے حدیث کی کتابیں پڑھیں۔

مولانا ابو یوسف یعقوب بنانی لاہوری، بہت بڑے عالم اور محدث تھے۔ حدیث، فقہ اور فنون حکمیہ کے مشہور علما میں سے تھے اور اس سلسلے میں ماہر کامل مانے جاتے تھے۔ ان کی ولادت لاہور میں ہوئی اور اسی علمی شہر میں پرورش پائی۔ اپنے عصر کے نامور اساتذہ سے علم حاصل کیا اور مروجہ علوم و فنون کی تمام شاخوں میں ممتاز قرار پائے۔ ان کی شہرت و ناموری کا یہ عالم تھا کہ "مراۃ آفتاب نما" کی روایت کے مطابق شاہ جہان بادشاہ نے ان کو عساکر شاہی کے میر عدلیہ مقرر کیا۔

رزق اللہ نے اپنی کتاب "الافق المبین فی اخبار المقربین" کے طبقہ تاسعہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ وہ کہتا ہے، یہ عالم دین اور عارف باللہ تھے، جو علوم عقلیہ اور نقلیہ میں فروع و اصول کے جامع تھے۔ ان کی علمی خصوصیات کی بنا پر انھیں مدرسہ شاہجہانیہ

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۵ ص ۱۷۳

میں منصب تدریس عطا کیا گیا اس زمانے میں ان سے بہت سے لوگوں نے استفادہ کیا۔ حدیث میں تو یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ مرزا محمد قتی اللہ اپنی مذکورہ کتاب میں مزید کہتا ہے کہ مجھے ان کو اثنائے درس میں دیکھنے اور ان کے خیالات سننے کا اتفاق ہوا ہے۔ کثرتِ معلومات کا یہ عالم تھا کہ فاضل سیالکوٹی (مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی) پر بڑی تعریفات وارد کرتے اور انھیں ہدفِ تعاقب و تنقید ٹھہراتے۔

تصنیف و تالیف میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ ان کی تصنیفات میں سے حدیث کے موضوع سے متعلق الخیر الجاری فی شرح صحیح البخاری، المعلم فی شرح صحیح الامام مسلم، المصفیٰ فی شرح المؤطا، مشہور کتابیں ہیں۔ علاوہ ازیں شرح تہذیب الکلام، شرح حسامی، شرح عقائد الاسلام اور علم صرف کے بارے میں ایک کتاب اساس العلوم ہے۔ پھر رضی، عضدی اور بیضاوی پر حواشی تحریر کیے۔

بختاور خاں مرآۃ العالم میں کہتا ہے، عالم گیر نے ان کو فوج کے محکمۂ عدلیہ کے ناظر مقرر کر دیا تھا اور اس کے ساتھ ہی تدریس اور افادۂ عام میں بھی مصروف رہے۔ انھوں نے بیضاوی پر حاشیہ اور بہت سی درسی کتابوں پر تعلیقات لکھیں۔

ان کی وفات دہلی میں ہوئی اور وہیں اپنے گھر میں دفن کیے گئے۔ ان کی قبر زیارت گاہِ خلائق ہے۔

مفتی ولی اللہ فرخ آبادی نے بعض تعلیقات میں تصریح کی ہے کہ ان کا انتقال ۱۰۹۸ھ میں ہوا۔[۱]

۱۲۱۔ مفتی محمد اکرم لاہوری

شیخ نظام الدین برہان پوری کے حالات میں بتایا گیا ہے کہ انھوں نے بطور مہتمم و سربراہ کے فتاویٰ عالم گیری کی تدوین کا کام ابتدا میں جن حضراتِ علما کے سپرد کیا ان میں مفتی محمد اکرم لاہوری بھی شامل تھے۔ ان کے حالات زیادہ تفصیل سے

---

[۱] نزہۃ الخواطر ج ۵، ص ۳۴۹، ۳۴۴ (بحوالہ مرآۃ آفتاب نما، مرآۃ العالم، الافق المبین فی اخبار المقربین اور بعض تعالیق مفتی ولی اللہ فرخ آبادی)

نہیں مل سکے۔ نزہتہ الخواطر میں ان کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ مرقوم نہیں کہ جن چار فقہائے کرام میں کام تقسیم کیا گیا، ان میں ایک یہ بھی تھے۔[۱]

تذکرہ علمائے ہند میں بھی چند لفظوں میں ان کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

"ملا محمد اکرم لاہوری، متداولات را بارہا درس گفتہ۔ بحلم و بردباری و صلاح و پرہیزگاری موصوف۔ معلم شاہزادہ کام بخش بود۔"[۲]

یعنی درس نظامیہ کی متداول کتابوں اور علوم مروجہ کا بارہا درس دیا۔ حلم و بردباری اور صلاح و تقویٰ سے متصف تھے۔ شاہزادہ کام بخش کے استاذ تھے۔

یہ مفتی محمد اکرم لاہوری کون ہیں؟ اس سے زیادہ ان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہو سکا، جو یہاں بیان کر دیا گیا ہے۔! معلوم ہوتا ہے یہ وہی مفتی محمد اکرم لاہوری ہیں، جنھیں تذکرہ نویسوں نے مفتی قاضی محمد اکرم دہلوی تحریر کیا ہے۔ غالباً یہ اصلاً لاہوری تھے، بعد میں دہلی کے مرکز علم میں تشریف لے گئے۔ عظیم فقہا میں سے تھے۔ اکابر علما سے علم و افتا کے وارث بنے۔ طویل عرصہ تک دارالسلطنت میں مسند افتا پر فائز رہے۔ پھر ۱۰۹۴ھ میں عالمگیر نے اورنگ آباد میں مسند قضا پر متمکن کیا۔ بعد ازاں ۱۱۰۹ھ میں قاضی عبداللہ بن محمد شریف قاضی اکبر کی جگہ مقرر کیے گئے۔ پھر تمام عمر اس منصب پر فائز رہے۔ فقہ میں اس درجہ مہارت رکھتے تھے کہ اس موضوع میں ان کا کوئی حریف نہ تھا۔ نہایت خوش مزاج، ظریف الطبع اور بہترین طبیعت کے مالک تھے۔

ان کی وفات ۱۱۱۶ھ میں ہوئی۔ وفات کے بعد عالمگیر ان کو بہت یاد کرتا اور کہا کرتا کہ مرحوم سب سے بڑے عالم تھے۔[۳]

مآثر عالمگیری میں، عالمگیر کے تخت نشین سلطنت ہند ہونے کے ستائیسویں سال یعنی ۱۰۹۴ھ کے واقعات میں مفتی محمد اکرم کا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن اس میں "لاہوری" یا "دہلوی" کے لفظ کی صراحت نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو۔

---

[۱] ملاحظہ ہو نزہتہ الخواطر ج ۵۔ ص ۲۰۴ [۲] تذکرہ علمائے ہند ص ۴۲۷

[۳] نزہتہ الخواطر ج ۶۔ ص ۲۸۲، ۲۸۳

"سیدا و غلان، بادشاہ زادہ محمد کام بخش کی معلمی کے لیے مقرر کیے گئے، اور صالح محمد قاضی اورنگ آباد دارالخلافت کے عہدۂ قضا پر مامور کیے گئے اور ان کے تغیر سے محمد اکرم مفتی لشکر اورنگ آباد کے قاضی مقرر ہوئے۔"[1]

جلوس عالمگیری کے بیالیسویں سال (۱۱۰۹ھ) کے واقعات کے ضمن میں ان کا تذکرہ ان الفاظ میں مرقوم ہے۔

"قاضی عبداللہ نے مرض فالج میں دنیا کو خیر آباد کہا۔ ان کے بجائے محمد اکرم جو دارالحکومت کے موروثی مفتی تھے، اردوئے معلیٰ کی خدمت قضا پر، حضور پر نور میں طلب فرمائے گئے۔"[2]

اسی سال کے واقعات میں مزید بتایا گیا ہے۔

"محمد اکرم، اکبر آباد سے ہم رکاب اقدس و اعلیٰ حاضر ہوا۔ اور اردوئے معلیٰ کی خدمت قضا پر مامور ہو کر سربلند ہوا۔"[3]

جلوس عالم گیری کے انچاسویں سال یعنی ۱۱۱۶ھ میں عالم گیر عازم بہادر گڑھ ہوا۔ قاضی محمد اکرم اس سفر میں اس کے ساتھ تھے۔ اثنائے راہ میں فوت ہوئے۔ اس سال کے واقعات بیان کرتے ہوئے مآثر عالم گیری کا مصنف رقم طراز ہے۔

"۶ ارجب (۱۱۱۶ھ) کو قبلۂ عالم بہادر گڑھ روانہ ہوئے۔ رجب کا نصف مہینہ اور ماہ شعبان مسافت طے کرنے میں گزرا۔ اثنائے راہ میں قاضی اکرم خاں کا پیمانۂ عمر لبریز ہو گیا اور اس نے وفات پائی۔ خان مذکور علم فقہ کا بڑا عالم تھا۔ اپنی پایہ شناسی و بندہ نوازی سے قاضی مذکور کو ہمیشہ "نقطہ اعلم" سے یاد فرماتے تھے۔"[4]

"فتاویٰ عالم گیری اور اس کے مؤلفین" کے عنوان کے تحت جناب صادق علی صاحب دلاوری نے بھی "ملا محمد اکرم ولد ملا محمد یحییٰ لاہوری" کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

---

[1] مآثر عالم گیری (اردو ترجمہ) ص ۲۵۵ [2] ایضاً ص ۳۶۹
[3] ایضاً ص ۳۷۲ [4] ایضاً ص ۴۵۷

Marfat.com

"فاضل عبقری ہے، متداولات کو کئی بار پڑھا یا اور کتب درسیہ سے کئی بار عبور کیا۔ حلم و بردباری، صلاح و پرہیزگاری سے متصف تھے۔ بادشاہزادہ کامگار محمد بخش کی معلمی سے سرفراز اور حضرت خلیفۂ الٰہی (اورنگ زیب) کی عنایت کا فخر و امتیاز ان کو حاصل تھا اور فتاویٰ عالم گیری کے ایک ربع کی ترتیب و تالیف پر مامور تھے۔ ۱۰۹۴ھ کے اواخر میں ستر سال سے زیادہ عمر پا کر عالم بقا کی طرف رخ کیا۔ آدمی کی صورت میں فرشتہ تھے۔ ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کہتے تھے کہ لاہور میں کوئی شخص پسر ملا یحییٰ کی فضیلت کو نہیں پہنچتا"[1]

یہ وہی مفتی محمد اکرم ہیں جن کا سطور گزشتہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن ان کے سال وفات کے بارے میں یا تو دلاوری صاحب کو سہو ہو گیا ہے یا یہ کتابت کی غلطی ہے۔ جیسا کہ گزشتہ تفصیلات سے ظاہر ہے، ان کا سال وفات ۱۰۹۴ھ نہیں، ۱۱۱۶ھ ہے۔

۲۲۔ شاہ عبدالرحیم دہلوی

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم دہلوی، فتاویٰ عالم گیری کے باقاعدہ مرتبین میں تو شامل نہ تھے البتہ اس کی ترتیب و تدوین کے بعد اس پر نظر ثانی میں ان کا حصہ ہے۔ فتاویٰ کی ترتیب کے بعد اس پر نظر ثانی کا مرحلہ پیش آیا تو اس کا اہتمام ملا حامد جون پوری کے سپرد تھا۔ وہ علامہ محمد زاہد ہروی کے مدرسہ میں شیخ عبدالرحیم دہلوی کے ہم سبق رہ چکے تھے اور ان کی فقہی قابلیت اور علمی عظمت سے خوب آگاہ تھے۔ ایک روز شیخ عبدالرحیم کے پاس آئے اور کہا اگر آپ فتاویٰ کی دوبارہ تدوین اور نظر ثانی میں میری مدد کریں تو اس کے صلے میں ایک معقول رقم روزانہ آپ کی خدمت میں پیش ہوتی رہے گی۔ لیکن شیخ مستغنی المزاج تھے۔ انھوں نے ملا حامد کی اس بات کی پرواہ نہ کی اور ان کو بے توجہی سے ٹال دیا۔ اتفاق سے

---

[1] مقالات منتخبۂ اورینٹل کالج میگزین (ضمیمہ مجلۂ انجمن عربی و فارسی دانشگاہ پنجاب۔ ۱۹۲۵ء تا ۱۹۷۰ء) صفحہ ۴۴۴

Marfat.com

شیخ کی والدہ مکرمہ نے یہ بات سن لی اور بیٹے کو یہ خدمت قبول کرنے کے لیے اصرار کیا چنانچہ انھوں نے والدہ کے حکم سے مجبور ہو کر نظر ثانی کرنے کی ذمہ داری قبول کر لی۔

ایک روز شیخ عبدالرحیم فتاویٰ کے ایک مقام کا مطالعہ کر رہے تھے کہ ایسی عبارت پر نظر پڑی، جس میں کچھ اختلال تھا اور اس اختلال کی وجہ سے مسئلہ زیر بحث کی صورت بدل گئی تھی۔ شیخ نے اسی وقت ملا حامد کو فتاویٰ عالم گیری کے مؤلف کی اس لغزش سے متنبہ کیا اور فرمایا، میرے نزدیک یہ عبارت مختل ہے اور اصل مسئلہ یوں معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ملا حامد جون پوری نے شیخ کی اس بات پر توجہ نہ کی اور مؤلف فتاویٰ کی وسعت نظر پر بھروسا کر کے آگے بڑھنے کو ترجیح دی۔ شیخ نے اپنے نقطۂ نظر کی تائید کے لیے جب مسئلۂ زیر بحث کا ماخذ تلاش کیا تو معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ دو کتابوں میں مختلف عبارتوں کے ساتھ لکھا گیا ہے، مگر یہاں صورت حال یہ ہے کہ فتاویٰ عالم گیری کے مؤلف نے دونوں عبارتوں کو بلا امتیاز ایک جگہ درج کر دیا ہے جس کی وجہ سے اختلال کی شکل پیدا ہو گئی ہے، لہذا شیخ نے فتاویٰ کے حاشیہ پر یہ عبارت لکھ دی۔

من لم یتفقہ فی الدین تدخف فیہ، ھذا غلط وصوابہ کذا۔

خود عالم گیر کی یہ حالت تھی کہ وہ اس کتاب کی تدوین و تصنیف کے بارے میں اتنی محنت اور اہتمام سے کام لیتا تھا کہ ملا نظام جو فقہ میں درجۂ اجتہاد پر فائز تھے، روزانہ ایک صفحہ یا دو صفحے بادشاہ کے سامنے پڑھا کرتے اور بادشاہ کو اس سے اس درجہ دلچسپی تھی کہ وہ ایک ایک مسئلہ کامل غور و فکر سے دیکھتا اور سنتا تھا۔ کاتبوں کی غلطیاں خود درست کرتا تھا۔ جب ملا نظام معمول کے مطابق بادشاہ کے سامنے کتاب پڑھنے لگے اور اس مقام پر پہنچے، جس کو شیخ نے مختل قرار دیا تھا تو انھوں نے حاشیہ متن کے ساتھ ملا کر پڑھ دیا۔ عالم گیر اس عبارت کے سنتے ہی پریشان سا ہوا اور جب اس نے دیکھا کہ ملا نظام برابر پڑھے جا رہے ہیں اور رکتے نہیں ہیں تو کہا۔ ایں عبارت چیست؟ یہ کیا معاملہ ہے؟ ذرا اس پڑھیے۔ ملا دوسری مرتبہ بھی روا روی میں اسی طرح پڑھ گئے۔ اب عالم گیر نے اس مقام کی وضاحت چاہی تو وہ کوئی جواب نہ دے سکے اور کہا۔ میں نے اس مقام

مطالعہ نہیں کیا۔ کل تفصیل سے بتاؤں گا۔ ایں را مطالعہ نہ کردہ ام، فردا بہ تفصیل عرض خواہم کرد۔

ملا نظام، عالمگیر کے دربار سے ملا حامد کے پاس پہنچے اور ان سے شدید خفگی کا اظہار کیا اور کہا، میں نے یہ مسودہ آپ کے اعتماد پر چھوڑ دیا تھا مگر آپ نے اس پر غور نہ کیا اور مجھے بادشاہ کے سامنے سخت نادم ہونا پڑا۔ ملا حامد نے یہ بات سنی تو شیخ عبدالرحیم کے پاس آئے اور سارا قصہ بیان کیا۔ انھوں نے وہ دونوں کتابیں جو اس مسئلہ کا اصل ماخذ تھیں، ملا حامد کے سامنے رکھ دیں اور عبارت کی بے ربطی اور اختلال واضح کیا۔[1]

اصل واقعہ یہ ہے کہ شاہ عبدالرحیم کے والد فوت ہو چکے تھے اور آمدنی کی کوئی صورت نہ تھی۔ والدہ کے مجبور کرنے پر فتاویٰ عالم گیری کی تدوین کے سلسلے میں بادشاہ کی ملازمت اختیار کرنا پڑی۔ ادھر ان کے مرشد خلیفہ ابو القاسم کو پتہ چلا تو وہ خفا ہوئے اور ترکِ ملازمت پر مجبور کیا۔ شیخ نے ان سے والدہ کے اصرار اور مالی ضرورت کے بارے میں بات کی اور ساتھ ہی فرمایا، دعا کیجیے ملازمت خود بخود چھوٹ جائے۔ عالم گیر کے پاس مدونین فتاویٰ کی فہرست وقتاً فوقتاً پیش ہوتی رہتی تھی۔ اب یہ فہرست پیش ہوئی تو اس نے شاہ عبدالرحیم کے نام پر قلم پھیر دیا اور ساتھ ہی کہا۔ اگر خواستہ باشد ایں قدر زمین بدہید یعنی اگر چاہیں تو ان کو اس قدر (یعنی بقدر تنخواہ) زمین دے دی جائے۔ شاہ عبدالرحیم بادشاہ کی اس پیشکش کے سلسلے میں فرماتے ہیں۔

قبول نہ کردم و شکرانہ بجا آوردم و حمد خدا تعالیٰ گفتم۔

انتقال

انتقال سے کچھ عرصہ پہلے شاہ عبدالرحیم جسمانی اعتبار سے خاصے کمزور ہو گئے تھے۔ اسی کمزوری کی حالت میں رمضان المبارک کے روزے رکھے۔ شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں، میں اکثر ان کے پاس رہتا تھا اور ان کی زبان پر استغفر اللہ الذی لا الٰہ الا ھو الحی القیوم کے الفاظ جاری رہتے۔ بالآخر ماہ صفر میں ان کی طبیعت

---

[1] حیات ولی ص ۲۷۰ تا ۲۷۹ نیز ملاحظہ ہو انفاس العارفین از شاہ ولی اللہ دہلوی، ص ۲۴

زیادہ خراب ہوگئی۔ اس حالت میں بھی نماز کا بہت خیال رکھتے اور وقت پر ادا فرماتے ۱۲ صفر ۱۱۳۱ھ کو صبح پو پھٹنے سے پہلے ان پر موت کے آثار نمودار ہوئے۔ اس کرب کے عالم میں بھی دل میں نماز کا خیال تھا اور جو لوگ ارد گرد بیٹھے تھے، ان سے بار بار پوچھتے کہ فجر کی نماز کا وقت ہوگیا ہے؟ حاضرین نے ایک دفعہ پوچھنے پر کہا کہ نماز کا وقت ہوا ہی چاہتا ہے۔ اس پر قدرے سختی سے فرمایا۔ اگر تمھاری نماز کا وقت نہیں ہوا تو نہ سہی ہماری نماز کا وقت تو آپہنچا ہے فرمایا، مجھے قبلہ رُخ کر دو، چنانچہ قبلہ رُخ کر دیے گئے نماز کے وقت میں اگرچہ شبہ تھا مگر آپ نے اشاروں سے نماز فجر ادا کی۔ اس کے بعد اسم ذات کے ذکر میں مشغول ہوگئے اور اسی حالت میں انتقال فرما گئے۔

شاہ عبدالرحیم بدھ کے روز، ۱۲ صفر ۱۱۳۱ھ کو سترّ سال کی عمر میں بعہد فرخ سیر دہلی میں وفات پائی اور مہندیوں میں دفن کیے گئے۔ ان کی وفات کے پچاس روز بعد فرخ سیر گرفتار ہوا اور دہلی میں ایک عام بے چینی اور اضطراب کی فضا پیدا ہوگئی۔[1]

۲۳- ملا فصیح الدین پھلواروی

فتاویٰ عالمگیری کے مرتبین میں ہندوستان کے صوبہ بہار کے مشہور قصبہ پھلواری کے ایک اہل علم بھی شامل تھے، جن کا نام ملا فصیح الدین ہے۔ ان کا ذکر مرتب فتاویٰ کی حیثیت سے کسی تذکرہ میں تو مرقوم نہیں، البتہ اپریل ۱۹۴۷ء کے "معارف"، (اعظم گڑھ) میں جناب عون احمد صاحب قادری اور سید غلام حسنین شاہ ندوی پھلواروی نے ان کا ذکر کیا ہے، علاوہ ازیں نزہتہ الخواطر کی چھٹی جلد میں مولانا عبدالحی صاحب لکھنوی نے حضرت مولانا شاہ سلیمان پھلواروی کے حوالے سے ان کا تذکرہ فرمایا ہے۔ یہاں ہم انہی بزرگوں کے الفاظ میں ان کا ذکر کرتے ہیں۔ جناب عون احمد صاحب قادری لکھتے ہیں:

"ملا فصیح الدین کا وطن بہار کا ایک مردم خیز قصبہ پھلواری تھا۔ وہ اہل پھلواری کے مورث اعلیٰ حضرت امیر عطاء اللہ جعفری کے پرپوتے تھے۔ تحصیل علم کے لیے دہلی گئے

---

[1] حیات ولی ص ۳۱۷ تا ۳۱۹

اور ملا عوض وجیہ کے حلقۂ درس میں شامل ہو کر تکمیل کی۔ سلطان عالم گیر اورنگ زیب کا عہد تھا۔ استاذ، دربارِ شاہی کے ممتاز لوگوں میں تھے۔ ملا فصیح الدین اپنے استاذ کے ذریعے، عالم گیر کے دربار میں پہنچے اور اپنے تبحرِ علمی کی بنا پر فتاویٰ عالم گیری کی تدوین میں شریک کیے گئے اور سلطان اورنگ زیب عالم گیر نے ان کی علمی قابلیت اور جوہرِ ذاتی کی قدر کر کے مدد معاش میں ایک سو بیس بیگھہ اراضی اور ایک روپیہ یومیہ خرچ کے لیے عطا فرمایا۔

جب دہلی سے اپنے وطن پھلواری واپس آئے تو اپنے آبائی مدرسہ میں درس دینا شروع کیا۔ ان کے آبائی مدرسہ کا تذکرہ بھی اگلی کتابوں میں ملتا ہے۔ یہ مدرسہ مسجد سنگی سے اتر جانب تھا۔ اس میں حضرت امیر عطاء اللہ کی اولاد سے علما و فضلا درس دیا کرتے تھے۔ یہ مدرسہ ۱۲۷۲ھ تک نہایت عروج کے ساتھ آباد رہا۔

ملا فصیح الدین کا حلقۂ درس بہت وسیع تھا۔ پھلواری کے متقدمین علما میں ان کا نام خصوصیت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ ان کے تلامذہ کی تعداد کثیر تھی۔ ارشد تلامذہ میں موصوف کے چاروں صاحب زادے اور قاضی حیات مرید اور ملا غلام شرف الدین قابلِ ذکر ہیں۔

بڑے لڑکے ملا بدیع الدین، ان کے بعد مسندِ درس پر بیٹھا اور بہت سے لوگوں نے ان سے علمی فیض حاصل کیا۔ ان کے بعد اس مسند پر ان کے بھانجے ملا مبین جعفری بیٹھے، جو بیک واسطہ استاذ الکل ملا نظام الدین فرنگی محلی کے شاگرد تھے۔ ملا مبین کے بعد ملا فصیح الدین کی مسندِ درس کچھ دنوں خالی رہی۔ پھر ان کے بھائی ملا معین کے پوتے مولانا حافظ عبد الغنی اس پر جلوہ افروز ہوئے اور ساٹھ برس تک اس مسند پر درس دیتے رہے۔

ملا فصیح الدین نے ۱۱۱۹ھ میں وفات پائی اور مسجد سنگی کے شرقی جانب مقبرہ میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔

ملا فصیح الدین کے صاحب زادے ملا بدیع الدین کے نام سلطان عالم گیر کی طرف سے

Marfat.com

جو فرمان تھا، اس میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔ فرمان طویل ہے، اس کا وہ حصہ نقل کرتا ہوں:

"دریں وقت میمنت اقتران فرمان والاشان واجب الاذعان صادر شد کہ یک روپیہ یومیہ از خزانہ بلدہ عظیم صوبہ بہار و یک صد و بست بیگہ زمین از پرگنہ پھلواری مضافِ صوبہ بہار در مدد معاش بصلائے تدوین فتاوی بنام ملا شیخ فصیح الدین مقرر بود۔ الحال بمتعلقان ملا مذکور متوفی بلا قید اسامی دیدہ و دانستہ حسب الضمن مقرر شد۔"

"یہ فرمان ملا فصیح الدین کے انتقال کے بعد (۱۱۱۹ھ) ۱۵ رجب دوشنبہ، ۱۱۲۰ھ میں تجدید کیا گیا تھا۔ ملا فصیح الدین کے نام جو فرمان تھا، اس میں بھی ان کی شرکت کا ذکر تھا مگر وہ ضائع ہو گیا۔"

مولانا سید غلام حسنین شاہ ندوی پھلواروی لکھتے ہیں۔

"حضرت ملا فصیح الدین جعفری پھلواروی کا جامعین فتاوی عالم گیری میں ہونا، یہاں خاندانی روایات پر مبنی ہے اور یہ روایت تحریر میں بھی آئی تو بہت بعد میں۔ ان کے ہم عصروں میں سے یا ان کے متصل مؤلفین میں سے کسی کا نوشتہ موجود نہیں ہے۔ اس زمانے کا عام مذاق یہ تھا کہ تذکروں میں بزرگوں کے محض کشف و کرامات کو منضبط کر لینا کافی سمجھتے تھے۔"

"لیکن پھر بھی اہل علم خاندان میں جو روایت مسلسل چلی آ رہی ہو، وہ بالکل بے اصل اور غیر وقیع نہیں ہو سکتی۔ اس خاندان کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے روایت کے وزن کا اندازہ ہو سکتا ہے۔"

"اس خاندان کے مورث خواجہ امیر عطاء اللہ عہد ہمایونی و اکبری میں یہاں آ کر مقیم ہوئے۔ خاندانی روایت کے بموجب تو یہ وزرائے شاہی میں سے تھے، لیکن نہاں ان کی کوئی اہم حیثیت ضرور تھی۔"

"ابو الفضل کے اکبرنامہ میں بضمن وقائع ۹۶۱ھ خواجہ عطاء اللہ کا نام بھی ایک جگہ پر مذکور ہے۔ خدا بخش خاں صاحب مرحوم کی لائبریری میں شاہان و وزرائے منقبہ کے ساتھ ایک مرقع امیر عطاء اللہ کا بھی البم کی شکل میں موجود ہے۔ شیر شاہی خاندان

تباہی کے بعد مغل سلاطین نے رہتاس سے لے کر راج گیر تک، پٹنہ کے جنوب میں بہت سے مغل، شیوخ اور راجپوت خاندان مختلف مناصب کے ساتھ آباد کر دیے تھے تاکہ پٹھانوں کو سر اٹھانے کا موقع نہ دیں۔ اسی زمانے میں خواجہ عطاء اللہ بھی دہلی سے یہاں آئے۔ یہ عبداللہ ابن جعفر طیارؓ کی اولاد سے تھے، اسی لیے یہ خاندان جعفری کہلاتا ہے۔ امیر عطاء اللہ نے یہاں سنگِ سرخ کی ایک مسجد بنوائی جو اب تک پھلواری شریف کی جامع مسجد ہے، جہاں جمعہ و اعیاد کی سب سے بڑی جماعت ابھی تک ہوتی ہے اور خاکسار راقم الحروف کے زیرِ تولیت ہے۔ اسی مسجد میں ملا فصیح الدین درس و افتا کا مشغلہ رکھتے تھے اور اسی سے متصل ان کا مزار بھی ہے، چنانچہ شاہ عالم اول فرزند و جانشین عالم گیر نے از روئے فرمان مجریہ ۱۱۲۰ھ ملا فصیح الدین کے لیے وظیفہ مقرر کیا تھا، جو از روئے پروانگی و مہر "اخلاص خاں"، ملا صاحب موصوف کے فرزندوں کو ملا تھا۔ اس کی عبارت مندرجہ ذیل ملاحظہ ہو:-

"... ملا نذر کو رشاگرد اخوند ملا عوض وجیہ .... متوطن قصبہ پھلواری سرکار و صوبہ بہار فاضل و متوکل است نیم روپیہ و بست بیگہ[1] زمین مدد معاش از سابق دارد بخرچ وفا نمی کند امیدوار از تفصیلات .... و یومیہ مسجد بآں قصبہ بنا کردۂ جد مشار الیہ مقرر است نیم روپیہ یومیہ بدستور اصل و بست بیگہ زمین مزروع اضافہ مرحمت شد و نیم روپیہ یومیہ مسجد مذکور دیدہ و دانستہ"

اس فرمان سے ظاہر ہے کہ ملا فصیح الدین، شہنشاہ عالم گیر کے ہم عصر تھے اور فاضل متعارف تھے۔ نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ خاندان کئی پشت سے دربارِ شاہی سے متعلق تھا۔ پس فتاویٰ عالم گیری کے جمع کرنے میں انھوں نے بھی کچھ خدمت انجام دی ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، بلکہ ایسا ہونا بہت ہی قرینِ قیاس ہے۔ تاریخ تو بہت سے خاندانی رواجوں، روایتوں اور انفرادی نوشتوں، دفینوں اور سفینوں کو اکٹھا کر کے بنائی جاتی ہے۔ پھر پھلواری کے ذی علم مقتدر خاندان کی روایت، تاریخ کا ماخذ کیوں نہیں بن سکتی ہے۔[2]

نزہۃ الخواطر میں مولانا عبدالحی حسنی لکھنوی، حدیقۃ الازہار کے حوالے سے

---

[1] معارف، "یک روپیہ و یک صد و بست بیگہ زمین" (د؟)

[2] ماخوذ از معارف اعظم گڑھ، اپریل ۱۹۴۷ء

لکھتے ہیں۔

شیخ، عالم، فقیہ، فصیح الدین ابن ابی یزید ابن محمد فرید بن محمد حسین ابن عطاء اللہ ہاشمی جعفری پھلواروی، فقہائے حنفیہ میں سے تھے۔ پھلواری میں پیدا ہوئے اور وہیں نشوونما پائی۔ پھلواری، عظیم آباد (پٹنہ) کا ایک قصبہ ہے۔ اپنے وطن کے اساتذہ سے ایک مدت تک تعلیم حاصل کی۔ پھر دہلی جاکر شیخ احمد بن ابی سعید امیٹھوی سے تحصیل کی۔ اور وطن واپس آکر درس و تدریس میں مشغول ہو گئے۔

اس کے بعد حضرت شاہ سلیمان بن داود پھلواروی کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

ملا فصیح الدین نے ملا عوض وجیہہ سمرقندی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیے۔ نیز شاہ صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے یہ بات ایک سرکاری فرمان میں دیکھی ہے، جو مغل حکمران شاہ عالم بن اورنگ زیب عالم گیر نے، ان کی خدمت میں بھیجا تھا۔[1]

۴۷۔ قاضی سید عنایت اللہ مونگیری

بعض حضرات نے قاضی عنایت اللہ مونگیری کو بھی مدونین فتاویٰ عالم گیری میں شمار کیا ہے، چنانچہ مولانا سید ابو ظفر ندوی نے اکتوبر ۱۹۴۷ء کے معارف (اعظم گڑھ) میں اس سلسلے میں قاضی تفصیلات بیان کی ہیں۔ اس مضمون میں انھوں نے دو چیزیں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک یہ کہ وہ عالم گیر کے زمانے میں سورج گڑھا اور کھڑا کے قاضی تھے منصب قضا کی سند ان کو خود اورنگ زیب عالم گیر نے بھیجی اور اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی دو عدد حمائل (قرآن مجید) عطا کی دوسرے یہ کہ وہ فتاویٰ عالم گیری کے مرتبین میں شامل تھے اور اس ضمن کی ایک دستاویز بھی ان کے خاندان میں موجود تھی، لیکن اکتوبر ۱۹۴۷ء تک یہ دستاویز دست یاب نہیں ہو سکی تھی۔

اب سطور ذیل میں قاضی عنایت اللہ مونگیری کے مختصر حالات ملاحظہ ہوں۔

قاضی سید عنایت اللہ بن قاضی سید عبدالنبی بن سید عبدالسلام بن سید شاہ جمال الدین بن سید شاہ احمد جاجیری بانی خاندان بارہ گاؤں سورج گڑھا

---

[1] نزہتہ الخواطر ج ۶، ص ۲۲۳، ۲۲۴

Marfat.com

سید عنایت اللہ صاحب، خاص سورج گڑھ، محلہ چک مسکن ضلع مونگیر میں ۱۰۵۰ھ کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ ابتدائی کتابیں اسی جگہ پڑھیں۔ ان کے والد ماجد قاضی سید عبدالنبی، قصبہ سورج گڑھ اور کجرا کے قاضی تھے اور گو بڑے نام سہی، مگر اس وقت تک اس خاندان میں قضاءت چلی آتی ہے۔ غرض اس عہد کے دستور کے مطابق متوسط درجہ کی تعلیم حاصل کر کے وہ دہلی پہنچے۔ شام کا وقت تھا۔ ایک شخص کے مکان پر شب باشی کی اجازت مانگی۔ اس نے ان کا حال سن کر اجازت دے دی اور کھانا بھی کھلایا۔ رات جب زیادہ ہوئی تو مالک مکان چراغ گل کر کے اندر جانے لگا۔ سید صاحب نے کہا مجھے کچھ قرآن پڑھنا ہے، میں سوتے وقت چراغ گل کر دوں گا۔ وہ اندر چلا گیا اور سید صاحب دیر تک قرآنِ مجید پڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ کوتوالِ شہر گشت کرتا ہوا آ نکلا۔ چونکہ سید صاحب بہت ہی خوش الحان تھے، اس لیے وہ دیر تک کھڑا سنتا رہا۔ پھر سامنے آ کر اس نے تمام حالات سے آگاہی حاصل کی۔ صبح کو کوتوال نے سید صاحب کو طلب کر کے ان سے مزید معلومات حاصل کیے اور جب اس کو ان کے علمی ذوق کا یقین آ گیا تو اپنی سفارش سے شاہی مدرسہ میں داخل کرا دیا۔

اس مدرسہ میں وہ کب تک تعلیم پاتے رہے؟ یہ معلوم نہیں ہو سکا۔ لیکن اختتامِ تعلیم کے بعد ان کی علمی استعداد کی بنا پر اسی مدرسہ میں ان کو معلم کے عہدہ پر متعین کیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد جب ان کے علم و فضل کا چرچا ہوا تو ان کو فتاویٰ عالمگیری کے مؤلفین میں شامل کر لیا گیا اور غالباً آخر تک (یعنی ۱۰۸۶ھ تک) یہ خدمت انجام دیتے رہے۔ کیونکہ اس کے بعد وہ پھر شاہی مدرسہ کے مدرس ہو گئے اور ۱۰۹۹ھ تک اس پر مامور رہے۔

اس اثنا میں ان کے والد سید عبدالنبی صاحب کا، جو سورج گڑھ اور کجرا کے قاضی تھے، انتقال ہو گیا۔ کچھ عرصہ یہ جگہ خالی رہی۔ پھر شرفائے سورج گڑھ کی درخواست پر سید عنایت اللہ صاحب کو ان کے پدرِ بزرگوار کی جگہ قاضی بنا کر بھیج دیا گیا اور محکمۂ قضا کی سند عطا کرتے وقت شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے اپنے ہاتھ سے لکھی ہوئی

Marfat.com

دو عدد حمائل (قرآن مجید) قاضی صاحب کو عنایت فرمائی، جس کے اوراق نامساعدت زمانہ سے منتشر ہو گئے۔

قاضی صاحب اپنی وفات تک اسی عہدہ پر فائز رہے اور سورج گڑھ چک مسکن ہی میں وفات پائی، جہاں ان کا پختہ مزار آج تک موجود ہے۔ عہدۂ قضا پر سرفراز کرتے وقت جو فرمان قاضی صاحب کو عنایت ہوا، وہ آج تک محفوظ ہے۔[1]

یہ فرمان اکتوبر ۱۹۴۷ء کے "معارف" میں درج ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے یہاں بھی نقل کر دیا جائے تاکہ معلوم ہو سکے کہ قاضی صاحب موصوف کس درجہ بلند کے مالک تھے اور شاہان مغلیہ کی جانب سے اس نوع کے جاری کردہ فرامین کس نوعیت کے حامل ہوتے تھے۔

"دریں وقت فرمان والاشان صادر شد کہ خدمت قضا یا پرگنہ سورج گڑھ و لجری تابع سرکار مونگیر متعلق صوبہ بہار از انتقال عبدالنبی بہ سید عنایت اللہ پسرش و موازی چہل بیگہ زمین افتادہ لائق زراعت خارج از پرگنہ سنگھون تابع سرکار مذکور بشرط خدمت و عدم اخذ جہرانہ و نکاحانہ، در وجہ مدد معاش حسب الضمن مقرر باشد کہ بلوازم و مراسم آن کما ینبغی پرداز و، و در نشر شرعیات، و قطع و فصل قضایا و معاملات و رفع و دفع دعاوی و خصومات، و عقود انکحہ بلاولی، و قسمت ترکات و کتابت صکوک و سجلات و تحریص و ترغیب مردم بہ طاعات و عبادات و اجرائے حدود و تعزیرات و اقامت جمعہ و جماعات و تحقیق اموال غیب و ایتام و تعیین اوصیا و نصب قیام نمودن۔ نائب متدین طالب علم مساعی موفورہ بتقدیم رساند، باید کہ حکام و عمال جاگیرداران و کروریان حال و استقبال او را قاضی آن محلات دانند و زمین مذبور را پیمودہ و چک بستہ بہ تصرف او باز گذارند و اصلاً و مطلقاً تغیر و تبدیل بدان راہ نہ دہند، و بعلت مال و جہات اخراجات مثل قلعہ و پیش کش و جریانہ و ضابطانہ و محصلانہ و جہرانہ و داروغگانہ و بیگار و شکار و مقدمے و قانون گوئی و ضبط ہر سالہ بعد از تشخیص چک و تکسیر زراعت

---

[1] الحیات بعد الممات۔ ص

وکل تکالیف دیوانی و مطالبات سلطانی مزاحم نہ شوند، ودریں باب ہر سال مجدد نہ طلبند واگر در محلے دیگر چیزے دانستہ باشند، آن را اعتبار نہ کنند، طریق جمہور سکنہ و متوطنین پرگنات مسطور آنکہ خطوط و قبالات و صکوک و سجلات را بخط و مہر او معتبر شمرند۔ غرہ شعبان سال سی و یکم جلوس ۳۱ شرح یادداشت واقعہ تاریخ روز چہار شنبہ بست و ششم شہر جمادی الآخر ۳۱ جلوس والا موافق ۱۰۹۹ھ مطابق ہشتم آردی بہشت مار سالہ صدارت و مشیخت پناہ فضیلت و کمالات دستگاہ سزاوار مرحمت و احسان صدر منبع القدر "فاضل خاں" و نوبت واقعہ نگاری کم ترین بندہ درگاہ خلائق آرام گاہ "محمد ساقی" قلمی می گردد۔ سید عنایت اللہ ولد سید عبدالنبی از نظر اقدس اعلیٰ گزشت و بعرض مقدس معلی رسید، کہ پروانگی بہ مہر و دستخط مشیخت و فضیلت پناہ فضائل خان رسیدہ کہ بموجب التماس محمد شفیع وغیرہ سکنہ پرگنہ سورج گڑھ و پرگنہ لکھرہ سرکار مونگیر صوبہ بہار بعرض والا رسید کہ از مدتے عبدالنبی قاضی پرگنات مسطور فوت شدہ، و بدون قاضی، معاملات شرعیہ فیصل نمی یابد، حکم والا شرف نفاذ یافت کہ بندہ بر تقدیر وقوع قاضی دیگر، بعرض مقدس رسانیدہ مقرر نمایند، حقیقت بریں منوال است کہ در پرگنہ سورج گڑھ و پرگنہ لکھرہ سرکار مونگیر مذکور قاضی از حضور پرنور تعین نہ شدہ، و محضر بہ مہر مردم رسیدہ کہ سید عبدالنبی خاص موروثی پرگنات مسطورہ و تعیین حیات سپرد و سید عنایت اللہ پسرش متوفی، بحضور پرنور رسیدہ، طالب علم است ہر چہ فرمان شود۔

حکم جہان مطاع عالم مطیع صادر شد کہ خدمت قضا، پرگنات، مرقوم مع سولہ نصبات و قریات متعلقہ آن از انتقال سید عبدالنبی متوفی مشار الیہ و موازی چہل بیگہ زمین افتادہ لائق زراعت خارج از پرگنہ سنگھول سرکار مونگیر مذکور، او مادامیکہ قاضی باشد، بشرط عدم اخذ مہرانہ و نکاحانہ در وجہ مدد معاش او مرحمت فرمودیم، و نیز حکم شد، در حالیکہ خود نہ رسد، نائب متدین طالب علم تعیین می کردہ باشد، و اگر در محال دیگر چیزے دانستہ باشد آن را اعتبار نہ کنند۔ واقعہ ۲۶ / جمادی الآخرہ ۳۱"

اس کے بعد مدار المہام جملۃ الملک اسد خاں وزیر اور فاضل خاں صدر الصدور کے دستخط اور تصدیق ہے۔ اس فرمان سے ثابت ہوتا ہے کہ سند پاتے وقت سید قاضی عنایت اللہ

دہلی میں عالم گیر کے پیش نظر کسی محکمے میں کام کرتے تھے۔ عام طور پر مشہور ہے کہ مونگیر کے ایک عالم بھی فتاویٰ عالم گیری کی تدوین میں شریک تھے (دیکھیے ہندوستان کے مدارس اسلامی ص ۱۰۵) لیکن سورج گڑھ میں خاندانی روایات کی بنا پر وثوق سے کہا جاتا ہے کہ محکمہ قضا میں آنے سے قبل وہ (سید عنایت اللہ مونگیری) مجلس تدوین فتاویٰ کے رکن تھے۔ اس خاندان میں ایک اور دستاویز بھی موجود ہے، جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ قاضی صاحب مدونین فتاویٰ میں شریک تھے۔ لیکن افسوس ہے کہ تلاش کے باوجود وہ دستاویز مل نہیں سکی[1]

۲۵۔ مولانا محمد شفیع سرہندی

فتاویٰ عالم گیری کے مرتبین میں ایک عالم دین مولانا محمد شفیع تھے۔ ان کا تعارف "معارف" (اعظم گڑھ) میں سید ظہور صاحب کے مضمون بعنوان "صوبہ بہار کا ایک قدیم خانوادہ" کے ذریعے کرایا گیا ہے۔ اس سلسلے میں ہم اسی سے استفادہ کر رہے ہیں۔

مولانا محمد شفیع عہد عالم گیری کے بڑے ممتاز اور باصفا عالم تھے۔ عالم گیر کو ان سے بڑی عقیدت تھی۔ اکثر شاہزادگان بھی فیض صحبت کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے۔ شجرۃ الاصل النورانیہ[2] میں ہے:

مولانائے مااشتہار عالم دارند پادشاہ عالم گیر رجوع با دداشت و فرزندان وے برائے زیارت رسیدہ بودند۔

آپ دادھیال کی طرف سے عثمانی اور ننھیال کی طرف سے سید تھے۔ جدی وطن بغداد تھا۔ ان کے اجداد میں حضرت خواجہ محمد غزنوی بغداد سے ترک وطن کر کے غزنی، وہاں سے سرہند، پھر دہلی، اس کے بعد بہار آئے اور وہیں بود و باش اختیار کر لی۔ ان کے خاندان کے بعض لوگ اب تک سرہند اور دہلی میں موجود ہیں۔

"ہم از بعضے فرزندانِ خاندانِ خواجہ ماخواجہ محمد غزنوی کہ بطریق سیاحت وسفر

---

[1] معارف (اعظم گڑھ) ماہ اکتوبر ۱۹۴۷ء [2] بابت ماہ جنوری ۱۹۴۷ء

[3] یہ کتاب آج سے چھیاسی برس قبل کی تصنیف ہے۔ اس کا قلمی نسخہ اس خاندان میں محفوظ ہے۔

Marfat.com

ومخصوص بہ نیت زیارت حضرت مولوی معنوی مولانا محمد شفیع دریں علاقہ بہار رسیدہ بودند واصل ایشاں از سرہند بود، چنانچہ ہم تحقیق پیوستہ حضرت ایشاں از حضرت لبغداد دبغرض نزول فرمودند واز آنجا بسرہند وازآنجا بہ دہلی، واز آنجا بحضرت بہار نمودند کہ بعضے از ایشاں ہم در سرہند اقامت دارند و بعضے در دہلی[1]۔

سن ولادت کی کوئی تصریح تذکروں میں نہیں ملتی، اور نہ یہ معلوم ہوسکا کہ ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت کہاں ہوئی۔ البتہ باطنی علوم و معارف کی تکمیل اپنے ماموں حضرت پیران پیر محی الدین قلندری کی خدمت میں کی۔

ان کے متعلق خاندان میں یہ روایت مشہور ہے کہ دربار شاہی میں معلم اور اتالیق تھے۔ مگر اس کا کوئی تحریری ثبوت نہیں ملتا۔ آپ کو دربار شاہی کی طرف سے مولوی معنوی کا خطاب ملا تھا۔ چنانچہ ایک فرمان پر یہ عبارت درج ہے۔

"بدستور قدیم ممنوعہ درگاہ علائق ...... حضرت فضیلت و کمالات دستگاہ مولوی معنوی ملا محمد شفیع سلمہ اللہ تعالیٰ معاف شدہ"

سن وفات کے متعلق بھی کوئی تصریح نہیں ملتی۔ خاندان والے ان کے سالانہ عرس کی جو رسم ادا کرتے ہیں، اس سے پتہ چلتا ہے کہ سو سال سے زیادہ عمر پائی اور ۱۱ شوال ۱۰۸۴ھ تک زندہ رہے۔

"ملا محمد شفیع ساکن امتھوا کہ یک صد و یک سالہ داشتہ اند"

سند شاہی کی عبارت یہ ہے۔

"رمضان ۱۶ سن جلوس ۱۰۸۴ھ مکرر بعرض رسید"

ان کی اولاد میں قاضی بدیع الزماں بڑے پایہ کے عالم تھے۔

جب فتاویٰ کی تالیف کا کام شروع ہوا تو عالم گیر نے مولانا محمد شفیع کی خدمات بھی حاصل کیں۔ اور ایک روپیہ بارہ آنے یومیہ وظیفہ مقرر ہوا۔ پھر یومیہ وظیفہ کی بجائے ایک سو تینتیس بیگہ اراضی پرگنہ اوکری میں دے دی۔ جس کی سند ان کے خاندان میں اب تک

---

[1] شجرۃ الاصل النورانیہ

محفوظ ہے، جس میں ان باتوں کی پوری تفصیل ملتی ہے، عبارت حسب ذیل ہے:

"شرح یادداشت واقعہ در سنہ بست و ہشتم شہر رجب سن ۱۵ جلوس والا موافق ۱۰۸۳ھ برسالہ سیادت و ثقاہت پناہ شرافت و نجابت دستگاہ سزاوار عنایت پادشاہی قابل مرحمت شاہنشاہی صدر رفیع القدر رضوی خاں و نوبت واقع نویسی کمترین بندگان درگاہ خلائق پناہ میرزا بیگ قلمی می گردد کہ بعرض مقدس معلّٰی رسید کہ بموجب فرمان والاشان سعادت نشان مرقوم تاریخ ۱۷ ربیع الاول ۱۱ جلوس مبارک مبلغ یک روپیہ ۱۲/ بطریق یومیہ ہر سال ہر دو جنس معاف از خزانہ برکات سعادت بشرط جمع فتاوٰی عالمگیری بہمراہی شیخ وجیہ الرب مرحوم در وجہ مدد معاش شیخ محمد شفیع ولد شیخ شریف محمد مقرر بود و تا فی الحال در حکم علی العموم یومیہ مذکور بر طرف گشتہ مشار علیہ بحلیہ فضیلت آراستہ است۔ و جمع کثیر وابستہ دار و امیدوار است کہ حکم جہاں مطاع عالم مطیع صادر شد کہ مواز یک صد و سی بیگہ زمین افتادہ لائق زراعت خارج جمع از اوکری سرکار و صوبہ بہار در وجہ مدد معاش او مرحمت فرمودیم و اگر در محلے دیگر چیزے داشتہ باشد آنرا اعتبار بکنند و یومیہ مذکور را بر طرف شمارند۔ واقع ۷ جمادی الاولیٰ سن ۱۵ جلوس بموجب تصدیق یادداشت قلمی شد، شرح بہ خط سیادت و ثقاہت پناہ شرافت و نجابت دستگاہ صدر رفیع القدر رضوی خاں کہ داخل واقع نمایند۔ شرح بخط واقع نویس مطابق واقع است۔ شرح بخط زبدۃ ارباب ارادت، خلاصہ اصحاب عقیدت مقرب آنحضرت الخاقانیہ منظور الانظار السلطانیہ، شجاعت و شہامت پناہ جلالت و بسالت دستگاہ شائستہ انواع عنایات سزاوار اصناف مراحم پادشاہی بخشی الملک اسد خاں کہ بعرض مکرر رسانید۔ شرح بخط فضائل پناہ کمالات دستگاہ شیخ .... رمضان ۱۶ جلوس مکرر بعرض رسید، شرح بخط زبدہ ارباب ارادت خلاصہ اصحاب عقیدت بخشی الملک کہ فرمان عالیشان قلمی نمایند از ربیع اوائل شرح ۱۲/ یومیہ بموجب فرمان عالیشان باسم محمد شفیع بشرط جمع فتاوٰی عالمگیری مقرر بود۔ بعہد دیں والا نہ پرگنہ اوکری سرکار و صوبہ بہار مرحمت نشد"[1]

---

[1] معارف اعظم گڑھ، جنوری ۱۹۴۷ء

Marfat.com

۲۶- ملا وجیہ الرب

ملا وجیہ الرب کے حالات تذکروں میں نہیں ملتے۔ فرمانِ شاہی کی اس عبارت سے جو مولانا محمد شفیع سے تعلق رکھتی ہے اتنا پتہ چلتا ہے کہ مولوی معنوی کے ساتھ یہ بھی فتاویٰ کی تالیف میں شریک تھے۔ اور دربار کی طرف سے ان کو بھی وظیفہ ملتا تھا۔

"بشرط جمع فتاویٰ عالم گیری بہمراہی شیخ وجیہ الرب مرحوم در وجہ معاش محمد شفیع ولد شیخ شریف محمد مقرر بود۔"

۲۷- ملا غلام محمد

مارچ ۱۹۴۸ء کے "معارف" میں مولانا حافظ مجیب اللہ ندوی تحریر فرماتے ہیں کہ مولانا ابوظفر ندوی نے ایک خط میں ملا غلام محمد قاضی القضاۃ کے متعلق لکھا تھا کہ وہ بھی مؤلفین فتاویٰ میں سے ہیں۔ انھوں نے اس کے لیے ایک قلمی کتاب آثار اشرف کا حوالہ دیا تھا، لیکن حافظ مجیب اللہ لکھتے ہیں کہ کوشش کے باوجود وہ کتاب (یعنی آثار اشرف) دست یاب نہیں ہو سکی۔

۲۸- علامہ ابوالفرح

"معارف" (اعظم گڑھ) بابت مارچ ۱۹۴۸ء میں ایک اور بزرگ کا نام بھی فتاویٰ عالم گیری کے مصنفین کی فہرست میں تحریر کیا گیا ہے، وہ ہیں علامہ ابوالفرح! ان کے متعلق حیاتِ جلیل (صفحہ ۱۲) کے حوالے سے لکھا ہے۔

"امیر میران علامہ ابوالفرح معروف بہ سید معدن، جو فتاویٰ عالم گیری کی ترتیب و تالیف میں دیگر علمائے عصر کے دست و باز و تھے۔"

مؤلفِ حیاتِ جلیل نے کسی ماخذ کا حوالہ نہیں دیا، اس لیے قطعی طور سے فتاویٰ کی تدوین میں ان کی شرکت کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

Marfat.com

فتاویٰ عالم گیری کا فارسی ترجمہ

عبداللہ حلبی

فتاویٰ عالم گیری، فقہ کی ایک عظیم کتاب ہے جس کی ترتیب و تدوین کے سلسلے میں اورنگ زیب عالم گیر نے بڑی محنت کی۔ اس کام کی تکمیل کے لیے اس نے اس دور کے جلیل القدر علما کو منتخب کیا اور حقیقت یہ ہے کہ بے حد کاوش و جاں فشانی سے یہ خدمت انجام دی۔ اورنگ زیب، اس کی اشاعت کے لیے بے حد کوشاں رہا اور چاہتا تھا کہ یہ ذخیرۂ فقہ، صرف عربی زبان تک محدود نہ رہے بلکہ اس زمانے کے ہندوستان کی اصل زبان ــ فارسی ــ میں بھی اسے منتقل کیا جائے، چنانچہ اس کے لیے اس نے مشہور ترکی عالم عبداللہ چلپی کا انتخاب کیا، جو اورنگ زیب کے باپ شاہ جہاں کے عہد حکومت میں فقیروں کے لباس میں ہندوستان آئے اور دہلی میں اقامت گزین ہوئے۔ ان کے حالات، مختلف تذکروں میں مرقوم ہیں ــ نزہۃ الخواطر میں ان کا تعارف جن الفاظ میں کرایا گیا ہے، ان کا ترجمہ یہ ہے۔

علامہ عبداللہ رومی، "چلپی" کی نسبت سے معروف تھے اور کبار علما میں سے تھے۔ انھوں نے اورنگ زیب عالم گیر کے حکم پر فتاویٰ عالم گیری کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔ وہ عربی، ترکی اور فارسی زبانوں پر عبور رکھتے تھے اور ان کی مروجہ اصطلاحات سے پوری طرح واقف تھے۔ فقہ اور اصولِ فقہ میں ان کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ مغل حکمران شاہ جہان بادشاہ کے زمانۂ سلطنت میں ہندوستان آئے اور فقیروں کی سی ہیئت میں دہلی میں سکونت پذیر ہوئے۔ سعداللہ خاں وزیر ان سے بہت تعلق رکھتا تھا اور ان کو باقاعدہ وظیفہ دیتا تھا۔ پھر ان کا رابطہ شاہ جہان سے پیدا ہو گیا اور اس نے ان کا یومیہ وظیفہ مقرر کر دیا۔ شاہ جہان کے بعد جب اورنگ زیب عالم گیر سریرآرائے سلطنت ہوا تو اس نے ان کو اپنی نوازشہائے خصوصی اور عنایات خسروانہ کے لیے مختص کر لیا اور فتاویٰ عالم گیری کے ترجمہ پر مامور کیا۔ عبداللہ چلپی، علوم

فنون میں نادرۂ روزگار شخصیت تھے۔ حکمت و تصوف میں ماہر تھے اس سلسلے میں انھوں نے متعدد تصنیفات اپنی یادگار چھوڑی ہیں[1]

قاضی نجم الدین علی خاں کاکوروی

فتاویٰ عالم گیری کے دوسرے فارسی مترجم قاضی القضاۃ نجم الدین علی کاکوروی ہیں۔ یہ حمید الدین بن غازی الدین بن محمد غوث کاکوروی کے بیٹے تھے۔ ان کا شمار ہندوستان کے مشہور علما میں ہوتا تھا۔ ۱۵ ربیع الاول ۱۱۵۷ھ کو کاکوری میں پیدا ہوئے۔ عرصہ تک اپنے باپ سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ پھر شیخ عبدالرشید جون پوری (مدفون بہ لکھنؤ) شیخ غلام یحییٰ بن نجم الدین بہاری اور ملا حسن بن غلام مصطفیٰ لکھنوی کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے۔ غالباً فنونِ ریاضیہ علامہ تفضل حسین کشمیری سے حاصل کیے اور علامہ موصوف نے ان کا وائسرائے ہند سے قرب و تعلق پیدا کیا، جس نے ان کو قاضی القضاۃ مقرر کر دیا۔ اس منصب پر وہ پچیس سال فائز رہے اور کبرسنی کی بنا پر اس عہدہ سے علیحدہ کر دیے گئے اور تین ہزار روپے سالانہ بطور پنشن دینے کا فیصلہ کیا گیا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے گھر میں گوشہ گیر ہو کر بیٹھ جانے کا ارادہ کر لیا اور اس غرض سے کلکتہ سے کاکوری کے لیے رختِ سفر باندھا لیکن جب بنارس پہنچے تو وفات پا گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

حسنِ اخلاق سے متصف مگر ساتھ ہی بارعب شخصیت کے مالک تھے۔ رفیع المنزلت، سلیم الطبع، پاکیزہ خصال، اور خوش مزاج تھے۔ فقرا و ضیوف سے محبت کا برتاؤ کرتے اور اپنے قرابت داروں اور اہل شہر سے بہت اچھی طرح سے پیش آتے۔

متعدد کتابوں کے مصنف ہیں، جن میں فتاویٰ عالم گیری کی کتاب الجنایات پر فارسی زبان میں ایک بسیط اور مفصل شرح ہے۔ جبر و مقابلہ کے موضوع سے متعلق "الستۃ الجبریۃ"، اور فارسی میں "شرح علی الستۃ الجبریۃ" بھی ان کی تصنیفات میں شامل ہیں۔ علاوہ ازیں مختلف عنوانات پر کئی کتب و رسائل کے مصنف ہیں۔ عربی زبان میں

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۵، ص ۲۵۸

ان سے بہت سے اشعار بھی منقول ہیں۔

منگل کے روز ۱۳ ربیع الثانی ۱۲۲۹ھ کو وفات پائی۔[۱]

قاضی نجم الدین کے بارے میں معارف (اعظم گڑھ) میں مندرجہ ذیل سطور لکھی گئی ہیں۔

"فتاویٰ عالم گیری کے پہلے فارسی ترجمہ کے وجود کا جو عالم گیر کے زمانہ میں کیا گیا تھا، ہمیں کوئی علم نہیں ہے، البتہ اس کے ایک حصہ "کتاب الجنایات" کا ایک دوسرا فارسی ترجمہ مع مختصر شرح کے موجود ہے، جسے مولانا نجم الدین ثاقب قاضی القضاۃ (متوفی ۱۲۲۹ھ) نے لارڈ سر جان شور (۱۷۹۳ء-۱۷۹۸ء) کے مشورہ سے کیا تھا۔ ترجمہ کلکتہ اور لکھنؤ کے مطبعوں میں کئی بار چھپ بھی چکا ہے۔ لیکن اس کا کوئی مطبوعہ نسخہ نظر سے نہیں گزرا۔ اس کے قلمی نسخے کتب خانہ آصفیہ میں "ترجمہ فتاویٰ عالم گیری" اور خدا بخش خاں لائبریری پٹنہ میں "کتاب الحدود والسرقہ" کے نام سے مشہور ہیں۔ پٹنہ میں، جو نسخہ ہے، اس کے متعلق فہرست کے مرتب نے لکھا ہے کہ اس پر کتاب اور مصنف کا نام درج نہیں ہے، البتہ اس کی پشت پر کسی نے "کتاب الحدود" لکھ دیا ہے۔ لیکن مقابلہ سے یہ ترجمہ مولانا نجم الدین کے ترجمہ سے حرف بحرف مل جاتا ہے، اس لیے گمان ہوتا ہے کہ یہ وہی ترجمہ ہے۔

کتاب الحدود حسب ذیل ابواب پر مشتمل ہے۔

۱ - باب اول، در بیان تفسیر حد موافق شرح بیان رکن حد و بیان شرط حد و بیان حکم حد۔

۲ - باب دوم، در بیان فصل در بیان چگونگی حد ہا و اقامت حد ہا۔

۳ - باب سوم، در بیان وطی کہ موجب حد است۔

۴ - باب چہارم، در شہادت بزنا و رجوع از اں شہادت۔

۵ - باب پنجم، در حد شراب۔

---

[۱] نزہۃ الخواطر، ج ۷، ص ۴۹۷، ۴۹۸، بحوالہ مجمع العلماء از منظور الدین کاکوروی۔

۶۔ باب ششم، در بیان قذف، فصل در بیان تعزیر۔

کتاب السرقہ کے ابواب کی یہ تفصیل ہے۔

۱۔ باب اول، در بیان سرقہ۔

۲۔ باب دوم، در بیان آن دزدیہا کہ دست بریدہ می شود، دریں، در بیان آن دزدیہا کہ دست بریدہ نمی شود، در آن فصل در بیان حرز، فصل در بیان چگونگی دست بریدن و ثابت گردانیدن آن۔

۳۔ باب سوم، در بیان چیزے کہ پیدا کند دزد آن چیز را در مال دزدی۔

۴۔ باب چہارم، در بیان حکم قطاع الطریق[1]

اساتذہ

مناسب ہوگا کہ قاضی نجم الدین کے ان اساتذہ کا تعارف بھی کرا دیا جائے، جن کے کچھ حالات معلوم ہو سکے ہیں۔

ان کے اساتذہ کی فہرست میں علامہ عبدالرشید حنفی جون پوری کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔ یہ منطق و فلسفہ اور اصول وغیرہ علوم میں یگانۂ روزگار تھے۔ اور شیخ نظام الدین بن قطب الدین انصاری سہالوی کے شاگرد تھے۔ نہایت ذہین اور شگفتہ مزاج تھے۔ شیخ کمال الدین فتح پوری کی "العروۃ الوثقیٰ" پر انھوں نے حاشیہ تحریر کیا۔ شیخ نظام الدین، ان کی ذکاوت و ذہانت کی بنا پر ان سے بہت محبت کرتے تھے۔

علامہ عبدالرشید میں ہجو گوئی کی عادت تھی۔ اسی بنا پر ان کے استاذ شیخ نظام الدین انصاری کی زندگی ہی میں لوگوں نے ان کو قتل کر دیا۔ شیخ نے ان پر بددعا کی اور اللہ نے ان کو مبتلائے عذاب کیا یہ سب باتیں "الرسالۃ القطبیہ" میں مرقوم ہیں کہتے ہیں، علامہ عبدالرشید جون پوری، لکھنؤ میں شیخ پیر محمد لکھنوی کے ٹیلہ پر رہائش رکھتے تھے اور ان کی قبر بھی وہیں ہے۔ یہ مرد صالح، عفیف، متدین، قانع،

---

[1] معارف (اعظم گڑھ) بابت ماہ نومبر ۱۹۴۶ء

متوکل اللہ تھے اور درس و افادۂ عام میں بہت زیادہ مصروف رہتے۔ قاضی نجم الدین علی خاں کاکوروی اور بہت سے لوگ، ان کے حلقۂ تلامذہ میں شامل ہیں[1]۔

قاضی نجم الدین کے ایک اور استاذ علامہ غلام یحییٰ بن نجم الدین باڑھوی بہاری تھے، جو منطق و حکمت کے ماہر علما میں سے تھے۔ بستی باڑھ میں پیدا ہوئے جو صوبہ بہار میں شامل تھا۔ پھر حصول علم کے لیے عازم سندیلہ ہوئے اور وہاں کے مدرسہ منصوریہ میں مولانا باب اللہ جونپوری سے کتب درسیہ پڑھیں۔ شیخ بدر عالم سادامودی سے علم طریقت حاصل کیا۔ بعد ازاں لکھنؤ میں سلسلۂ تدریس شروع کیا۔ تصنیف و تالیف سے بھی بڑا لگاؤ تھا۔ مثلاً رسالۂ "میرزاہد" پر علمی اعتبار سے نہایت وقیع حاشیہ لکھا اور "بدلواء الہدیٰ فی اللیل الدجیٰ" اس کا نام رکھا، جسے حلقۂ علما میں بڑی قبولیت کی نظر سے دیکھا گیا اور اس کو باقاعدہ درس میں داخل کیا گیا۔

علامہ غلام یحییٰ نے خاصی مدت تک لکھنؤ میں مسند درس بچھائے رکھی اور لوگوں کی بڑی علمی خدمت کی۔ پھر دہلی تشریف لے گئے اور شیخ جانجاناں علوی دہلوی سے طریقۂ نقشبندیہ اخذ کیا اور پانچ سال ان سے وابستہ رہے۔ پھر لکھنؤ چلے گئے اور شیخ محمود قلندر کی مسجد کے قرب میں خانقاہ شیخ پیر محمد لکھنوی میں قیام پذیر ہوئے۔

ان کی تصنیفات میں سے شرح مسلم پر حاشیہ بھی ہے۔ نیز وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے مبحث پر ایک رسالہ کلمۃ الحق ہے، جس میں شاہ ولی اللہ دہلوی پر تعقب کیا گیا ہے۔ اور شاہ رفیع الدین دہلوی بن شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنی کتاب دمغ الباطل میں اس کا رد کیا ہے۔

ان کی وفات ذی القعدہ ۱۱۸۰ھ کو لکھنؤ میں ہوئی اور شیخ پیر محمد کی خانقاہ میں دفن کیے گئے، یہ بحر زخار میں مرقوم ہے[2]۔

قاضی نجم الدین علی خاں کاکوروی کے اساتذہ میں سے ملا حسن بن غلام مصطفیٰ لکھنوی اور علامہ تفضل حسین کشمیری کے حالات معلوم نہیں ہو سکے۔

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۶، ص ۱۵۰
[2] ایضاً ج ۶۔ ص ۲۱۵، ۲۱۶۔

فتاویٰ عالمگیری کے اردو مترجم

مولانا سید امیر علی ملیح آبادی

فتاویٰ عالمگیری کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے، جو قبول و تداول کے اعتبار سے اصل عربی کتاب اور اس کے فارسی ترجمہ پر فوقیت لے گیا ہے۔ یہ ترجمہ مشہور عالم دین مولانا سید امیر علی ملیح آبادی مرحوم کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے۔ اس کی عظیم خصوصیت یہ ہے کہ شروع میں فاضل مترجم نے ایک مبسوط اور مفصل مقدمہ تحریر فرمایا ہے، جو نہایت محققانہ اور عالمانہ ہے۔ یہ مقدمہ بڑی تقطیع کے تقریباً تین سو صفحات کو محیط ہے۔ مولانا مرحوم سے یہ ترجمہ مطبع نول کشور لکھنؤ کے مالک منشی نول کشور نے کرایا اور انھی نے سب سے پہلے شائع کیا۔

مولانا سید امیر علی بن معظم علی حسینی ملیح آبادی لکھنوی متحدہ ہندوستان کے مشہور علما میں سے تھے۔ ۱۲۷۴ھ میں صوبہ یوپی کے معروف قصبہ ملیح آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اسی قصبے میں حاصل کی۔ فارسی کے کچھ رسائل پڑھے اور حساب و اقلیدس، جبر و مقابلہ اور علم مثلث و علم مساحت وغیرہ فنون ریاضیہ میں مہارت پیدا کی۔ پندرہ سال کی عمر کو پہنچے تو ان علوم سے دلچسپی ختم کر کے علوم عربیہ کے حصول کی طرف متوجہ ہو گئے۔ مختصر اور ابتدائی کتابیں سید عبداللہ آرزی اور مولانا حیدر علی مہاجر سے پڑھیں۔ پھر قاضی بشیر الدین عثمانی قنوجی سے وابستہ ہو گئے۔ ان سے اصول، کلام، منطق اور فلسفہ وغیرہ علوم کی تکمیل کی۔

ان کی ابتدائی زندگی کا یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ غربت اور مالی مجبوریوں کی بنا پر سلسلۂ تعلیم منقطع کر کے ملازمت اختیار کرنا پڑی۔ محکمۂ ڈاک میں ملازم ہوئے اور بہرائچ کے ڈاکخانہ میں تقرر ہوا۔ طبیعت میں نیکی قابل رشک حد تک تھی۔ غالباً ظہر کا وقت تھا کہ مسجد میں نماز کے لیے گئے۔ اس اثنا میں ڈاکخانہ کا افسر اعلیٰ معائنہ کے لیے پہنچ گیا۔ کسی نے مسجد میں جا کر اطلاع دی۔ گھبرائے نہیں، اطمینان سے نماز پڑھ کر

آئے۔ افسر نے اعتراض کیا تو ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔

اس واقعہ سے دل پہ یہ اثر ہوا کہ اللہ کے دین پر عمل کی وجہ سے ملازمت بھی چھوڑی مگر حال یہ ہے کہ علوم دین سے کوئی واقفیت نہیں۔ یہاں تک کہ نماز کی دعاؤں کا مطلب بھی نہیں سمجھ پاتا ہوں۔ یہ خیال ذہن میں اس قدر راسخ ہوا کہ علوم دین کی تحصیل کا مصمم ارادہ کر لیا اور سیدھے مولانا فاروق چڑیاکوٹی کی خدمت میں پہنچے، جن کے شاگردوں میں مولانا شبلی نعمانی بھی تھے۔ مولانا فاروق کا سلسلۂ درس چونکہ باقاعدہ نہ تھا، اس لیے چند روز کے بعد دہلی چلے گئے، جہاں اس زمانے میں مشہور محدث مولانا سید نذیر حسینؒ کا فیض علم جاری تھا۔ ان سے کتب صحاح و سنن کی نہایت غور و تدبر سے تکمیل کی۔ دہلی ہی میں اس مدرسہ میں مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی بھی ان کے ہم درس تھے۔ اس دور کے نامور طبیب، حکیم عبدالمجید بن محمود دہلوی کے سامنے حصول طب کے لیے زانوئے تلمذ تہ کیے۔ بعد ازاں اپنے وطن ملیح آباد کا قصد کیا۔ لکھنؤ میں شادی کی اور پھر وہیں سکونت پذیر ہو گئے۔

لکھنؤ میں ان کا رابطہ منشی نول کشور سے پیدا ہو گیا۔ انھوں نے تراجم کتب، تحشیہ نویسی اور تصحیح کے لیے اپنے چھاپہ خانے (مطبع نول کشور) میں پچاس روپے ماہانہ تنخواہ پر ان کو مقرر کر لیا۔ منشی نول کشور مولانا کی انتہائی تکریم کرتے تھے۔ ان کو حقہ نوشی کا بہت شوق تھا۔ منشی صاحب ان کے لیے بہترین تمباکو مہیا کرتے اور ان کے مکان پہ حاضر ہوتے۔ کچھ عرصہ بعد ان کو دفتر کی حاضری سے مستثنیٰ کر دیا گیا اور وہ گھر پر ہی کام کرنے لگے۔

مطبع نول کشور میں کام کے دوران مولانا امیر علی حجاز مقدس تشریف لے گئے اس کے لیے خود منشی نول کشور نے بھی معقول رقم پیش کی۔ ان کا ارادہ یہ تھا کہ مستقل طور پر وہیں قیام کریں گے، مگر ایک تو وہاں کی آب و ہوا راس نہ آئی، اور بیمار پڑ گئے دوسری تکلیف یہ پہنچی کہ بڑے صاحبزادے وہاں انتقال کر گئے۔ سفر حجاز کے دوران حج و زیارت بیت اللہ کا شرف بھی حاصل کیا اور جدہ میں مسند تدریس

Marfat.com

بچھائے رکھی، جس سے بے شمار لوگ مستفید ہوئے۔

حجاز سے دوبارہ ہندوستان واپس آگئے اور مدرسہ عالیہ کلکتہ کے صدر مدرس مقرر ہو گئے۔ اس مدرسہ میں ان کو تقریباً پانچ سو روپے ماہانہ تنخواہ ملتی تھی۔ کچھ مدت بعد مولانا سید عبدالحی لکھنوی ناظم دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ اور ارکان ندوہ کی استدعا پر دارالعلوم ندوۃ العلما کی صدر مدرسی کے منصب پر فائز ہو گئے۔ ندوہ میں ایک سو پچیس یا ایک سو پچاس روپے ماہانہ تنخواہ مقرر تھی۔ انھوں نے مدرسہ عالیہ کلکتہ کی صدر مدرسی پر ندوۃ العلما کو محض اس بنا پر ترجیح دی کہ یہ خدمت دین کم تنخواہ کے باوجود ان کے نزدیک بہت زیادہ اہمیت کی حامل تھی۔ ندوہ میں ان سے جن حضرات نے علمی استفادہ کیا انھوں نے آگے چل کر علمی دنیا میں بڑی شہرت پائی۔ ان کے زمانۂ ندوہ کے تلامذہ میں نزہۃ الخواطر کے مصنفِ شہیر مولانا سید عبدالحی حسنی لکھنوی کا اسمِ گرامی بھی شامل ہے۔ مولانا تین سال ندوہ کی صدر مدرسی کے منصب جلیلہ پر فائز رہے۔

نہایت ذکی، خوش طبیعت، قوی حافظہ، سریع الادراک، عمدہ سیرت، شریف النفس، بلند اخلاق اور ملنسار تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، تاریخ و رجال، فلسفہ و حکمت، صرف و نحو اور علوم ریاضیہ کے ماہر تھے۔ ان کے تراجم و تصنیفات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ جن میں سے چند کتابیں یہ ہیں۔

۱۔ تفسیر مواہب الرحمان:۔ قرآنِ مجید کی یہ تفسیر اردو زبان میں ہے اور تیس ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔ نہ صرف اردو زبان میں وسعت و عمدگی کے اعتبار سے کوئی تفسیر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، دوسری زبانوں میں بھی معلومات کے لحاظ سے اس کی ٹکر کی کم تفسیریں ہوں گی۔ اس کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ تمام بڑی بڑی تفاسیر کے اقتباسات بھی اس میں شامل ہیں، فقہی مسائل کی تشریحات بھی دی گئی ہیں اور تصوف کے رموز و نکات بھی بیان کیے گئے ہیں۔ یہ تفسیر مولانا کا بہت بڑا تفسیری کارنامہ ہے

۲۔ فیضی کی مشہور تفسیر "سواطع الالہام" عربی زبان میں قرآن مجید کی بے نقط

Marfat.com

تفسیر ہے۔ مولانا نے اس تفسیر کے شروع میں بے نقط الفاظ میں مقدمہ تحریر فرمایا اور اشاعت سے قبل اس تفسیر کی تصحیح بھی کی۔

۳۔ ترجمہ وشرح اردو صحیح بخاری :۔ یہ بھی ان کا ایک عظیم علمی شاہکار ہے۔ حدیث کی شہرہ آفاق کتاب صحیح بخاری کا یہ اردو ترجمہ مع شرح کے تیس جلدوں کو محتوی ہے۔

۴۔ عین الہدایہ :۔ یہ فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ کا اردو ترجمہ اور اس کی شرح ہے۔ یہ کتاب چار جلدوں میں مکمل ہوئی اور ہزاروں صفحات میں پھیلی ہوئی ہے۔

۵ ۔ ترجمہ اردو فتاوی عالم گیری :۔ یہ مولانا امیر علی کا عدیم المثال کارنامہ ہے۔ اس کے شروع میں ان کا ایک مفصل مقدمہ بھی ہے جو بے شمار معلومات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ یہ ترجمہ ان سے منشی نول کشور نے کرایا تھا اور اسی مطبع سے شائع ہوا۔ آج کل اصل عربی کتاب اور اس کے فارسی ترجمے کی نسبت اہل علم میں یہی اردو ترجمہ زیادہ متداول ہے۔

۶۔ تقریب التہذیب پر تفصیلی حاشیہ :۔ تقریب التہذیب، رجال وتاریخ کے موضوع پر حافظ ابن حجر کی معروف تصنیف ہے۔

۷۔ المستدرک فی الرجال :۔ اس میں صحاح اور سنن کے رواۃ جمع کیے گئے ہیں۔

۸۔ تکملۃ التقریب المسماۃ بالتعقیب

ان کے علاوہ اور بھی متعدد مکمل اور نامکمل صورت میں مسودات وتصنیفات موجود ہیں۔

مولانا سید امیر علی نے رجب ۱۳۳۷ھ میں لکھنؤ میں انتقال کیا۔[1] مسلکاً اہل حدیث تھے۔

اساتذہ

مولانا سید امیر علی کے اساتذہ میں صاحب نزہۃ الخواطر مولانا سید عبدالحی الحسینی

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۸۔ ص ۷۵، ۷۶۔ اور علمی اجالے۔ ص ۶۲ تا ۶۷ مؤلفہ۔ امیر حسن نورانی۔ استاذ دینیات اسلامیہ کالج۔ لکھنؤ۔ راجہ رام بک ڈپو۔ وارث نول کشور بک ڈپو۔ لکھنؤ مطبوعہ ۱۹۵۹ء۔

Marfat.com

لکھنوی نے پانچ علمائے کرام کا نام لیا ہے۔ وہ ہیں حضرت شیخ الکل مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی، مولانا سید عبداللہ آزدی، مولانا حیدر علی مہاجر، قاضی بشیر الدین عثمانی قنوجی اور حکیم عبدالمجید بن محمود دہلوی ۔ ذیل میں ان حضرات کے مختصر حالات بیان کیے جاتے ہیں۔

مولانا سید نذیر حسین، ہندوستان کے بہت بڑے عالم دین، انتہائی نیک، عظیم القدر محدث، نامور مجاہد، بدرجہ غایت حلیم الطبع، متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ احادیث رسول اکرمؐ اور ربانی علوم میں ان کی جلالت قدر مسلمہ ہے۔ ۱۲۲۰ یا ۱۲۲۵ھ میں صوبہ بہار کے موضع سورج گڑھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد عظیم آباد (پٹنہ) کے لیے رخت سفر باندھا اور وہاں سید احمد شہید بریلوی، مولانا شاہ اسماعیل شہید دہلوی اور مولانا عبدالحی بڑھانوی سے ملاقات کی۔ یہ ۱۲۴۳ھ کا واقعہ ہے۔ پھر حصول علم کے لیے الہ آباد گئے۔ وہاں کچھ عرصہ قیام فرمایا اور اس شہر کے اصحاب علم سے مختصرات پڑھیں۔ وہاں سے عازم دہلی ہوئے اور مختلف مقامات سے ہوتے ہوئے ۱۲۴۳ھ میں وارد دہلی ہوئے۔ دہلی میں کتب درسیہ سید عبدالخالق دہلوی، شیخ شیر محمد قندھاری اور علامہ جلال الدین ہروی سے پڑھیں۔ علوم اصول دبلاغت اور تفسیر شیخ کرامت علی اسرائیلی (مصنف سیرت احمدیہ) سے حاصل کیے۔ ہیئت اور حساب کے لیے شیخ محمد بخش سے رجوع کیا۔ ادب کی تعلیم شیخ عبدالقادر رام پوری سے حاصل کی۔ ان تمام علوم کے حصول سے پانچ سال میں فارغ ہوئے۔ بعد ازاں اپنے استاذ سید عبدالخالق دہلوی کی صاحبزادی سے شادی کی اور حضرت علامہ شیخ محمد اسحاق بن محمد افضل عمری دہلوی کے حلقہ درس سے وابستہ ہوگئے، جو حضرت شاہ عبدالعزیز بن حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی اولاد میں سے تھے۔ شاہ محمد اسحاق سے ۱۲۵۸ھ میں سند و اجازہ کا شرف حاصل ہوا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت شاہ محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ دہلی سے مکہ مکرمہ کو ہجرت کر کے جا رہے تھے۔ بعد ازاں اپنے اس عظیم الشان استاذ کی جگہ مسند تدریس و تذکیر اور منصب افتاء پر فائز ہوئے۔

Marfat.com

ہندوستان کے اس رفیع المرتبت عالم اور جلیل القدر محدث کا حلقۂ تلامذہ بہت ہی وسیع ہے۔ پورا عالم اسلامی ان سے مستفیض ہوا اور اپنے دور کے بے شمار عظیم المنزلت حضرات نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کا شرف حاصل کیا، جن کے ذکر کی ان سطور میں گنجائش نہیں۔

ان کے حالات میں الحیات بعد الممات کے نام سے ایک مستقل تصنیف بھی ہے۔ ان کے ایک تلمیذ رفیع القدر حضرت مولانا شمس الحق ڈھیانوی نے ابوداؤد کی شرح غایۃ المقصود میں بھی ان کے حالات بیان کیے ہیں۔ ایک اور شہرہ آفاق شاگرد حضرت علامہ عبدالرحمن مبارک پوری محدث رحمہ اللہ تعالیٰ شارح جامع ترمذی نے مقدمہ تحفۃ الاحوذی میں بھی ان کا تذکرہ فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں مولانا سید عبدالحی لکھنوی نے نزہۃ الخواطر کی آٹھویں جلد میں نہایت عقیدت و احترام سے ان کے اور ان کے تلامذہ کے حالات قلم بند کیے ہیں۔ مولانا غلام رسول مہر نے اپنی معروف تصنیف سرگزشتِ مجاہدین میں بھی بہترین انداز سے ان کا ذکر کیا ہے۔

مولانا سید نذیر حسین دہلوی بہت بڑے مصنف بھی تھے۔ ان کی تصنیفات نہایت عالمانہ اور محققانہ ہیں، جن میں فتاویٰ نذیریہ اور معیار الحق خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

مسلکاً اہل حدیث تھے لیکن ان کے حلقۂ درس سے ہر فقہی مسلک کے مشاہیر علمائے کرام نے فیض یاب ہونے کی سعادت حاصل کی۔

عرب و عجم کے اس فقید المثال عالم دین، عدیم النظیر محدث، اور عظیم اور بے بدل فقیہ نے سوموار کے دن ۱۰ رجب المرجب ۱۳۲۰ھ میں سو سال یا ایک سو پانچ سال کی عمر پا کر دہلی میں انتقال کیا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

مولانا امیر علی کے ایک استاذ حکیم عبدالمجید بن محمود بن صادق بن شریف شریفی دہلوی ہیں، جن سے انھوں نے علم طب حاصل کیا۔

حکیم عبدالمجید ہندوستان کے مشہور طبیب تھے۔ دہلی میں پیدا ہوئے اور وہیں پرورش پائی۔ مولانا محمد علی چاندپوری اور دیگر علما سے تعلیم حاصل کی۔ حدیث مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی سے پڑھی۔ علم طب اپنے والد گرامی قدر حکیم محمود سے

پڑھا۔ کچھ طبی کتابیں اپنے چچا زاد غلام رضا خاں سے پڑھیں۔ پھر تدریس میں مشغول ہو گئے اور اپنے والد کی زندگی میں ہی اطبائے ہند میں شہرت و فضیلت کے بام عروج پر پہنچ گئے۔ ۱۳۰۷ھ میں دہلی میں مدرسہ طبیہ کی تاسیس کی۔ حکومت انگریزی نے ان کو "حاذق الملک" کا خطاب دیا۔

نہایت ذہین، قوی حافظہ اور ذکی تھے۔ علم طب اور علاج معالجہ میں ان کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ درس و تدریس میں ماہر کامل تھے۔ تالیفات متقدمین سے بہت باخبر تھے۔

۲۴ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ میں دہلی میں وفات پائی[1]

مولانا سید امیر علی کے اساتذہ کی فہرست میں مولانا قاضی بشیر الدین عثمانی قنوجی کا اسم گرامی بھی شامل ہے۔

قاضی بشیر الدین ۱۲۳۴ھ میں قنوج میں پیدا ہوئے اور بریلی میں پرورش پائی۔ قرآن مجید، بریلی کی جامع مسجد کے امام حافظ احمد علی سے پڑھا۔ صرف و نحو اور منطق کے کچھ رسائل مولانا تفضل حسین بریلوی سے پڑھے۔ عروض، بیان، بدیع، حساب، فرائض اور فقہ کی بعض کتابیں اپنے والد گرامی قدر مولانا کریم الدین عثمانی قنوجی سے پڑھیں۔ پھر مختلف علوم کی اونچی کتابوں کے لیے مولانا محمد حسن بریلوی، مفتی شرف الدین کے بھانجے مولانا محمد علی بن شیخ مداد رام پوری، مولانا اوحدالدین بلگرامی، مولانا قدرت اللہ لکھنوی اور شیخ رحیم الدین بخاری کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیے، اور بائیس سال کی عمر میں، فارغ التحصیل ہو گئے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد مختلف اوقات میں ٹونک، مراد آباد، دہلی، علی گڑھ اور کانپور میں درس و تدریس کے ذریعے تشنگان علوم کی علمی تشنگی بجھاتے رہے۔ ۱۲۹۵ھ میں بھوپال کی مسند قضا پر فائز ہوئے۔

آپ کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع ہے، جن میں صاحب عون المعبود مولانا شمس الحق ڈھانوی، سید امیر علی ملیح آبادی، سید امیر حسن سہسوانی، مولانا وحید الدین

---

[1] نزہتہ الخواطر ج ۸، ص ۳۱۰

لکھنوی، مولانا علیم الدین شاہ جہان پوری اور سید امداد علی اکبر آبادی شامل ہیں۔[۵۱] ان کے علاوہ قاضی احتشام الدین مراد آبادی اور مولانا تلطف حسین دہلوی بھی ان کے تلامذہ میں سے ہیں۔[۵۲]

قاضی بشیر الدین قنوجی متعدد کتابوں کے محشی اور مصنف بھی ہیں۔ شرح سلم حمد اللہ پر حاشیہ، میرزاہد شرح المواقف پر حاشیہ، صرف و نحو کی بعض درسی کتابوں کے مشکل مقامات کا حل، موطا کے بعض حصوں کی شرح، تخریج احادیث شرح العقائد، کشف المبہم شرح علی مسلم الثبوت، تفہیم المسائل، صواعق الالہیہ، غایۃ الکلام فی ابطال عمل المولد والقیام، احسن المقال فی شرح حدیث لا تشد الرحال، بصارۃ العینین فی منع تقبیل الابہامین، ان کی تصنیفات و حواشی ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی رسائل تصنیف فرمائے۔

ذوالحجہ ۱۲۹۶ھ کو بھوپال میں وفات پائی۔[۵۳]

مندرجات و مشمولات

فتاویٰ عالمگیری، ایک مبسوط اور مفصل کتاب ہے، جو عبادات و معاملات سے متعلق تمام مسائل کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اس میں مختلف فقہی کتابوں کے حوالے سے بے شمار امور کی وضاحت کی گئی ہے اور ساتھ ہی تعبیر مسائل میں آئمہ فقہ حنفیہ کے اختلافات بھی صراحت سے بیان کیے گئے ہیں۔ فتاویٰ کی فقہی اہمیت کے پیش نظر جی چاہتا ہے اس کے مندرجات و مشمولات کے بعض گوشوں کی تفصیلات سے لائق اکرام قارئین کو باخبر کیا جائے مگر تنگ دامانیٔ صفحات اس کی اجازت نہیں دیتی۔ تاہم سطور ذیل میں چند چیزیں فتاویٰ کی اصل عربی عبارت کے ساتھ پیش کی جاتی ہیں۔

---

۵۱ نزہۃ الخواطر ج ۷، ص ۱۰۰ — ۵۲ ایضاً ج ۸، ص ۱۴، ۹۸

۵۳ ایضاً ج ۷، ص ۱۰۱ (بحوالہ تذکرۃ النبلاء)

Marfat.com

منصب قضا پر امیر آدمی کو فائز کیا جائے

فتاویٰ عالمگیری کے فاضل مرتبین نے "کتاب ادب القاضی" میں قاضی کے آداب، اقسام قضاۃ، قاضی کی شخصیت اور اس منصب رفیع کی اہمیت کے بارے میں بے شمار چیزوں کا ذکر کیا ہے۔ ان میں ایک یہ ہے کہ منصب قضا پر کسی امیر اور صاحب ثروت کو فائز کرنا چاہیے۔ محیط سرخسی کے حوالے سے الفاظ یہ ہیں۔

قالوا یستحب للامام ان یقلد القضاء من له ثروة وغنیة لکیلا یطمع فی اموال الناس[1]۔

ترجمہ:۔ مشائخ کا کہنا ہے کہ امیر مملکت کو چاہیے، وہ کسی غنی اور مالدار شخص کو قاضی مقرر کرے تاکہ وہ لوگوں کے مال کو حرص وطمع کی نظر سے نہ دیکھے۔

اگر قاضی رشوت لے کر فیصلہ کرے

والقاضی اذا ارتشی وحکم لاینفذ قضاءہ فیما ارتشی وینفذ فیما لم یرتش[2]۔

ترجمہ:۔ قاضی نے جو فیصلہ رشوت لے کر کیا، اس میں اس کی قضا نافذ نہ ہوگی اور جس مقدمہ میں رشوت نہیں لی، اس میں قضائے قاضی نافذ ہوگی۔

اگر قاضی کے بیٹے یا محرر یا پیادے نے رشوت لی

اس سلسلے میں خزانۃ المفتیین کے حوالے سے مرقوم ہے۔

وان ارتشی ولد القاضی او کاتبہ او بعض اعوانہ فان کان بامرہ ورضاہ فھو رما لو ارتشی القاضی سواء ویکون قضاءہ مردود، وان کان بغیر علم القاضی نفذ قضاءہ، وکان علی المرتشی رد ما قبض منہ[3]۔

ترجمہ:۔ اگر قاضی کے لڑکے یا محرر یا پیادے وغیرہ نے رشوت لی اگر قاضی کے حکم یا اس کی رضامندی سے لی تو ان کا اور خود قاضی کا رشوت لینا برابر ہے اور اس کا

---

[1] فتاویٰ عالمگیری (عربی) جلد ثالث ص ۳۴۱۔ مطبع مجیدی کانپور۔ شائع کردہ حاجی محمد سعید تاجر کتب، خلاصی ٹولہ نمبر ۸۵ کلکتہ۔ نیز دیکھیے فتاویٰ عالمگیری کا اردو ترجمہ ج ۵، ص ۱۰۹ مطبع نول کشور لکھنؤ (مطبوعہ ۱۹۳۲ء) [2] ایضاً ص ۳۴۳، اردو ترجمہ ج ۵ ص ۱۱۳ [3] ایضاً

فیصلہ مردود ہوگا اور اگر قاضی کے حکم کے بغیر رشوت لی تو قضا تو نافذ ہو جائے گی البتہ رشوت لینے والے پر اس کا واپس کرنا ضروری ہے۔

ضروری کاغذات قاضی کے پاس رہنے چاہییں

عدالت میں قاضی کون کون سی چیزیں اور کس قسم کے کاغذات اپنے پاس رکھے اور اس کی نظر کتنی وسیع ہونی چاہیے۔ اس کے بارے میں محیط سرخسی کے حوالے سے فتاویٰ گیری کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

ويضع القمطر الى جانبه عن يمينه لان فيه السجلات والمحاضر والصكوك، فيجعله ان يكون معدا بين يديه ويجلس كاتبه في ناحية عنه حيث يراه حتى لا يخدع بالرشوة، فيزيد في الفاظ الشهادة او ينقص[1]۔

ترجمہ:- قاضی کو چاہیے کہ جزدان اپنی داہنی جانب رکھے، اس لیے کہ اس میں رجسٹر، محضر اور فائلیں وغیرہ رکھی ہوتی ہیں۔ پھر قاضی کا کاتب یا محرر اس سے ہٹ کر اس انداز سے بیٹھے کہ قاضی اس کو دیکھتا رہے تاکہ وہ رشوت لے کر الفاظ شہادت میں کمی بیشی نہ کر سکے۔

کیا مسجد میں یا گھر میں قاضی دربان رکھ سکتا ہے؟

فتاویٰ قاضی خاں اور فتاویٰ تاتارخانیہ کے حوالے سے مرتبین فتاویٰ عالمگیری لکھتے ہیں کہ قاضی مسجد میں یا گھر میں بیٹھے تو بواب (دربان) رکھ سکتا ہے۔ الفاظ یہ ہیں۔

فاذا جلس القاضي في المسجد او في داره يأخذ بوابا، يمنع الخصوم من الازدحام ولا يباح للبواب ان يأخذ شيئا ليأذن بالدخول[2]۔

ترجمہ:- اگر قاضی مسجد یا گھر میں بیٹھے تو دربان مقرر کرے تاکہ وہ خصوم کو ازدحام اور ہجوم کرنے سے روکے اور بواب کو اجازت نہیں کہ وہ ان سے کچھ لے کر ان کو قاضی کے پاس اندر جانے کی اجازت دے۔

---

[1] فتاویٰ عالم گیری (عربی) ج ۳، ص ۳۴۷) نیز اردو ترجمہ ج ۵ ص ۱۲۳

[2] ایضاً۔

عدالت میں قاضی کے سامنے اس کا معاون ہونا چاہیے

قاضی مسندِ عدالت پر بیٹھا ہو تو ایک ایسا آدمی اس کے سامنے ہونا چاہیے جو مختلف امور میں اس کی اعانت کرے۔ اور لوگوں کو آگے نہ آنے دے۔ الفاظ ملاحظہ ہوں:

واذا جلس القاضی لفصل الخصومات ینبغی ان یقوم بین یدیہ رجل یمنع الناس عن التقدم بین یدیہ فی غیر وقتہم ویمنعہم عن اساءۃ الادب ویقال لہ صاحب المجلس ولہ اسامی الشرطی والعریف والجلواز وینبغی ان یکون معہ سوط الادب وینبغی ان یکون امینا، وینبغی ان لا یکون طماعا حتی لا یرتشی فلا یمیل الی بعض الخصوم ولا یترک تادیبہ اذا اساء الادب، واذا جلس الخصمان بین یدی القاضی ورأی القاضی ان یأمر صاحب المجلس لیقوم بعیدا منہ حتی لا یعرف ما یدور بین الخصمین وبین القاضی فلا یعلم بہ احد الخصمین ولا یلقنہ شیئا فعل ذلک، وان کان مامونا وترکہ یقرب منہ فلا بأس۔ والحاصل ان القاضی یعمل ما فیہ النظر والاحتیاط فی امور الناس، ولا ینبغی لهذا الرجل ان یسار احد الخصمین[1]۔

ترجمہ:۔ قاضی جب مقدمات کے فیصلے کے لیے مسند عدالت پر بیٹھے تو اس کے سامنے ایک ایسا آدمی کھڑا ہونا چاہیے جو لوگوں کو بے وقت آگے بڑھنے سے اور سوئے ادب سے روکے۔ ایسے شخص کو صاحب المجلس کہتے ہیں۔ اس کو شرطی (پولیس مین) عریف اور جلواز بھی کہتے ہیں۔ اس کے پاس سوط ادب بھی ہونا چاہیے۔ یہ شخص امین ہو، لالچی اور طماع نہ ہو کہ رشوت لے کر کسی فریق کی جانبداری کرے اور سوئے ادب کے وقت اس کی تادیب نہ کرے۔ جب دونوں فریق قاضی کے سامنے بیٹھیں اور قاضی یہ مصلحت محسوس کرے کہ صاحب المجلس اس سے کچھ دور فاصلے پر چلا جائے تاکہ اس کو معلوم نہ ہو سکے کہ فریقین مقدمہ اور قاضی کے درمیان کیا گفتگو ہوئی ہے کہ ایک فریق کو اس سے باخبر نہ کر دے اور کسی کو کچھ سکھا

---

[1] فتاویٰ عالمگیری (عربی) ایضاً - اردو ترجمہ ج ۵ ص ۱۲۴

Marfat.com

سمجھا نہ دے، تو قاضی کو ایسا کرنا چاہیے۔ اگرچہ صاحب المجلس امین اور قابلِ اعتماد ہی ہو اور اس کے قریب رہنے سے کسی قسم کا اندیشہ نہ ہو۔ خلاصۂ کلام یہ کہ قاضی کو وہ تمام کام کرنے چاہییں اور انھیں ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیے جن میں لوگوں کی بھلائی اور احتیاط پنہاں ہو۔ اور صاحب المجلس کو چاہیے کہ مقدمہ کے کسی فریق سے خفیہ طور پر باتیں نہ کرے۔

کیا قاضی فریقین کو سلام کر سکتا ہے یا وہ اس کو سلام کر سکتے ہیں؟

فتاویٰ عالم گیری میں، اس مسئلے کو بھی موضوعِ بحث ٹھہرایا گیا ہے کہ فریقین قاضی کو سلام کر سکتے ہیں یا نہیں یا قاضی ان کو سلام کرنے کا مجاز ہے یا نہیں؟ اس باب میں یہ موضوع بھی ضمناً زیرِ بحث آگیا ہے کہ امیرِ مملکت یا والی کو سلام کرنا یا ان کا لوگوں کو سلام کرنا مناسب ہے یا نہیں؟ کیونکہ اس میں ان کے ذاتی وقار و حشمت اور ہیبت و دبدبہ کو ملحوظ و برقرار رکھنے کا سوال بھی پیدا ہوتا ہے۔ فتاویٰ میں اس سلسلے میں مختلف کتبِ فقہ کے حوالے سے مختلف فقہا کے اقوال نقل کیے گئے ہیں، جن میں یہ بھی ہے کہ دونوں کے ایک دوسرے کو سلام کرنے میں کوئی حرج نہیں اور یہ بھی ہے، کہ سلام کرنے اور سلام قبول کرنے سے رعب و دبدبہ کم ہو جاتا ہے اور اس سے فریقین پر غلط اثرات مترتب ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس سلسلے میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ امیرِ مملکت یا والی کو، نہ سلام کرنے میں کوئی حرج ہے نہ سلام کا جواب دینے میں کوئی قباحت۔ البتہ قاضی کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔ کیونکہ قاضی کی حیثیت امیر اور والی سے مختلف ہے۔

اذا دخل القاضی المسجد فلا بأس بان یسلم علی الخصوم یرید بہ تسلیما عاما، ثم اختلف المشائخ فیہ، منھم من قال ان سلم علیھم فلا بأس بہ، وان ترک وسعہ لتبقی المھیبۃ ویکثر الحشمۃ ولھذا جری الرسم ان الولاۃ والامراء اذا دخلوا لا یسلمون، ومنھم من قال علیہ ان یسلم، ولا یسعہ الترک، وھکذا الوالی والامیر اذا دخلا علیھما ان یسلما ولا یسعھما الترک، ھذا ھو الکلام فی وقت

الدخول. فاما اذا جلس فی ناحیۃ من المسجد، للفصل والحکم لا یسلم علی الخصوم ولا یسلمون علیہ، وعن ھذا قال بعض مشائخنا من ھذا جری الرسم ان الناس متی دخلوا علی الولاۃ والامراء لا یسلمون علیہم وھم لا یسلمون علی الناس، لان القاضی متی جلس للحکم لا یسلم ولا یسلمون علیہ، والوالی والامیر اولی، ولیس الامر کما ظنوا، والصحیح ان الناس یسلمون علیھم وھم یسلمون علی الناس، بخلاف القاضی. والفرق ان الوالی والامیر انما جلسا للزیارۃ لا للفصل والحکم، والسلام تحیۃ الزائرین، فاما القاضی فانما جلس للفصل والحکم لا للزیارۃ. فلا یسلمون علیہ، وان سلموا مع ھذا فی مجلس الحکم فلا بأس بان یرد علیھم السلام، وھذا اشارۃ الی انہ لا یجب علیہ رد السلام، بل تخییر ان شاء رد، وان شاء لم یرد، کذا فی ادب القاضی للخصاف۔[1]

ترجمہ: قاضی مسجد میں آئے تو خصوم کو اس اسلوب سے سلام کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں جبکہ اس کا ارادہ سلام عام کا ہو۔ پھر مشائخ فقہ کا اس میں اختلاف ہے۔ بعض کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ سلام کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں اور نہ کرنے میں بھی۔ تاکہ اس کی ہیبت باقی رہے اور حشمت وعزت میں اضافہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ ولات وامرا میں یہ رسم چلی آرہی ہے کہ وہ آتے ہیں تو سلام نہیں کرتے۔ اس کے برعکس بعض کا کہنا ہے کہ قاضی آئے تو اس کا فرض ہے کہ سلام کرے۔ ترک سلام کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اسی طرح والی اور امیر آئیں تو ان کا بھی فرض ہے کہ سلام کریں۔ ترک سلام کی ان کے لیے بھی کوئی گنجائش نہیں۔ البتہ اگر قاضی مقدمات کے فیصلے کی غرض سے مسجد میں بیٹھ گیا ہو تو خصوم پر سلام نہ کرے اور نہ لوگ قاضی کو سلام کریں۔ بعض مشائخ کا قول ہے کہ اسی سے یہ رسم جاری ہوئی ہے کہ لوگ ولات اور امرا کے پاس جاتے ہیں تو سلام نہیں کرتے اور نہ وہ لوگوں کو سلام کرتے ہیں۔ کیونکہ جب قاضی کے بارے میں یہ حکم ہے تو والی اور امیر کے

[1] ایضاً عربی۔ اردو ترجمہ ج ۱۵ ص ۱۲۳

Marfat.com

بارے میں تو بالا دلی ہو گا۔ بات یہ ہے کہ ان کا یہ کہنا صحیح نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ لوگ امراد ولات کو سلام کریں اور وہ ان کو سلام کریں۔ بخلاف قاضی کے، ان دونوں میں یعنی قاضی اور والی وامیر میں فرق یہ ہے کہ والی وامیر تو بیٹھتے ہی ملاقات کے لیے ہیں، فصل خصومات کے لیے نہیں بیٹھتے۔ سلام ملاقات کرنے والوں کا تحفہ ہے، اسے قبول کرنا چاہیے اور قاضی فصل وحکم کے لیے بیٹھا ہے نہ کہ ملاقات کے لیے، لہذا اس کو سلام نہ کریں۔ بایں ہمہ اگر لوگ اس کو سلام کریں تو جواب دینے میں کوئی حرج نہیں۔ اس نکتے میں اشارہ یہ ہے کہ قاضی پر جواب سلام واجب نہیں۔ بلکہ مذہب مختار یہ ہے کہ جی چاہے تو جواب دے نہ چاہے تو نہ دے۔ خصاف کی ادب القاضی میں اسی طرح مرقوم ہے۔

قاضی کے لیے ضروری ہدایات

منصب قضا نہایت نازک شئے ہے۔ قاضی کو انتہائی محتاط رہنے کی ضرورت ہے اس ضمن میں فتاویٰ عالم گیری میں بڑی بڑی اور مشہور کتابوں کے حوالے سے بہت کچھ بتایا گیا ہے۔ ان میں چند باتیں یہ ہیں۔

وینبغی للقاضی اذا تقدم الیہ الخصمان ان یسوی بینھما فی المجلس ویجلسھما بین یدیہ[1]۔

ترجمہ: قاضی کی عدالت میں مقدمہ کے دونوں فریق پیش ہوں تو بٹھانے میں ان سے مساوی سلوک کرے اور اپنے سامنے بٹھائے۔

ویسوی بینھما فی النظر والکلام ولا یسار احدھما، ولا یشیر الیہ بیدہ و لا برأسہ ولا بحاجبہ، ولا یضحک فی وجہ احدھما[2]۔

ترجمہ: دونوں کے درمیان دیکھنے اور بات کرنے میں مساوات ملحوظ رکھے اور کسی ایک سے خفیہ بات نہ کرے۔ نہ ہاتھ، سر اور ابرو سے اشارہ کرے، نہ کسی ایک طرف منہ کرکے ہنسے[3]۔

---

[1] ایضاً۔ [2] ایضاً [3] ایضاً اردو ترجمہ ج ۵ ص ۱۲۵

ویجتنب المزاح مطلقا معهما او مع احدهما او مع غیرهما فی مجلس الحکم ولا یکثر فی غیره، لانه یذهب بالمهابة[۱]

ترجمہ:- اور قاضی مجلس عدالت میں مزاح سے مطلقاً پرہیز کرے۔ خواہ یہ مقدمے کے دونوں فریقوں کے ساتھ ہو یا ایک کے ساتھ ہو یا ان کے سوا کسی اور کے ساتھ ہو۔ مجلس عدالت کے علاوہ بھی کسی سے زیادہ مزاح نہ کرے، کیونکہ اس سے اس کی ہیبت اور رعب باقی نہیں رہتے۔

وکذلک لا ینبغی له ان یطلق لوجهه الی احدهما فی شئ من المنطق مالا یفعل بالاخر مثله[۲]

ترجمہ:- اسی طرح قاضی کو کھل کر ایک فریق سے کوئی ایسی بات نہیں کہنی چاہیے، جو دوسرے سے نہیں کہی ہے۔

النہایہ، البدائع، مختصر خواہرزادہ، فتاویٰ تاتارخانیہ، محیط سرخسی اور خزانۃ المفتین وغیرہ کے حوالے سے مزید مرقوم ہے۔

ولا یضیف احد الخصمین، الا ان یکون خصمه معه، ولا یکلم احدهما بلسان لا یعرفه الاخر ولا یخلو باحد الخصمین فی منزله، ولا ینبغی للقاضی ان یفعل ما یؤدی الی التهمة، ویکره ان یلوی عنقه علی احد الخصمین ..... ویکره ان یأذن لاحد الخصمین بان یدخل فی منزله ومن لم تکن له خصومة، فلا بأس بان یأذن له القاضی بالدخول علیه السلام او لحاجة تعرض[۳]

ترجمہ:- فریقین مقدمہ میں سے قاضی، ایک فریق کی مہمان نوازی نہ کرے، البتہ دوسرا فریق بھی ساتھ ہو تو کر سکتا ہے۔ کسی ایک فریق سے ایسی زبان میں بات نہ کرے جسے دوسرا فریق نہ سمجھ پاتا ہو۔ اپنے گھر میں دونوں فریقوں میں سے ایک کے ساتھ

---

[۱] ایضاً [۲] ایضاً

[۳] ایضاً عربی ص ۱۴۸۔ اردو ترجمہ ص ۱۲۵

علیحدگی میں نہ جائے۔ قاضی کسی ایسے فعل کا ارتکاب نہ کرے، جس کی وجہ سے اس کو متہم کیا جاسکتا ہو۔ فریقین میں سے کسی ایک کی طرف گردن نہ موڑے۔..... کسی فریق مقدمہ کو اپنے گھر میں آنے کی اجازت دینا مکروہ ہے۔ البتہ جس کا کوئی جھگڑا اس کی عدالت میں نہیں ہے، محض سلام کرنا یا کسی دوسری ضرورت کا اظہار مقصود ہے تو وہ آسکتا ہے۔

تبیین کے حوالے سے مرتبین فتاوی عالمگیری فرماتے ہیں۔

ولا یقعد احدھما من جانب الیمین والاخر من جانب الیسار لان جانب الیمین افضل، فیکون تقدیما لہ علی صاحبہ، یفعل ذلک بین الکبیر والصغیر حتی یجب علیہ ان یسوی فیہ بین الاب والابن وبین الخلیفۃ والرعیۃ وبین الذمی والشریف[1]۔

ترجمہ:۔ قاضی، فریقین میں سے ایک کو دائیں جانب اور دوسرے کو بائیں جانب نہ بٹھائے۔ اس لیے کہ دائیں جانب کو افضلیت حاصل ہے اور اس کو دوسرے فریق پر مقدم سمجھا جائے گا۔ بڑے چھوٹے کے درمیان اسی قسم کا برتاؤ کرے، یہاں تک کہ باپ اور بیٹے کے درمیان، خلیفہ اور رعیت کے درمیان، ذمی اور شریف کے درمیان، مساوات قائم رکھنا ضروری ہے۔ ساتھ ہی مرقوم ہے۔

وینبغی ان یکون جلوسھما بین یدی القاضی علی قدر ذراعین او نحو ذلک، بحیث یسمع کلامھما من غیر ان یرفع اصواتھما[2]۔

ترجمہ:۔ فریقین کی نشست قاضی کے آگے دو ہاتھ کے فاصلے پر یا اس کے لگ بھگ اس طریق سے ہونی چاہیے کہ وہ ان کی آواز، ان کے اونچی بولے بغیر سن سکے۔

قال محمد فی الاصل لا ینبغی لہ ان یبیع ویشتری فی مجلس القضاء لنفسہ..... ولو باع واشتری لنفسہ فی غیر مجلس القضاء فلا باس بہ ـــ والصحیح انہ لا یفعل لا فی مجلس القضاء ولا فی غیرہ، لان الناس یساھلونہ لاجل القضاء و

---

[1] ایضاً عربی ص ۱۴۸ ۔ اردو ترجمہ ص ۱۲۵

[2] ایضاً ۔

ینبغی ان یولی لذلک غیرہ ممن یثق بہ ولا ینبغی لہ ان یستقرض الا من صدیق او خلیط لہ کان قبل ان یستقضی ...... ویشیع الجنازۃ ویعود المریض ولکن لا یطیل مکثہ فی ذلک المجلس، ولا یمکن احدا من الخصوم یتکلم معہ، فی ذلک المجلس بشئ من الخصومات وفی السغناقی وانما یعود المریض اذا لم یکن المریض من المتخاصمین، اما اذا کان منہم فلا ینبغی ان یعود[1]۔

ترجمہ: قاضی کو اپنے لیے مجلسِ قضا میں خرید و فروخت نہ کرنا چاہیے ... اگر غیر مجلسِ قضا میں اپنے لیے خرید و فروخت کرے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر صحیح یہ ہے کہ نہ وہ مجلسِ قضا میں خرید و فروخت کرے نہ غیر مجلسِ قضا میں۔ کیونکہ اس کی وجہ سے لوگ اس کو قضا کے بارے میں متساہل اور سبک قرار دیں گے۔ اسے چاہیے کہ اس کام کے لیے کسی دوسرے ثقہ آدمی کو مقرر کرے۔ قاضی کو قرض بھی نہیں لینا چاہیے، البتہ اپنے کسی دوست یا ایسے شخص سے لے سکتا ہے، جو منصب قضا قبول کرنے سے پہلے اس کا شریک رہا ہو .... قاضی جنازے کے ساتھ جا سکتا ہے اور مریض کی عیادت کر سکتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس مجلس میں زیادہ دیر نہ ٹھہرے اور مقدمے کے فریقوں میں سے کسی کو اس مجلس میں اپنے ساتھ مقدمے کے بارے میں گفتگو کا موقع نہ دے۔ سغناقی میں ہے کہ وہ صرف اسی مریض کی عیادت کر سکتا ہے، جو مخاصم اور فریقِ مقدمہ نہ ہو۔ اگر مریض مدعی یا مدعی علیہ ہو تو اس کی عیادت نہیں کرنی چاہیے۔

فتاویٰ عالم گیری کی "کتاب ادب القاضی" اس طرح کے بے شمار مسائل کو محیط ہے۔

اس میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ قاضی کو کسی کی دعوت قبول کرنے سے گریز کرنا چاہیے۔ البتہ دعوتِ ولیمہ قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں اگر کوئی ایسا شخص

---

[1] فتاویٰ عالم گیری ج ۳، کتاب ادب القاضی۔ الباب الثامن ص ۱۵۰، اردو ترجمہ ج ۵، ص ۱۳۱

اس کو دعوت پر بلاتا ہے، جو منصب قضا پر فائز ہونے سے پہلے نہیں بلاتا تھا، تو اس کی دعوت قبول نہیں کرنی چاہیے۔ یا کوئی شخص اس کو قاضی مقرر ہونے سے پہلے مہینے میں ایک بار بلاتا تھا۔ قاضی مقرر ہونے کے بعد مہینے میں دو بار یا ہفتے میں ایک بار بلاتا ہے تو اس کی دعوت بھی قبول نہیں کرنی چاہیے۔ یا ایسا شخص دعوت طعام دیتا ہے، جس کا مقدمہ اس کی عدالت میں زیر سماعت ہے، اس کی دعوت پر بھی نہیں جانا چاہیے۔ اسی طرح کسی کا تحفہ قبول کرنے میں بھی قاضی کو گریز کرنا چاہیے۔ یہ سب چیزیں رشوت کے حکم میں آتی ہیں اور رشوت متعدد اقسام میں منقسم ہے۔ لہذا قاضی کو اس سے محفوظ رہنا نہایت ضروری ہے[۱]

---

[۱] تفصیلات کے لیے دیکھیے فتاویٰ عالم گیری (عربی) ج ۳ ص ۱۵۱۔ کتاب ادب القاضی (اردو ترجمہ) ج ۵ ص ۱۳۳، ۱۳۴

Marfat.com

تعارف کتبِ فقہ

جن کتبِ فقہ کی مدد سے مختلف مصنفینِ فتاویٰ نے اپنے فتاوے مرتب کیے اور جا بجا ان کے حوالے دیے ہیں، ان کی تعداد دو سو سے زائد ہے۔ سطورِ ذیل میں اس عظیم ذخیرۂ فقہ میں سے اختصار کے ساتھ ان کتابوں کا تعارف کرایا جا رہا ہے، جن کا ذکر بار بار آتا ہے اور جو اپنی جگہ خاص اہمیت کی حامل ہیں۔

١۔ الاجناس:۔ اس کتاب کا پورا نام "الاجناس فی الفروع" ہے۔ مشہور فقیہ احمد بن محمد بن عمر ابو العباس ناطفی (متوفی ٤٤٦ھ) کی تالیف ہے۔ یہ معروف علمائے عراقیین اور کبار فقہائے حنفیہ میں سے تھے۔[١]

٢۔ ادب القاضی:۔ اس نام کی متعدد فقہائے کرام نے متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ یہاں ابو بکر احمد بن عمرو بن خصاف (متوفی ٢٦١ھ) کی تصنیف مراد ہے۔ کیونکہ اس موضوع سے متعلق اس کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور یہ ایک بہترین کتاب مانی گئی۔ مصنف نے اس کو ایک سو بیس ابواب میں ترتیب دیا ہے۔ یہ کتاب "ادب القاضی علی مذہب ابی حنیفہ" ہے۔ ایک اور کتاب "ادب القاضی علی مذہب الشافعی" بھی ہے۔[٢]

٣۔ الایضاح:۔ یہ التجرید کی شرح ہے اور فقیہِ خراسان ابو الفضل عبد الرحمن بن محمد کرمانی حنفی (متوفی ٥٤٣ھ) کی تصنیف ہے۔ کتاب کا پورا نام "الایضاح

---

[١] الفوائد البہیہ ص ٣٦ (مطبوعہ مصر) الجواہر المضیہ جلد اول ص ١١٣ (مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن) کشف الظنون ج اول کالم ١١

[٢] تفصیلات کے لیے ملاحظہ ہو کشف الظنون ج ١ کالم ٤٦، ٤٧۔ نیز دیکھیے الجواہر المضیہ جلد اول ص ٨٧، ٨٨

Marfat.com

فی الفروع" ہے۔ اس نام کی دو کتابیں ہیں۔ ایک یہ جس کا تعارف کرایا جا رہا ہے۔ دوسری ابو علی حسن بن قاسم طبری شافعی (متوفی ۳۰۵ھ) اور ابو القاسم عبد الواحد بن حسین صیمری شافعی کی (جو ۳۸۶ھ کے بعد فوت ہوئے) ہیں ان دونوں کی مشترکہ تصنیف ہے۔[1]

۴۔ الاسرار فی الاصول والفروع :۔ علامہ ابو زید عبید اللہ بن عمرو بوسی حنفی (متوفی ۴۳۰ھ) کی تصنیف ہے۔[2]

۵۔ تبیین الحقائق :۔ کنز الدقائق کی شرح ہے اور علامہ عثمان بن علی بن محجن ابو محمد فخر الدین زیلعی الصوفی کی تصنیف ہے۔ علامہ ممدوح ۷۰۵ھ میں قاہرہ گئے اور وہاں کی مسندِ تدریس وافتا پر فائز کیے گئے۔ فقہ، نحو اور فرائض کے بہت بڑے عالم تھے۔ رمضان المبارک ۷۴۳ھ میں فوت ہوئے۔[3]

۶۔ التجرید :۔ اس نام کی کئی کتابیں ہیں، جن میں سے ایک رکن الدین عبدالرحمن بن محمد المعروف بہ ابن امیرویہ کرمانی حنفی (متوفی ۵۴۳ھ) کی تصنیف ہے۔ اس کتاب کا پورا نام "التجرید الرکنی فی الفروع" ہے۔ یہاں یہی کتاب مراد ہے۔ مصنف نے خود ہی "الایضاح" کے نام سے اس کی شرح لکھی۔ شمس الائمہ تاج الدین عبد الغفار بن لقمان کردری حنفی (متوفی ۵۶۲ھ) نے بھی "المفید والمزید" کے نام سے اس کی شرح سپردِ قلم کی۔ تجرید نام کی ایک کتاب تجرید القدوری ہے، جو امام ابو الحسین احمد بن محمد (متوفی ۴۲۸ھ) کی تالیف ہے۔[4]

۷۔ تجنیس الملتقط :۔ یہ کتاب صاحبِ ہدایہ کے تلمیذ شیخ جلال الدین محمود بن شیخ مجد الدین الحسین کی تصنیف ہے۔

۸۔ التحریر :۔ یہ کتاب اصولِ فقہ سے متعلق ہے اور اس کا پورا نام "التحریر

---

[1] الجواہر المضیہ جلد اول ص ۳۰۴۔ الفوائد البہیہ ص ۱۹۔ کشف الظنون جلد اول کالم ۲۱۔

[2] کشف الظنون جلد اول کالم ۸۴

[3] الفوائد البہیہ ص ۱۱۵۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے کشف الظنون جلد ثانی کالم ۱۵۱۱

[4] کشف الظنون جلد اول کالم ۳۴۵ / ۳۴۶

فی اصول الفقہ" ہے۔ علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد الشہیر بہ ابن الہمام (متوفی ۸۶۱ھ) کی تصنیف ہے۔ التحریر فی الفروع نام کی ایک کتاب ابو العباس احمد بن محمد جرجانی شافعی (متوفی ۴۸۲ھ) کی تصنیف ہے۔ جو بڑی ضخیم کتاب ہے۔[۵۱]

۹۔ تحفۃ الفقہاء:۔ شیخ علاء الدین محمد بن احمد حنفی سمرقندی کی تصنیف ہے۔ اس میں مختصر القدوری پر کچھ اضافات ہیں۔[۵۲]

۱۰۔ ترغیب الصلوٰۃ:۔ یہ کتاب فارسی زبان میں ہے اور شیخ محمد بن احمد الزاہد کی تصنیف ہے۔ مصنف نے اس کو تقریباً ایک سو کتاب کی مدد سے تین اقسام پر مرتب کیا ہے۔ قسم اول فرضیتِ نماز سے، قسم دوم طہارت سے اور قسم سوم نواقضِ وضو سے متعلق ہے۔[۵۳]

۱۱۔ التہذیب:۔ اس نام سے مسائل فقہ سے متعلق دو کتابیں ہیں اور دونوں شافعی المسلک فقہا کی تصنیف کردہ ہیں۔ فقہ حنفی کے بارے میں ایک کتاب "تہذیب لذہن اللبیب فی الفروع" ہے۔ اس کا ذکر حاجی خلیفہ نے بھی کشف الظنون میں کیا ہے۔ یہ کتاب "ذخیرۃ الفقہا" کے نام سے بھی موسوم ہے۔ اس سلسلے کی ایک کتاب کا نام "خیرات الفتاوی" ہے جو علی بن محمد بن احمد بن عبداللہ بن نصیر الدین ابن ملکان البرتوانی حنفی کی تصنیف ہے۔[۵۴]

۱۲۔ الجامع الصغیر فی الفروع:۔ امام محمد بن حسن بن فرقد شیبانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۸۹ھ) کی تصنیف ہے، جو حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔[۵۵]

۱۳۔ الجامع الکبیر فی الفروع:۔ یہ بھی امام محمدؒ کی تصنیف ہے۔[۵۶]

---

[۵۱] کشف الظنون جلد اول کالم ۳۵۸ [۵۲] ایضاً کالم ۳۷۱

[۵۳] ایضاً کالم ۳۹۹

[۵۴] الفوائد البہیہ ص ۲۳۰

[۵۵] تفصیلات کے لیے کشف الظنون جلد اول کالم ۵۶۱ دیکھیے۔

[۵۶] ایضاً کالم ۵۶۷

۱۴۔ الجامع الاصغر :۔ تالیف شیخ محمد بن ولید ابو علی سمرقندی حنفی[1]

۱۵۔ جامع الفتاویٰ :۔ اس نام کی دو کتابیں ہیں۔ ایک ناصر الدین ابوالقاسم محمد بن یوسف سمرقندی (متوفی ۵۵۶ھ) کی تصنیف ہے اور دوسری شیخ قرق امرہ الحمیدی الحنفی (متوفی ۸۸۰ھ) کی[2]

۱۶۔ جامع الجوامع :۔ اس نام کی ایک سے زائد کتابیں ہیں[3]

۱۷۔ جواہر الفتاویٰ :۔ تالیف شیخ رکن الدین ابو بکر محمد بن ابوالمفاخر بن عبدالرشید کرمانی حنفی[4]

۱۸۔ الحاوی القدسی فی الفروع :۔ قاضی جمال الدین احمد بن محمد بن نوح قابسی غزنوی حنفی کی تصنیف ہے۔ انھوں نے ۶۰۰ھ اور ۵۹۳ھ کے لگ بھگ وفات پائی[5]

۱۹۔ خزانۃ الفقہ :۔ امام ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی (متوفی ۳۸۳ھ) کی تصنیف ہے۔ علامہ قاسم بن قتلو بغا حنفی مصری امام ابواللیث کو "امام الہدیٰ" قرار دیتے ہیں۔ ان کی ایک تفسیر بھی ہے۔ کتاب النوازل تنبیہ الغافلین اور بستان العارفین بھی ان کی تصانیف ہیں[6]

۲۰۔ خلاصۃ الفتاویٰ :۔ افتخار الدین طاہر بن احمد بن عبدالرشید بخاری (متوفی ۵۴۲ھ) کی تالیف ہے۔ مصنف رحمہ اللہ ماوراء النہر کے شیخ الحنفیہ اور مجتہد فی المسائل تھے[7]

---

[1] الجواہر المضیہ جلد ۲، ص ۱۴۱۔ الفوائد البہیہ ص ۲۰۴۔ کشف الظنون ج ۱۔ کالم ۵۳۵

[2] کشف الظنون ج ۱۔ کالم ۵۶۵

[3] ایضاً کالم ۵۳۹ [4] ایضاً کالم ۶۱۵

[5] کشف الظنون ج ۱۔ کالم ۶۲۷۔

[6] الفوائد البہیہ ص ۶۵ کشف الظنون ج ۱۔ کالم ۷۰۳

[7] الجواہر المضیہ ج ۱۔ ص ۲۶۵۔ الفوائد البہیہ ص ۸۴ کشف الظنون ج ۱۔ کالم ۷۱۸

Marfat.com

۲۱۔ خزانۃ المفتین :- فروع حنفیہ میں ہے اور شیخ حسین بن محمد سمیقانی یا سمنقانی حنفی کی تصنیف ہے۔ مصنف رحمہ اللہ نے یہ کتاب ماہ محرم ۷۴۰ھ میں مکمل کی[1]

۲۲۔ زاد الفقہاء :- یہ قدوری کی شرح ہے اور شیخ الاسلام ابو المعالی بہاء الدین محمد بن احمد اسبیجابی کی تصنیف ہے، جو شیخ جمال الدین عبید اللہ محبوبی بخاری کے شاگرد ہیں۔ یہ فقہ کی اہم کتابوں میں سے ہے[2]۔

۲۳۔ الذخیرۃ الفتاویٰ :- یہ کتاب "الذخیرہ" اور "ذخیرہ برہانیہ" کے نام سے بھی موسوم ہے اور امام برہان الدین محمود بن احمد بخاری (متوفی ۶۱۶ھ) کی تالیف ہے۔ جو دراصل انہی کی ایک مشہور کتاب "المحیط البرہانی" کا اختصار ہے۔ یہ دونوں کتابیں علماء و فقہا میں مقبول و متداول ہیں[3]۔

۲۴۔ الزیادات :- یہ کتاب حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد امام محمد بن حسن شیبانی رح (متوفی ۱۸۹ھ) کی تالیف ہے[4]۔ اور مصر میں زیر طبع ہے[5]۔

۲۵۔ الزاہدی :- قدوری کی شرح ہے اور "المجتبیٰ فی اصول الفقہ" کے نام سے معروف ہے۔ امام نجم الدین مختار بن محمود زاہدی حنفی (متوفی ۶۵۸ھ) کی تصنیف ہے[6]۔

۲۶۔ روضۃ العلماء :- تالیف شیخ ابو علی حسین بن یحییٰ بخاری زندویسی حنفی[7]۔

۲۷۔ شرح جامع الصغیر :- اس نام کی ایک کتاب قاضی خاں (متوفی ۵۹۲ھ)

---

[1] کشف الظنون ج ۱ کالم ۷۰۳

[2] الجواہر المضیہ ج ۲۔ ص ۲۷۔ کشف الظنون ج ۲ کالم ۹۴۵ بھی دیکھیے۔

[3] کشف الظنون جلد اول کالم ۸۲۳

[4] الفہرست ابن ندیم مطبوعہ بیروت ص ۲۰۴

[5] ماہنامہ معارف (اعظم گڑھ) بابت ماہ جون ۱۹۶۹ء

[6] کشف الظنون جلد ثانی کالم ۱۵۹۲

[7] کشف الظنون جلد اول کالم ۹۲۸

کی تصنیف ہے[۵۱] اور ایک امام طحاوی (متوفی ۳۲۲ھ) کی[۵۲]

۲۸۔ شرعۃ الاسلام: شیخ الواعظ محمد بن ابوبکر المعروف بہ امام زادہ حنفی (متوفی ۵۷۳ھ) کی تالیف ہے۔ یہ کتاب اکسٹھ فصول پر مشتمل ہے اس کی متعدد شروح بھی مختلف علمائے لکھی ہیں[۵۳]

۲۹۔ الصغناقیہ (یا سغناقیہ) یہ نہایہ شرح ہدایہ ہے مصنف کا نام حسام الدین حسین بن علی صغناقی (یا سغناقی) ہے۔ صغناق یا سغناق ترکستان کا ایک شہر ہے ہدایہ کی یہ شرح ربیع الاول ۷۰۰ھ میں مکمل ہوئی۔ یہ پہلی شرح ہدایہ ہے جو نہایت مفصل اور بے شمار مسائل کو محیط ہے اس کے مصنف کی وفات ۷۱۰ھ میں ہوئی۔ صغناقیہ کے مصنف صاحب ہدایہ شیخ برہان الدین علی بن ابوبکر مرغینانی کے شاگرد تھے[۵۴]

۳۰۔ الصیرفیہ (یا فتاوی آہو): شیخ مجد الدین اسعد بن یوسف بن علی بخاری الصیرفی المعروف بہ آہو کی تصنیف ہے[۵۵]

۳۱۔ عیون المسائل: اس نام کی کئی کتابیں ہیں مگر یہاں امام ابواللیث نصر بن محمد سمرقندی (متوفی ۳۷۶ھ) کی تصنیف مراد ہے۔ شیخ علاء الدین محمد بن عبدالحمید اسمندی سمرقندی المعروف بہ علاء العالم (متوفی ۵۵۲ھ) نے "حصر المسائل و قصر الدلائل" کے نام سے اس کی شرح لکھی[۵۶]

۳۲۔ فتاوی ابی اللیث: نصر بن محمد سمرقندی (متوفی ۳۸۳ھ) کی تصنیف ہے[۵۷]

---

[۵۱] حدیقۃ الحنفیہ از مولوی فقیر محمد جہلمی (مطبوعہ نول کشور لکھنؤ) ص ۲۳۱

[۵۲] الفہرست ابن ندیم طبع بیروت ص ۲۰۷

[۵۳] کشف الظنون ج ۲ کالم ۱۰۴۴

[۵۴] الفوائد البہیہ ص ۶۲ نیز ملاحظہ ہو کشف الظنون ج ۲ کالم ۲۰۳۲

[۵۵] کشف الظنون ج ۲ کالم ۱۲۲۵

[۵۶] ایضاً کالم ۱۱۸۷ [۵۷] ایضاً کالم ۱۲۲۰

Marfat.com

۳۳۔ فتاویٰ اسبیجابی :۔ تصنیف ابو نصر احمد بن منصور حنفی۔ ۴۸۰ھ کے بعد فوت ہوئے[1]

۳۴۔ فتاویٰ تاتارخانیہ :۔ مشہور فقیہ شیخ عالم بن علا اندرپتی (متوفی ۷۸۶ھ) کی تصنیف ہے۔ اس سے متعلق مضمون کتاب میں ملاحظہ کیجیے۔

۳۵۔ فتاویٰ حمادیہ :۔ تصنیف قاضی حماد الدین احمد بن قاضی محمد اکرم۔ یہ فتاویٰ ان کے تلمیذ مفتی ابو الفتح رکن الدین بن حسام الدین ناگوری نے جمع کیا! اس سے متعلق مفصل مضمون کتاب میں ملاحظہ فرمائیے۔

۳۶۔ فتاویٰ الصوفیہ :۔ پورا نام الفتاویٰ الصوفیہ فی طریق البہائیہ ہے۔ شیخ فضل اللہ بن محمد بن ایوب (متوفی ۶۶۶ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ نام شیخ بہاء الدین ابو محمد زکریا ملتانی رحمہ اللہ کی وجہ سے رکھا گیا۔ بقول مولیٰ برکلی، یہ فتاویٰ کتب غیر معتبرہ میں سے ہے[2]

۳۷۔ فتاویٰ السغدی :۔ امام و فقیہ ابو الحسن عطا بن حمزہ سغدی سمرقندی کی تصنیف ہے[3]

۳۸۔ فتاویٰ خواہرزادہ :۔ تصنیف امام ابو بکر محمد بن حسین بن محمد بخاری۔ متوفی ۴۸۳ھ[4]

۳۹۔ فتاویٰ ابی بکر :۔ از علامہ محمد بن فضل بن عباس حنفی بلخی متوفی ۳۱۹ھ[5]

۴۰۔ فتاویٰ التمرتاشی :۔ از شیخ ابو محمد ظہیر الدین احمد بن ابو ثابت اسماعیل بن محمد ایدغمش حنفی مفتی خوارزم۔ متوفی ۶۰۰ھ[6]

۴۱۔ فتاویٰ شمس الائمہ ۔۔ عبد العزیز بن احمد بن نصر حلوانی حنفی متوفی ۴۴۹ھ[7]

---

[1] کشف الظنون ج ۲۔ کالم ۱۲۲۰

[2] تفصیلات کے لیے دیکھیے کشف الظنون ج ۲ کالم ۱۲۲۵ [3] ایضاً۔

[4] ایضاً کالم ۱۲۲۳ [5] ایضاً کالم ۱۲۱۹ [6] ایضاً کالم ۱۲۲۱

[7] ایضاً ۱۲۲۴

Marfat.com

۴۲۔ فتاویٰ الغیاثیہ:۔ تالیف شیخ داؤد بن یوسف خطیب ۔ یہ سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد کی تصنیف ہے اور اسی کی طرف منسوب ۔ اس سے متعلق مفصل مضمون کتاب میں پڑھیے ۔

۴۳۔ الفتاویٰ العتابیہ:۔ اس کا نام جامع الفقہ یا جوامع الفقہ بھی ہے۔ ابو نصر احمد بن محمد بن عمر زاہدی عتابی بخاری (متوفی ۵۸۶ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ عابد و زاہد اور متبحر عالم تھے ۔ شرح الزیادات بھی انہی کی تصنیف ہے[1]۔

۴۴۔ الفتاویٰ النسفیہ:۔ اس کے مؤلف علامہ نجم الدین عمر بن محمد نسفی المشہور بعلامہ سمرقندی (۵۳۷ھ) ہیں۔ یہ کتاب ان فتاویٰ کو محیط ہے جو انھوں نے اپنے معاصرین کے سوالات کے جواب میں تحریر کیے۔ علامہ ممدوح اپنے دور کے بہت بڑے مفسر، محدث، فقیہ، اصولی، متکلم، حافظ الحدیث اور نحوی تھے۔ فقہ انھوں نے صدر الاسلام ابوالیسر محمد بزدوی سے پڑھی۔ تفسیر و فقہ کے موضوع سے متعلق ان کی بہت سی تصنیفات ہیں۔ تفسیر کے باب میں "التیسیر فی التفسیر" ان کی بلند پایہ تصنیف ہے۔ فقہ کے بارے میں ان کی مشہور تصنیف کتاب المنظومہ ہے۔ اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ فقہ کی پہلی کتاب ہے جو بصورت نظم ضبط تحریر میں لائی گئی[2]۔

۴۵۔ الفتاویٰ السراجیہ:۔ شیخ الاسلام سراج الدین اوشی کی تالیف ہے، جو چھٹی صدی ہجری کے مشاہیر میں سے تھے۔ یہ کتاب بعض ایسے فقہی نوادر پر مشتمل ہے جو عام طور پر دیگر کتب فقہ میں نہیں ملتے۔ منیہ کا ماخذ یہی کتاب ہے۔ بقول مولیٰ ابن چوی کے مصنف رحمہ اللہ، سوموار کے دن ماہ محرم ۵۶۹ھ میں اس کی تصنیف سے فارغ ہوئے[3]۔

۴۶۔ الفتاویٰ الظہیریہ:۔ شیخ محمد بن احمد بن عمر ظہیر الدین بخاری (متوفی ۶۱۹ھ)

---

[1] الفوائد البہیہ ص ۳۶۔ نیز دیکھیے کشف الظنون جلد اول کالم ۵۶۷، ج ۲ کالم ۱۲۲۶

[2] کشف الظنون ج ۲ کالم ۱۲۲۳۔ الفوائد البہیہ ص ۱۴۹، ۱۵۰

[3] کشف الظنون ج ۲ کالم ۱۲۲۴

Marfat.com

کی تالیف ہے۔ یہ بخارا میں محتسب تھے اور جلیل القدر عالم دین۔ اپنے والد احمد بن عمر سے علم حاصل کیا اور درجۂ اجتہاد پر فائز ہوئے۔ ان کے ایک استاذ شیخ ظہیر الدین ابو المحاسن حسن بن علی مرغینانی ہیں، جو اپنے اس شاگرد کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور دیگر طلبا پر ترجیح دیتے تھے۔ ان کی ایک تصنیف "الفوائد الظہیریہ" ہے۔ ان کتابوں کا انتساب ان کے دادا ظہیر الدین کبیر علی بن عبدالعزیز مرغینانی کی طرف بھی ہو سکتا ہے اور ان کے استاذ شیخ ظہیر الدین ابو المحاسن حسن بن علی مرغینانی کی طرف بھی۔ اس کتاب کے بارے میں مولانا عبدالحی لکھنوی ؒ کا کہنا ہے کہ میں نے اس کتاب کا مطالعہ کیا ہے اور اسے قابل اعتماد اور بہت سے فوائد علمیہ پر مشتمل پایا ہے[1]۔

۷۴۔ فتاویٰ قاری الہدایہ :۔ تصنیف سراج الدین عمر بن اسحاق غزنوی ہندی حنفی متوفی ۷۷۳ھ[2]

۷۸۔ فتاویٰ قاضی خاں :۔ اسے فتاویٰ خانیہ بھی کہتے ہیں۔ یہ امام فخر الدین حسن بن منصور اوزجندی الفرغانی الشہیر بقاضی خاں (متوفی ۵۹۲ھ) کی تالیف ہے، جو ایک مشہور و مقبول کتاب ہے۔ علمائے فقہ کے بیشتر فتاویٰ کا مرجع یہی ہے۔ یہ ان تمام مسائل کا مجموعہ ہے، جن کی اکثر ضرورت پیش آتی ہے۔ اس میں ہر فقہی مسئلے کا ماخذ دیا گیا ہے اور جس مسئلے کے بارے میں فقہائے متاخرین کے اقوال زیادہ ہیں اس میں ایک یا دو قول ذکر کر کے زیادہ واضح قول کو ترجیح دی گئی ہے[3]۔

مولانا عبدالحی فرنگی محلی ؒ لکھتے ہیں، اس کے مصنف ؒ رفیع المرتبت اور دقیقہ رس عالم اور مجتہد تھے۔ قاسم بن قتلوبغا تصحیح القدوری میں کہتے ہیں، قاضی خاں جس بات کی تصحیح کر دیں، اسے دوسروں کی تصحیح پر مقدم سمجھا جانے گا[4]۔

---

[1] الفوائد البہیہ ص ۱۵۶، ۱۵۷۔ نیز دیکھیے کشف الظنون ج ۲ کالم ۱۲۲۶

[2] کشف الظنون ج ۲ کالم ۱۲۲۷

[3] ایضاً [4] الفوائد البہیہ ص ۶۵

۴۹۔ الفتاوی الکبریٰ :۔ امام شہید حسام الدین عمر بن عبد العزیز (متوفی ۵۳۶ھ) کی تالیف ہے۔ اس کی تصنیف کے بارے میں اس کے مؤلف فرماتے ہیں، جب مجھ سے لوگوں نے مختلف مسائل کے بارے میں فتوے پوچھے تو میں نے ایک ایسی کتاب معرض کتابت میں لانے کا فیصلہ کیا، جس میں فقیہ ابو اللیث کی النوازل، ابو العباس ناطفی کی واقعات یا فتاویٰ امام ابو بکر محمد بن الفضل اور فتاویٰ اہل سمرقند کو جمع کیا جائے۔ میں نے اس کا آغاز مسائل النوازل سے کیا اور اس کے لیے کچھ علامات مقرر کیں۔ مثلاً النوازل کے لیے "ن" العیون کے لیے "ع" واقعات کے لیے "و" مسائل ابو بکر محمد بن الفضل کے لیے "ب" اور فتاویٰ اہل سمرقند کے لیے "س"۔

محمد بن محمد بن عمر جو بخارا میں نائب قاضی تھے، لکھتے ہیں کہ میں نے ان پانچوں کی املا کرائی اور اس میں وہ علامات درج کیں، جن کی طرف امام حسام الدین نے عنان توجہ مبذول نہیں کی تھی۔

یوسف بن احمد الخاصی نے فتاویٰ الصغریٰ کے انداز سے اس کی تبویب کی۔ الفتاویٰ الکبریٰ کو تجنیس و اقعات حسام الدین سے بھی موسوم کیا جاتا ہے، جس کی تبویب امام نجم الدین یوسف بن احمد بن ابو بکر الخاصی نے کی۔

قاضی فطیس کی ایک کتاب کا نام بھی الفتاویٰ الکبریٰ ہے، جس کی تلخیص ابو المجاہد محمود بن احمد بن مسعود قونوی نے کی اور اس میں فتاویٰ ظہیریہ وغیرہ کی مدد سے متعدد ضروری فروع کا اضافہ کیا۔ یہ کتاب اپنے موضوع میں بہت عمدہ ہے۔ اس کا ذکر ابن شحنہ نے جواہر کے حاشیہ میں کیا ہے۔[۵۱]

۵۰۔ فتاویٰ الولوالجی :۔ ظہیر الدین ابو المکارم اسحاق بن ابو بکر حنفی (متوفی ۷۱۰ھ) کی تصنیف ہے۔[۵۲]

۵۱۔ فتح القدیر :۔ یہ ہدایہ کی شرح ہے جو کتاب الوکالہ تک ہے اور

---

۵۱ کشف الظنون ج ۲ کالم ۱۲۲۸، ۱۲۲۹

۵۲ ایضاً کالم ۱۲۳۰

Marfat.com

دو جلدوں میں ہے۔ پورا نام فتح القدیر للعاجز الفقیر ہے۔ مصنف کمال الدین محمد بن عبدالواحد السیواسی المشہور بابن الہمام (متوفی ۸۶۱ھ) ہیں۔[1]

۵۲۔ الفصول العمادی:۔ یہ کتاب چالیس فصول میں مرتب کی گئی ہے، جو فقط معاملات سے متعلق ہیں۔ اس کے مصنف کے بارے میں بعض حضرات کا کہنا ہے کہ ان کا نام شیخ جمال الدین بن عماد الدین بن ابوبکر بن عبدالجلیل مرغینانی سمرقندی ہے۔ مولی محمد بن الیاس مفتی چوی زادہ کہتے ہیں ان کا نام ابوالفتح بن ابوبکر بن عبدالجلیل مرغینانی سمرقندی ہے۔ اس کتاب کی تصنیف سے وہ اواخر شعبان ۶۵۱ھ میں فارغ ہوئے۔[2]

۵۳۔ فرائض الزاہدی:۔ ابوالرجاء مختار بن محمود الحنفی (متوفی ۶۵۸ھ) کی تصنیف ہے۔[3]

۵۴۔ فصول الاسروشنی:۔ یہ کتاب صرف معاملات سے بحث کرتی ہے اور شیخ مجدالدین ابوالفتح محمد بن محمود بن حسین حنفی (متوفی ۶۳۲ھ) کی تصنیف ہے۔ کتاب تیس فصول پر مشتمل ہے، جو مصنف نے جمادی الاولی ۶۲۵ھ کو مکمل کی۔ اس کی تکمیل پر بتیس سال سات مہینے صرف ہوئے۔[4]

۵۵۔ قنیۃ المنیہ:۔ شیخ ابوالرجاء نجم الدین مختار بن محمود الزاہدی الحنفی الغزمینی (متوفی ۶۵۸ھ) کی تالیف ہے۔ مصنف خلافیات و مناظرات سے بہت دلچسپی رکھتے تھے۔ بعض علماء نے ان کی روایت کو غیر معتبر اور ضعیف قرار دیا اور ان کو معتزلی کہا ہے۔[5]

۵۶۔ کفایہ شرح ہدایہ:۔ سید جلال الدین بن شمس الدین خوارزمی کی تالیف ہے۔ جو مطبوع و متداول کتاب ہے۔

---

[1] تفصیلات کے لیے دیکھیے کشف الظنون ج ۲ کالم ۲۰۳۴

[2] ایضاً کالم ۱۲۷۰ [3] ایضاً کالم ۱۲۴۷ [4] ایضاً کالم ۱۲۶۶

[5] الفوائد البہیہ ص ۲۱۳۔ نیز دیکھیے کشف الظنون ج ۲ کالم ۱۳۵۷

۵۷۔ الکافی :۔ اس نام کی فقہیات سے متعلق کئی کتابیں ہیں، جو مسلک مالکیہ، مسلکِ حنفیہ، مسلک شافعیہ اور مسلک حنبلیہ پر مشتمل ہیں۔ لیکن یہاں الکافی فی فروع الحنفیہ مراد ہے۔ یہ کتاب حاکم شہید محمد بن محمد (متوفی ۳۳۴ھ) کی تصنیف ہے۔ مصنف رحمہ اللہ نے اس میں امام محمدؒ کی کتابوں کے اہم اجزائے فقہی نہایت سلیقے سے جمع کر دیے ہیں، لہٰذا یہ کتاب اپنے مندرجات کے اعتبار سے بڑی قابلِ اعتماد ہے۔ مصنف، بخارا کے قاضی تھے۔ بعد کو امیر خراسان نے ان کو منصب وزارت پر فائز کر دیا۔ یہ ربیع الثانی ۳۳۴ھ میں شہید کر دیے گئے[1]

۵۸۔ الکبریٰ :۔ اس کا ایک نام الفتاویٰ الخاصی ہے۔ قاضی نجم الدین یوسف بن احمد خوارزمی المعروف بہ خطیبس (متوفی ۶۳۴ھ) کی تصنیف ہے[2]

۵۹۔ کنز الدقائق :۔ شیخ عبداللہ بن محمود حافظ الدین النسفی ابوالبرکات (متوفی ۷۱۰ھ) کی تالیف ہے۔ یہ مشہور کتاب ہے اور فقہائے کرام نے اس کی متعدد شروح لکھی ہیں[3]

۶۰۔ کشف الاسرار فی اصول البزدوی :۔ تالیف شیخ علاء الدین عبدالعزیز بن احمد بخاری (متوفی ۷۳۰ھ)

۶۱۔ المبسوط :۔ تصنیف امام محمد بن حسن شیبانی (متوفی ۱۸۹ھ)

۶۲۔ المبسوط سرخسی :۔ شمس الائمہ محمد بن احمد بن ابی سہل سرخسی (متوفی ۴۸۳ھ) کی تالیف ہے۔ اس کتاب کی پندرہ جلدیں ہیں۔ اس کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف رحمہ اللہ نے یہ کتاب اوزجند کے قید خانے میں کسی کتاب کی مدد کے بغیر تصنیف کی۔ یہ کتاب دراصل حاکم شہید محمد بن محمد (متوفی ۳۳۴ھ) کی الکافی کی شرح ہے۔ اس میں فقہ حنفیہ کے جزئیات کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے[4]

---

[1] الفوائد البہیہ ص ۱۸۵، ۱۸۶۔ کشف الظنون جلد ۲۔ کالم ۱۳۷۸

[2] کشف الظنون ج ۲ کالم ۱۲۲۲۔ الجواہر المضیہ جلد ثانی ص ۲۲۳، الفوائد البہیہ ص ۲۲۶

[3] تفصیلات کے دیکھیے کشف الظنون ج ۲ کالم ۱۵۱۵، ۱۵۱۶۔ [4] ایضاً کالم ۱۵۸۰

Marfat.com

۶۳۔ المختار فی فروع الحنفیہ :۔ ابوالفضل مجدالدین عبداللہ بن محمود بن مودود موصلی (متوفی ۶۸۳ھ) کی تالیف ہے[۵۱]

۶۴۔ مجموع النوازل والحوادث والواقعات :۔ شیخ احمد بن موسیٰ بن عیلی الکشی کی تالیف ہے، جو ۵۵۰ھ کے لگ بھگ فوت ہوئے[۵۲]

۶۵۔ المزید :۔ اس کا نام المزید فی فروع الحنفیہ ہے۔ شیخ برہان الدین علی بن ابوبکر مرغینانی صاحب ہدایہ (متوفی ۵۹۳ھ) کی تصنیف ہے[۵۳]

۶۶۔ معدن الکنز :۔ حاجی خلیفہ نے اس کے مصنف کا نام نہیں لکھا اور کتاب کا ذکر دو جگہ پر کیا ہے۔ ایک کنزالدقائق کے تحت، اس کی شرح کی حیثیت سے۔ دوسرے الگ اس کا نام لکھ کر[۵۴]

۶۷۔ مختصر الطحاوی :۔ علامہ ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن عبدالملک ازدی طحاوی (متوفی ۳۲۱ھ) کی تالیف ہے، جو مشہور فقیہ و محدث اور بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ مصر کے ایک گاؤں طحا، کے رہنے والے تھے۔ پہلے شافعی المسلک تھے بعد کو مسلک حنفیت اختیار کر لیا اور فقہ حنفیہ کے سلسلے میں متعدد کتابیں تصنیف کیں، جن میں معانی الآثار، مشکل الآثار، احکام القرآن، شرح جامع الکبیر، شرح جامع الصغیر اور مختصر الطحاوی لائق تذکرہ ہیں[۵۵]

۶۸۔ المضمرات :۔ اس کو جامع المضمرات والمشکلات کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ قدوری کی شرح ہے اور شیخ یوسف بن عمر بن یوسف الصوفی کی تصنیف ہے[۵۶]

۶۹۔ منیۃ المصلی :۔ پورا نام منیۃ المصلی وغنیۃ المبتدی ہے شیخ سدیدالدین

---

[۵۱] کشف الظنون ج ۲ کالم ۱۶۲۲ [۵۲] ایضاً کالم ۱۶۰۶

[۵۳] ایضاً کالم ۱۶۶۰ [۵۴] ایضاً کالم ۱۵۱۶ نیز کالم ۱۷۳۸

[۵۵] الفہرست ابن ندیم ص ۲۰۷ مطبوعہ بیروت۔

[۵۶] الفوائد البہیہ ص ۲۳۰۔ کشف الظنون جلد اول کالم ۵۷۴ و ج ۲ کالم ۱۶۳۱

محمد بن محمد کاشغری (متوفی ۷۰۵ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ مشہور کتاب ہے اور مدارس عربیہ میں متداول اور داخلِ نصاب ہے [1]

۷۰۔ بنیۃ المفتی :۔ شیخ یوسف بن ابو سعید احمد سجستانی کی تالیف ہے اور فروع حنفیہ کو محتوی ہے [2]

۷۱۔ نصاب الاحتساب :۔ شیخ عمر بن محمد بن عوض الشامی کی تصنیف ہے [3]

۷۲۔ نصاب الفقہ :۔ شیخ طاہر بن احمد بخاری (متوفی ۵۴۲ھ) کی تالیف ہے۔ ان کی ایک اور تصنیف خلاصۃ الفتاویٰ اسی کی تلخیص ہے، جو انھوں نے خود ہی کی ہے [4]

۷۳۔ نوادر الفتاویٰ :۔ شیخ ابو سلیمان موسیٰ بن سلیمان جوزجانی بغدادی حنفی (متوفی ۲۰۰ھ) کی تصنیف ہے [5]

۷۴۔ النوازل فی الفروع :۔ امام ابو اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم حنفی سمرقندی (متوفی ۳۷۶ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ فروع حنفیہ کی مشہور کتاب ہے اور معروف فقہائے حنفیہ مثلاً شیخ محمد بن شجاع ثلجی، محمد بن مقاتل رازی، محمد بن سلمہ، نصیر بن یحییٰ، محمد بن سلام، ابو بکر اسکاف، علی بن احمد فارسی اور ابو محمد بن عبداللہ فقیہ کے فقہی اقوال کا مجموعہ ہے [6]

۷۵۔ النہایہ شرح ہدایہ :۔ حسام الدین حسین بن علی بن حجاج (متوفی ۷۱۸ھ) کی تصنیف ہے۔

۷۶۔ واقعات الناطفی :۔ معروف فقیہ شیخ ابو العباس احمد ناطفی (متوفی ۴۴۶ھ) کی تالیف ہے [7]

---

[1] کشف الظنون ج ۲ کالم ۱۸۸۶، [2] ایضاً کالم ۱۸۸۷، [3] ایضاً کالم ۵۳
[4] ایضاً کالم ۱۹۵۳، [5] ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون ج ۲ کالم
[6] کشف الظنون ج ۲ کالم ۱۹۸۱
[7] ایضاً کالم ۱۹۹۹

Marfat.com

۷۷۔ واقعات الحسامی :- علامہ عمر بن عبدالعزیز بخاری کی تالیف ہے۔ علامہ موصوف ماہِ صفر ۵۳۶ھ میں سمرقند میں شہید ہوئے اور ان کی میت بخارا میں منتقل کی گئی۔ اس کتاب میں ابو اللیث کی النوازل اور ناطفی کی واقعات کو یک جا کر دیا گیا ہے۔ نیز فتاوی ابو بکر اور فتاوی اہل سمرقند سے بھی استفادہ کیا گیا ہے[1]

۷۸۔ الوجیز :- اس نام کی متعدد کتابیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے، یہاں قاضی صدرالدین سلیمان بن ابو العز حنفی (متوفی ۶۷۷ھ) کی الوجیز الجامع لمسائل الجامع مراد ہے[2]

۷۹۔ وقایۃ الروایہ فی مسائل الہدایہ :- برہان الشریعت محمود بن صدرالشریعت الاول عبیداللہ محبوبی کی تالیف ہے۔

۸۰۔ ہدایہ :- اس نام کی کئی کتابیں ہیں جن میں سے ایک فروع شافعیہ میں ابو الحسن منصور بن اسماعیل تیمی شافعی (متوفی ۳۰۶ھ) کی۔ ایک فروع حنابلہ میں شیخ الامام الفاضل ابن الخطاب محفوظ بن احمد بن الحسن بن احمد طویادی کلوذانی بغدادی حنبلی (متوفی ۵۱۰ھ) کی ایک طب میں ابن سینا حسین بن عبداللہ حکیم (متوفی ۴۲۸ھ) کی۔ لیکن یہاں شیخ الاسلام برہان الدین علی بن ابو بکر مرغینانی (متوفی ۵۹۳ھ) کی تصنیف مراد ہے۔ یہ فقہ حنفی کی نہایت اہم اور معروف کتاب ہے اور در حقیقت یہ اسی مصنف کی ایک تصنیف بدایۃ المبتدی کی شرح ہے۔ اس میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا انداز یہ ہے کہ پہلے امام ابو یوسف رحہ اور امام محمد رحہ کے اقوال نقل کر کے مسئلۂ زیر بحث سے متعلق ان کا مسلک اور نقطۂ نظر ظاہر کرتے اور اس کی دلیل بیان کرتے ہیں۔ پھر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دعوی کی وضاحت کرتے اور اس کے بارے میں شرح و بسط سے دلائل ضبط تحریر میں لاتے ہیں۔ اس کتاب کی فقہی اہمیت کے پیش نظر اس کی

---

[1] الفوائد البہیہ ص ۱۴۹۔ کشف الظنون جلد ثانی کالم ۱۹۹۸

[2] کشف الظنون ج ۲ کالم ۲۰۰۱

Marfat.com

کئی شروح لکھی گئیں اور علماء و فقہا نے مختلف انداز سے اس پر بہت کام کیا ہے۔[1]
انگریزی زبان میں بھی اس کا ترجمہ ہو چکا ہے۔

۸۱ - ینابیع الاحکام :- امام ابو عبداللہ محمد بن محمد زنگی السفرائنی الشعی السادی کی تالیف ہے اور فقہی مسائل پر مشتمل۔ اس میں ائمہ اور کتب کا ذکر علامات کے ذریعے کیا گیا ہے۔ مثلاً الحاوی الکبیر کے لیے "ح" اور الوسیط کے لیے "ط" وغیرہ وغیرہ۔[2]

---

[1] تفصیلات کے لیے دیکھیے کشف الظنون ج ۲ کالم ۲۰۳۱ تا ۲۰۴۰
[2] کشف الظنون ج ۲ کالم ۲۰۵۰، ۲۰۵۱

Marfat.com

مصادر و مراجع

اس کتاب کی تصنیف میں درج ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا:

۱۔ ابجد العلوم ۔ نواب صدیق حسن خان۔

۲۔ ازالۃ الخفاء ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی۔

۳۔ اصولِ فقہ ۔ سر عبدالرحیم ۔ اردو ترجمہ: مولوی مسعود علی۔

۴۔ اعلام الموقعین ۔ امام ابن قیم ۔ (مطبع منیریہ مصر)

۵۔ کتاب الانساب ۔ سمعانی

۶۔ انفاس العارفین ۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ۔ (طبع دہلی)

۷۔ ایضاح المکنون فی الذیل علی کشف الظنون ۔ اسماعیل پاشا البابانی البغدادی۔

۸۔ عمل صالح الموسوم بہ شاہ جہان نامہ ۔ محمد صالح کنبوہ ۔ مطبوعہ کلکتہ ۔ باہتمام رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال

۹۔ بحر زخار ۔ شیخ وجیہ الدین

۱۰۔ البدایہ والنہایہ ۔ حافظ ابن کثیر (طبع مصر)

۱۱۔ برہان پور کے سندھی علما ۔ المعروف بہ تذکرہ اولیائے سندھ ۔ سید محمد مطیع اللہ راشد برہانپوری۔

۱۲۔ بزم تیموریہ ۔ سید صباح الدین عبدالرحمن (مطبوعہ دار المصنفین اعظم گڑھ)

۱۳۔ بزم مملوکیہ " " " "

۱۴۔ تاریخ شیراز ہند جون پور ۔ اقبال احمد (طبع جون پور)

۱۵۔ تاریخ فرشتہ ۔ محمد قاسم (طبع نول کشور لکھنؤ)

۱۶۔ تاریخ فیروز شاہی ۔ ضیاء الدین برنی۔

۱۷۔ تاریخ فیروز شاہی سراج عفیف ۔ اردو ترجمہ فدا علی طالب۔

۱۸۔ تاریخ التشریع الاسلامی ۔ علامہ محمد خضری ۔ اردو ترجمہ تاریخ فقہ اسلامی ۔ مولانا عبدالسلام ندوی (مطبوعہ دار المصنفین ۔ اعظم گڑھ ۔ ۱۳۴۶ھ)

۱۹۔ تاریخ معصومی ۔ (تاریخ سندھ) میر محمد معصوم بھکری ۔ اردو ترجمہ اختر رضوی ۔ (شائع کردہ سندھی ادبی بورڈ ۔ کراچی)

Marfat.com

۲۰ - تاریخی مقالات - پروفیسر خلیق احمد نظامی - ندوة المصنفین دہلی۔

۲۱ - تاریخی مقالات - پروفیسر محمد اسلم ندوة المصنفین سمن آباد - لاہور۔

۲۲ تحفة الکرام - میر علی شیر قانع ٹھٹھوی - اردو ترجمہ اختر رضوی

۲۳ - تجلی نور - (تذکرہ مشاہیر جون پور) نور الدین زیدی۔

۲۴ - تذکرہ علمائے ہند - مولوی رحمان علی (مطبوعہ نول کشور لکھنؤ)

۲۵ - تذکرہ علمائے ہند - اردو ترجمہ: محمد ایوب قادری۔

۲۶ - تذکرة الحفاظ - ابو عبداللہ شمس الدین محمد الذہبی (طبع حیدر آباد دکن)

۲۷ - تکملہ تاریخ ادب عربی - بر کلمان۔

۲۸ - توزک جہانگیری - مرزا محمد ہادی معتمد (طبع نول کشور لکھنؤ)

۲۹ - الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ - ابن ابی الوفا القرشی الحنفی المصری - (طبع حیدر آباد دکن)

۳۰ - چچ نامہ (فتح نامہ سندھ) علی بن حامد بن ابو بکر کوفی ۶۱۳ھ (طبع حیدر آباد دکن)

۳۱ - حدائق الحنفیہ - مولوی فقیر محمد جہلمی - (مطبوعہ نول کشور لکھنؤ)

۳۲ - حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی - پروفیسر خلیق احمد نظامی (ندوة المصنفین دہلی)

۳۳ - حیات ولی - مولانا محمد رحیم بخش دہلوی (شائع کردہ مکتبہ سلفیہ لاہور)

۳۴ - دارقطنی (مطبع فاروقی دہلی)

۳۵ - دہلی اور اس کے اطراف - مولانا سید عبدالحی حسنی لکھنوی (انجمن ترقی اردو دہلی)

۳۶ - ڈکشنری آف اسلام - ہیوز

۳۷ - سبحة المرجان فی آثار ہندوستان - غلام علی آزاد بلگرامی

۳۸ - سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات - خلیق احمد نظامی

۳۹ - عالمگیر نامہ - منشی محمد کاظم بن محمد امین (مطبوعہ کالج پریس کلکتہ ۱۸۶۸ء)

۴۰ - عجائب الہند بزرگ بن شہریار۔

۴۱ - علمی اجالے امیر حسن نورانی اسلامیہ کالج لکھنؤ - (مطبوعہ راجہ رام کمار بکڈپو لکھنؤ)

۴۲ - فتوح البلدان - احمد بن یحییٰ بن جابر المشہور بہ بلاذری۔

Marfat.com

۴۳ - فرحۃ الناظرین قلمی - محمد اسلم پسروری -

۴۴ - فرحۃ الناظرین اردو ترجمہ - محمد ایوب قادری (مطبوعہ لاہور)

۴۵ - الفرقان ماہنامہ (شاہ ولی اللہ نمبر - ۱۳۵۹ھ)

۴۶ - فہرست کتب، پنجاب یونیورسٹی، لائبریری لاہور

۴۷ - فہرست کتب، پنجاب پبلک لائبریری لاہور

۴۸ - فہرست کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد - دکن -

۴۹ - فہرست کتب، انڈیا آفس لائبریری لندن -

۵۰ - فہرست کتب، رام پور لائبریری - رام پور

۵۱ - فہرست کتب، مانچسٹر لائبریری -

۵۲ - فہرست کتب، طہران لائبریری -

۵۳ - فہرست کتب، بانکی پور لائبریری - (خدا بخش لائبریری - پٹنہ)

۵۴ - فہرست کتب، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال -

۵۵ - فہرست کتب، رائل ایشیاٹک سوسائٹی بنگال -

۵۶ - الفہرست - محمد بن اسحاق ابن ندیم وراق مطبوعہ بیروت -

۵۷ - الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ مولانا عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی

۵۸ - قاموس المشاہیر -

۵۹ - کامل التواریخ - عزالدین علی بن محمد المعروف بہ ابن اثیر الجزری -

۶۰ - کشف الظنون - حاجی خلیفہ (مطبع بہیہ ۱۹۴۱ء - ۱۳۶۰ھ)

۶۱ کنٹری بیوشن آف انڈو پاکستان ٹو عربک لٹریچر - ڈاکٹر زبید احمد -

۶۲ - ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ -

۶۳ - مآثر الامرا - صمصام الدولہ شاہ نواز خان (اردو ترجمہ: پروفیسر محمد ایوب قادری
ناشر: مرکزی اردو بورڈ لاہور - ۱۹۶۸ء)

۶۴ - مآثر رحیمی - ملا عبدالقادر نہاوندی (طبع کلکتہ زیر اہتمام ایشیاٹک سوسائٹی بنگال)

Marfat.com

۶۵۔ مآثر عالم گیری۔ محمد ساقی مستعد خان۔

۶۶۔ مآثر الکرام۔ غلام علی آزاد بلگرامی

۶۷۔ محبوب الاحباب۔

۶۸۔ مرأة العالم۔ قلمی۔ بختاور خاں۔

۶۹۔ مشاہیر جون پور۔

۷۰۔ معجم البلدان۔ (طبع بیروت)

۷۱۔ معجم المطبوعات العربیہ

۷۲۔ مقالات منتخبہ اورینٹل کالج میگزین ۱۹۲۵ تا ۱۹۷۰ (پنجاب یونیورسٹی لاہور)

۷۳۔ مقالات سید سلیمان ندوی حصہ اول و دوم (دار المصنفین اعظم گڑھ)

۷۴۔ مقالات مولوی محمد شفیع جلد چہارم۔ مرتب احمد ربانی ایم۔ اے۔ (شائع کردہ مجلس ترقی ادب لاہور۔ ۱۹۷۲)

۷۵۔ مقدمہ تحفة الاحوذی۔ مولانا عبد الرحمٰن مبارک پوری

۷۶۔ مقدمہ فتاوی عالم گیری۔ مولانا سید امیر علی ملیح آبادی۔ (نول کشور لکھنؤ)

۷۷۔ مقدمہ المتانہ فی مرمة الخزانہ۔ ابو سعید غلام مصطفی قاسمی سندھی (سندھی ادبی بورڈ کراچی)

۷۸۔ منتخب اللباب۔ محمد ہاشم خافی خان۔

۷۹۔ نزہة الخواطر۔ مولانا سید عبد الحی حسنی لکھنوی۔ (طبع حیدر آباد دکن)

۸۰۔ النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر۔ مولانا عبد الحی فرنگی محلی لکھنوی۔

۸۱۔ وفیات الاعیان۔ ابن خلکان۔ (طبع مصر ۱۹۴۸ء۔ ۱۳۶۷ھ)

۸۲۔ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے۔ (دار المصنفین اعظم گڑھ)

۸۳۔ ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی جلوے۔

۸۴۔ ہندوستان کے سلاطین، علما اور مشائخ کے تعلقات پر ایک نظر۔ سید صباح الدین عبد الرحمٰن (مطبوعہ دار المصنفین اعظم گڑھ)

۸۵۔ یادِ ایام۔ مولانا سید عبد الحی حسنی لکھنوی۔

Marfat.com

برِّصغیر پاک و ہند میں علمِ فقہ

مولانا محمدؒ اسحاق بھٹی

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور